ہوا، پانی اور مٹی سے تشکیل ہوا تھا اس لیے یہ غیر اغلب نہیں کہ اس کے اجتماعی لاشعور ——— Collectiveunconscious میں بھی ماضی اور ماضی کی روایات کے وہ سارے نقوش موجود تھے جو روشنی میں آنے کے لئے بیتاب تھے۔ میراسین کی ہستی محض اس لاشعوری رجحان کو جنبش میں لانے کا موجب بنی اور میراجی نے اپنی نظم کے وسیلے سے اس صدیوں پرانی وابستگی اور پُوجا کے رُجحان کو کاغذ پر منتقل کر دیا۔

÷ ÷ ÷ ÷

"ذمہ داری"

ایڈیٹر: "تو آپ پُروف ریڈر کی جگہ چاہتے ہیں؟"

درخواست گذار: "جی ہاں جناب!"

ایڈیٹر: "لیکن کیا آپ اس اہم خدمت کی ذمہ داریوں سے واقف ہیں؟"

درخواست گذار: "جی ہاں جناب۔ جب کبھی اخبار کے تعلق سے آپ کوئی غلطی کریں تو اس کا الزام آپ میرے سر تھوپ دیا کیجئے۔ میں ایک لفظ بھی نہیں کہوں گا۔"

دل سے رخصت ہوئی کوئی خواہش
گریہ یُوں بے سبب نہیں آتا

— میر

آندھرا پردیش

زینت ساجدہ
آندھرا پردیش

جادو نگار نذیر احمد

اُردو کی شاید ہی چند کتابیں ایسی ہوں گی جو اس قدر دلچسپی کے ساتھ ہر عمر میں پڑھی جاتی ہوں گی جیسے کہ نذیر احمد کی کتابیں۔ ہم بار بار انہیں پڑھتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔ اُس زمانہ میں بھی ایسے لوگوں کی کمی نہیں تھی نہ آج ہے جو انہیں پڑھ کر اتنے متاثر ہوتے ہیں کہ ان قصوں میں لکھی ہوئی ساری باتوں کو سچ جانتے ہیں اور دلّی جاتے ہیں تو خانم کے بازار میں محمد فاضل صاحب کے مکان کا پتہ پُوچھتے ہیں۔ کوئی کرے تو کیا کرے لکھنے کا طرز ہی ایسا ہے کہ ہر بات آنکھوں کے سامنے ہوتی نظر آتی ہے۔"

یہ بھی اُردو ادب کی خوش قسمتی تھی کہ عربی زبان کے ماہر علوم دینی کے کامل مولوی نذیر احمد بیٹھے بٹھائے ایک دن اپنے بچوں کی تربیت و تعلیم کے لئے مناسب کتابیں نہ پاکر قصے لکھنے لگے۔ اور اتفاق ہی سے سب کو پتہ چلا کہ یہ تو اچھے خاصے ناول نگار ہیں۔ مان نہ مان پہلے ناول نگار ہونے کا سہرا اُن کے سر باندھا گیا۔ خود نذیر احمد نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے مولوی صاحب کا درجہ معقولات اور منقولات میں کتنا ہی بلند سہی لیکن اگر وہ صرف نرے مولوی کی سی زندگی گذارتے تو زندگی میں کچھ وعظ کہہ ڈالتے کچھ ناظروں میں حصّہ لیتے، لوگوں کو مسئلے مسائل سے واقف کراتے اور چند مُلّانے طالب علموں کو پڑھا کر راہیٔ مُلکِ عدم ہوتے۔ یہ سب تو انہوں نے کیا ہی ہے اُس کے علاوہ جو چیز ان کا ہُنر و فن نہیں تھی وہی ان کے لئے شہرتِ دوام کا باعث بنی۔ اُردو ادب کے محسنوں میں، نثر کے عناصر خمسہ میں اُن کا شمار انہیں قصہ کہانیوں کی بدولت ہے۔ اپنے بچّوں کے لئے لکھے ہوئے یہ قصّے ایسے دلچسپ، شگفتہ اور جاندار ہیں کہ ہم آج بھی انہیں اسی شوق سے پڑھتے ہیں جیسے یہ ماضی میں پڑھے گئے ہوں گے۔ اور امکان یہی ہے کہ مستقبل میں بھی ان کی قدر و قیمت میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

آج کے تنقید نگار جب بڑی سنجیدگی کے ساتھ نذیر احمد کی ناولوں پر قلم اُٹھاتے ہیں تو بے سوچے سمجھے انہیں واعظ، زاہد خشک، ٹکنیک سے نابلد اور نمونوں کے کردار پیش کرنے والا مصنف ٹھیراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ناول نگاری میں یہ عیب ہے، یہ کوتاہی اور یہ خامی۔ وہ یہ بھُول جاتے ہیں کہ غریب نذیر احمد نے لکھتے وقت یہ دعویٰ نہیں کیا تھا نہ اُنہیں اس کا احساس تھا کہ میں ناول لکھ رہا ہوں یا ناول نگاری کے فن سے آگاہ ہوں۔ مگر یہ عجیب بات ہے کہ ان تمام کوتاہیوں اور خامیوں کو تسلیم کرنے کے باوجود ان کی کتابوں کی اہمیت کم نہیں ہوتی۔ یہ ایسی دلچسپ اور جاندار ہیں کہ اچھی اچھی ناولوں پر بھاری ہیں۔

مراۃ العروس میں انہوں نے اپنی بچی کو سگھڑ اور تمیزدار بیٹی بنانے کے لئے دو بہنوں کی کہانی لکھی اور باتوں باتوں میں وہ تمام باتیں سکھا دیں جن کا جاننا ہر بیٹی اور ہونے والی بہو کے لئے ضروری ہے۔ اکبری خانم پھوہڑ، لڑاکا، بے وقوف اور زبان دراز جو شادی شدہ ہوکر بھی میاں سے فرمائش کرتی ہے تو میلے سے ڈھلی خجری لانے کی۔ پاجامے کی کلیاں اُلٹی جوڑتی ہے اور اتراتی ہے۔ ایک مکار کی باتوں میں آکر سارے زیور سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہے۔ جس کا جی محلّے بھر کی کمسن لڑکیوں میں بیٹھ کر خوش ہوتا ہے۔ چھوٹی اصغری خانم نہایت تمیزدار، سلیقہ مند، عقل و ہوش کی مالک، گھر کا حساب کتاب لکھنے والے اور مودی خانے کی کنجیاں سنبھالنے

مدھیا پردیش

سال نامہ

(رجسٹرڈ نمبر C ٣٧٢)

نومبر ١٩٦١ء

محبوب نگر میں فصل کی کٹائی کا موسم ۔

مشاہدہ !

آندھرا پردیش

نومبر ۱۹۶۱ء

کارتک ۱۸۸۳ ساکا

★

جلد (۶)

شمارہ (۱)

★

فی پرچہ

(۲۵) نئے پیسے

سالانہ ---- (۳) روپے

---- سرورق: ----

ناگارجن ساگر بند

★

---- آخری ورق: ----

دی وڈرا بھیاورم ریلوے لائن کو براڈ گیج لائن میں تبدیل کر دیا گیا
اس کا افتتاح مرکزی وزیر ریلوے نے ۸ اکتوبر ۱۹۶۱ء کو کیا

ترتیب

ناظم محکمہ اطلاعات و تعلقات عامہ آندھرا پردیش حیدرآباد (دکن) نے شایع کیا ۰۰۰ (مطبوعہ :- انتخاب پریس ، جو[illegible]

تیسرا منصوبہ (سپلیمنٹ)

آندھرا پردیش کا دوسرا سالنامہ پیشِ خدمت ہے۔

نومبر کا مہینہ ہمارے لئے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ آج سے ٹھیک ۵ برس پیشتر عظیم تر ریاست آندھرا پردیش کا قیام عمل میں آیا۔ اور اس طرح ۳ کروڑ سے زاید آندھراؤں کی دلی خواہشات کی تکمیل ہوئی۔ اس ریاست کے قیام کے وقت جن اندیشوں کا اظہار کیا جارہا تھا، شکر ہے کہ وہ غلط ثابت ہوئے۔ عوام نے اب آندھرا اور تلنگانہ کی اصطلاحوں میں سوچنا ترک کر دیا ہے اور بڑی حد تک جذباتی انضمام عمل میں آچکا ہے۔

آج سے دو سال پیشتر ہماری ریاست نے ایک اہم قدم اُٹھا کر پُورے ملک کی رہنمائی کی تھی۔ یہ اہم قدم تھا ریاست میں پنچایت راج کا قیام، ہماری ریاست نے بلونت رائے مہتا کمیٹی کی سفارشات پر عمل کرتے ہوئے سب سے پہلے اقتدار کو غیر مرکوز کیا اور یکم نومبر ۱۹۵۹ء کو ریاست کے تمام اضلاع میں پنچایت سمیتیاں قایم کی گئیں۔ ہمارے اس عظیم الشان تجربے کا مشاہدہ پُورا ملک بڑی بے چینی سے کر رہا تھا۔ شروع شروع میں بعض اندیشوں کا اظہار کیا گیا لیکن حکومت کی فاضلانہ رہنمائی اور عوام کے تعاون سے تمام اُمور کو یکسوئی سے حل کر لیا گیا۔ پنچایت راج کے قیام کے سلسلہ میں جسطرح ہماری ریاست کو اوّلیت حاصل ہے، اسیطرح پنچایت راج کے موضوع پر ہمارے ملک میں پہلی دستاویزی فلم "آزادی کے پھول" تیار کرنے کا سہرا بھی آندھرا پردیش کے محکمہ اطلاعات و تعلقاتِ عامہ ہی کے سر ہے۔ یہ سارے ملک میں اپنی نوعیت کی پہلی فلم ہے۔

۳۰ مارچ ۱۹۶۱ء کو دوسرا پانچ سالہ منصوبہ کامیابی سے ختم ہوا اور یکم اپریل ۱۹۶۱ء سے تیسرا پانچ سالہ منصوبہ، جو پہلے دو منصوبوں سے زیادہ عظیم الشان ہے، شروع کیا گیا۔ دوسرے منصوبے کے دوران مابقی ملک کے ساتھ ساتھ ہماری ریاست نے بھی تمام شعبوں میں ترقی کی۔ یکم نومبر ۱۹۶۱ء کو ریاست کی پانچویں سالگرہ کی تقاریب کے ساتھ ساتھ تیسرے پانچ سالہ منصوبے کی تشہیر کے سلسلہ میں ہفتہ منصوبہ کی تقاریب کا بھی آغاز ہوا۔ ساتھ ہی آندھرا جینتی تقریبی کمیٹی کی جانب سے حیدرآباد میں ۲، ۳، اور ۴ نومبر ۱۹۶۱ء کو کُل ہند تلگو کوی سمیلن، کُل ہند اُردو مشاعرہ اور کُل ہند ہندی کوی سمیلن منعقد ہوئے جو بہت کامیاب رہے۔ تلگو کوی سمیلن میں شری شری، شری جاشوا، کرونا شری، کاٹورو وینکٹیشور راؤ، گڈیارم سیتا شاستری، وغیرہ، اُردو مشاعرے میں، فراق گورکھپوری — نشور واحدی، جگن ناتھ آزاد، روشن صدیقی، فنا نظامی کانپوری، رام کشن مضطر، شاہ جہاں بیگم یاد لکھنوی اور قتیل شفائی نے، اور

ہندی کوی سمیلن میں' بلبیر سنگھ رنگ، نبسی دھر شکلا، کمٹ بہاری سروج، کیلاش باجپائی، اور اندی ور' وغیرہ نے شرکت کی۔ ان کے علاوہ تلگو، اُردو، ہندی، کے مقامی شعراء نے بھی ان تقاریب میں حصہ لیا۔

نومبر کا مہینہ ہمیں یوں بھی عزیز ہے کہ اس ماہ کی ۱۴ر تاریخ کو ہمارے محبوب وزیراعظم شری نہرو کی سالگرہ منائی جاتی ہے۔ انہیں کی خواہش پر اب یہ دن "یومِ اطفال" کے طور پر منایا جاتا ہے۔ اس روز بچوں کی ریلیاں منعقد ہوتی ہیں اور قوم کی توجہ بہبودیٔ اطفال کے کاموں کی طرف مبذول کرائی جاتی ہے۔ ادارۂ آندھرا پردیش اپنے وزیراعظم کی خدمت میں ہدیۂ تہنیت پیش کرتے ہوئے ان کی درازیٔ عمر کے لئے دست بدعا ہے۔

۲۴ر اکتوبر کو اقوامِ متحدہ کی ۱۶ ویں سالگرہ منائی گئی اور دنیا کے تمام عوام اور خاص طور پر ایشیا و آفریقہ کے نو آزاد عوام نے ادارہ اقوامِ متحدہ پر ایک بار پھر اپنے اعتماد و ایقان کا اظہار کیا۔

ریاست کے سبھی عوام نے مابقی ہندوستان کے عوام کے ساتھ ۸ر اور ۹ر نومبر کو چراغوں کا تیوہار' دیپاولی' بڑے جوش و خروش اور اُتساہ سے منایا۔ ہمارے ملک میں عام طور پر اور ہماری ریاست میں بالخصوص تمام عیدین اور اہم تیوہار سبھی فرقوں کے لوگ مِل جُل کر اور پیار و محبت سے مناتے ہیں۔ اس بار بھی ان شاندار روایات کو برقرار رکھا گیا۔ ادارہ آندھرا پردیش اپنے قارئین کی خدمت میں اس شبھ اوسر پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہے۔

(ادارہ)

فراق گورکھپوری

اُردو کا جنم

مسلمانوں کو ہندوستان میں آکر بسے ہوئے کئی سو برس ہو چکے ہیں۔ ہندوستان کی مختلف زبانیں بن چکی ہیں اور اُن میں ابھی نثر تو نہیں لیکن شاعری کے نغمے گونجنے لگے ہیں اور سب زبانوں میں ہندوؤں کے ساتھ ساتھ اُن کی آواز میں اپنی آواز ملاکر شاعری کر رہے ہیں۔ خسرو کبیر صاحب، ملک محمد جائسی، رس خان، رسلین، عالم اور انہی کی طرح کئی سو دوسرے مسلمان مرد عورت ہندی شاعری کو مالا مال کر رہے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ کئی مسلمان اور کچھ ہندو فارسی میں شاعری کر رہے ہیں اور بہت اونچی قسم کی شاعری کر رہے ہیں ساتھ ہی ساتھ فارسی میں بہت رچی ہوئی نثر بھی لکھی جا رہی ہے۔

دکن میں مسلمان بعد کو اُتری ہندوستان سے جا بسے اور کچھ صدیوں کے بعد ہی دکن کی بولیاں بولنے لگے لیکن اب سے لگ بھگ پانچ سو برس پہلے جو اُتری ہند کی بولی تھی اُسے بھی اپنے ساتھ دکن لیتے گئے تھے اِس بولی میں اُتری ہند میں ادب کی تخلیق نہیں ہوئی تھی لیکن دکن میں اُتری ہند کی بولی میں اب سے کئی سو برس پہلے شاعری ہونے لگی اور کچھ نثر کی کتابیں بھی تصنیف ہوئیں اِس شاعری اور اِس نثر میں پہلے پہل آج کی اُردو کی جھلک نظر آتی ہے اِس ہندی نما دکنی زبان میں پہلے پہل عربی فارسی کے لفظ ہندی لفظوں کے ساتھ نگینے کی طرح جڑے ہوئے ہیں۔ فارسی شاعری کی جتنی قسمیں ہیں اور جتنی بحریں ہیں انہیں بھی دکنی ہندی میں کام میں لایا گیا۔

جہاں تک اُتری ہند کا تعلق ہے سترھویں صدی عیسوی میں دلی شہر اور کچھ آس پاس کے شہروں میں بھی وہ بولی بن چکی تھی جسے ہم اُردو کہتے ہیں لیکن یہ عمل یعنی اس بولی کے بننے کا عمل تو اکبر ہی کے وقت سے شروع ہو گیا تھا۔ اس بولی میں ہندی لفظوں کے ساتھ ہزاروں عربی فارسی کے لفظ اَن پڑھ تک بولتے تھے دوسری خصوصیت اس بولی کی یہ تھی کہ اس میں خالص سنسکرت کے الفاظ بہت کم شامل تھے یہ تو حال ہوا اِس بولی کا جسے سب ہندو مسلمان گھروں میں بازاروں میں سفر میں عام بات چیت میں بولتے تھے۔ جہاں تک ادب کی تخلیق کا سوال تھا فارسی کے شاعر اٹھارہویں صدی میں بہت کم رہ گئے تھے اور ہندی کے شاعر بھی بہت کم رہ گئے تھے اب اُتری ہند میں اُردو شاعری پیدا ہونے والی ہے، اُردو بولی تو جاری ہے اکبر کے وقت سے لیکن لگ بھگ دو برسوں تک کسی ہندو یا مسلمان کو اُتری ہند میں یہ خیال بھی نہیں پیدا ہوا کہ اسے شاعری کے لئے کام میں لایا جائے۔

اٹھارویں صدی کی دو تین دہائیاں بیت چکی ہیں مغل سلطنت اگرچہ ابھی قایم ہے اور ۱۸۵۷ء تک برائے نام قائم رہے گی لیکن انحطاط زوال کا شکار ہو چلی ہے دکن کے صوبیدار آصفجاہ نے اپنے کو خود مختار کر لیا ہے اودھ کے نواب نے بھی اپنے کو خود مختار کر لیا ہے یہی حال بنگال کا بھی ہے کئی اور نوابوں نے بھی قریب قریب خود مختاری یا نیم خود مختاری برتنا شروع کر دیا ہے جاٹوں اور سکھوں کی طاقت زوروں سے بڑھ رہی ہے مراٹھوں نے بھی بڑے بڑے علاقے دبا رکھے ہیں ایسٹ انڈیا کمپنی کے انگریز تاجروں کا اثر بڑھتا جا رہا ہے باہر سے احمد شاہ ابدالی اور نادر شاہ نے ہندوستان پر دھاوا کر دیا ہے اور جی بھر کے اُسے لوٹا ہے اور ذلیل کیا ہے اسی ڈانواڈول زمانے میں جب ہندوستان میں تاراج پھیل رہا تھا دلی میں اُردو شاعری کی پہلی بولیاں سنائی پڑیں اور اسی کمزور زمانے میں اُردو کے دو بہت بڑے شاعر میر اور سودا نے اُردو میں ایسی شاعری کی جسے رہتی دنیا تک ہم بھول نہیں سکتے۔

دلی میں اونچے اور اوسط طبقے کے مسلمانوں کی ایک تہذیب بن چکی ہے اور اُس تہذیب کا ایک ثقافتی اور لسانی پس منظر ہے اس تہذیب

کے کئی مرکز ہندوستان بھر کے کئی شہروں اور قصبوں میں بن چکے ہیں اور بنتے جائیں گے ایسے ہر مرکز میں ایک مکتب ہوگا جہاں عربی فارسی کی تعلیم دی جائیگی اور اُردو شاعری کا چرچا پھیلے گا۔ حیدرآباد دکن، مرشدآباد، پٹنہ، لکھنؤ، مُرادآباد، فرخ آباد، آگرہ ایسے شہروں میں تہذیب و ادب کے چراغ جلیں گے۔ بلگرام، خیرآباد، امروہہ، موہان، ملیح آباد، کاکوری، ردولی، کڑہ مانک پور ایسے سینکڑوں قصبوں میں علم و ادب کی سازفضا ہوگی اور شاعری کا طوطی بولیگا۔

ہندوستان کے مسلمانوں کی زندگی کی چند خصوصیتیں جان لینا چاہیئے ایک تو ان شہریت کی نمایاں خوبیاں ہے ان آبادیوں اور قصبوں میں بسنے کے لوگ مقامی بولی نہ بولیں گے بلکہ ان کے بچے، بچیاں، مرد، عورت، نوکر، رشتہ دار ان سے ملنے جلنے والے اور کئی جانکار ان سے لوگ تک کھڑی بولی بولیں گے۔ دوسری خصوصیت ان کی زندگی کی یہ ہوگی کہ ان طبقوں کی عورتیں ان پڑھ نہیں ہوں گی انہیں عربی میں قرآن پڑھنا ہے اور اُسے اُردو میں سمجھنا ہے دلی اور کئی بڑے بڑے شہروں میں بھٹیار خانے قائم ہو چکے ہیں بھٹیاروں کی زبان قینچی کی طرح چل رہی ہے روز مرّہ محاوروں اور ٹکسالی بولی کی پارکش ہو رہی ہے مگر بھٹیار خانوں اور کاروان سراؤں میں تو سفر کے زمانے میں لوگ آتے جاتے ہیں دلی اور کئی شہروں میں نان بائیوں کی اتنی دُکانیں کُھل چکی ہیں کہ بہت سے گھروں میں کھانے پکانے کی ضرورت ہی نہیں ہے اور گھر کی عورتیں اور لڑکیاں سینے پرونے کڑھائی کے کاموں بیل بوٹا کاری کے کاموں میں اپنا وقت لگا رہی ہیں اسلئے گھروں کے مرد اور لڑکے کافی وقت گھر کی عورتوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے بات چیت کرنے کھانے اور ناشتہ کرنے میں صرف کرتے ہیں ٹکسالی اُردو میں باتیں ہوتی ہیں کوئی بات کہنے میں یہاں بھول چوک ہوئی عورتیں نورا ٹوک دیتی ہیں اُردو روز بروز سانچے میں ڈھلتی جا رہی ہے جامع مسجد کی سیڑھیوں پر سیکڑوں طرح کے داستان دار بیٹھتے ہیں اور سب اپنی اپنی بات دلی کی اُس ٹکسالی بولی میں بول رہے ہیں جو چار پانچ سو برس پہلے سے بن چکی ہے اور بنتی جا رہی ہے اور جس کے سانچے میر اور سودا کے وقت تک اسی نوّے فیصدی حد تک تیار ہو چکے تھے یہ بولی سانچے ڈھالتی جا رہی ہے اور سانچوں میں ڈھلتی جا رہی ہے۔

جب اس بولی کی حیثیت ایک کچے مال کی حیثیت تھی تو یہ بولی جاٹوں کی بولی تھی۔ کڑی، کھردری بے لچک کی بے لطافت دبے نزاکت کی گلا اور کان دونوں پھاڑ دینے والی اس میں نہ برج بھاشا کی مٹھاس تھی نہ اودھی کی نرمی تھی نہ بھوجپوری کا لوچ تھا اس میں اچھے گیت تک نہ تھے اُردو سے پہلے جو شاعری کھڑی بولی میں کی گئی تھی وہ کچھ ان سادھوؤں اور سنتوں کی دین تھی جو نرگن کے پوجنے والے تھے اور جو رام و رحیم کی ایکتا سکھاتے تھے کھڑی بولی کی اس شاعری میں اکا دُکا عربی فارسی لفظ بھی آگئے ہیں لیکن دُنیاوی زندگی کی شاعری اس میں بہت کم ہوئی ہے حُسن و عشق کی داستان اُردو سے پہلے کھڑی بولی کی شاعری میں نہ ملے گی اُردو کی شکل میں جب یہ شاعری آگے بڑھے گی تو اس میں تہذیب و تمدن اپنے پورے بناؤ رچاؤ کے ساتھ جلوہ گر ہوں گے اسے دن کی باتیں نازک اور لطیف جذبات فلسفہ اور اخلاق حیات و کائنات پر دُور تک پہونچنے والے تجربے اور خیالات بیان کے سیکڑوں انداز اب اس بولی میں پیدا ہو گئے ہیں۔

یہاں ایک سوال اُٹھتا ہے وہ یہ کہ جب اُردو شاعری سے سیکڑوں برس پہلے کی ہندی شاعری اور ہندوستان کی دوسری زبانوں کی شاعری میں عربی، فارسی الفاظ یا تو نہیں ہیں یا نہ ہونے کے برابر ہیں تو پھر اُردو شاعری میں عربی فارسی کے بدیسی الفاظ کی بھرمار کیوں ہوتی ہے ان بدیسی الفاظ کی ضرورت ہی کیا ہے یہ سچ ہے کہ اُردو کو چھوڑ کر ہندوستان بھر کی دوسری زبانوں کی شاعری میں بدیسی الفاظ یا تو نہیں ہوتے یا نہ ہونے کے برابر ہیں۔ لیکن جنوبی ہندوستان کی زبانوں کو چھوڑ کر اُتری ہندوستان کی زبانوں کی نثریں اور لغات میں کئی کئی ہزار عربی فارسی الفاظ ملتے ہیں اُردو شاعری کا نناوے فیصدی حصہ ایسا ہے کہ جن میں وہی عربی فارسی الفاظ آتے ہیں جن کو ان پڑھ ہندو مسلمان بھی بولتے اور سمجھتے ہیں پھر یہ الفاظ بدیسی کہاں رہے۔ جیسا پہلے بتایا جا چکا ہے ہزاروں فارسی عربی الفاظ مسلمانوں کے آنے کے بعد سے ہی ہماری بولی میں گھل مل چکے تھے اور سیکڑوں برس تک اُردو شاعری کے جنم لینے سے پہلے کروڑوں آدمی اس گھلی ملی بھاشا یا زبان کو بولتے رہے ہیں اُردو شاعری نے لگ بھگ ساٹھ ستر ہزار خالص ہندی لفظوں میں تین ہزار کے قریب عربی فارسی الفاظ جوڑ دیئے ہیں جن میں مشکل سے پانچ سو ایسے الفاظ ہیں جنہیں پڑھ کر سیکھنا پڑتا ہے پوری فہرست تو نہیں لیکن پھر بھی ایک بہت بڑی فہرست ایسے عربی فارسی لفظوں کی نیچے دی جاتی ہے جنہیں ان پڑھ بولتے ہیں۔

آدمی۔ مرد۔ عورت۔ بچہ۔ زمین۔ کاشتکار۔ ہوا۔ آسمان۔
گرم۔ سرد۔ حالت۔ حال۔ خراب۔ نیکی۔ بدی۔ دُشمنی۔ دوستی۔ شرم۔
دولت۔ مال۔ مکان۔ دُکان۔ دروازہ۔ صحن۔ برآمدہ۔ زندگی

مدت ۔ طوفان ۔ سوال ۔ جواب ۔ بحث ۔ طرف ۔ طرفداری ۔ طرح ۔ حیران ۔
بیہوش ۔ ہوشیار ۔ چالاک ۔ سُست ۔ تیز ۔ سوار ۔ سواری ۔ راہ ۔ شہر ۔ محلّہ ۔ غصہ
قصبہ ۔ غم ۔ درد ۔ خوشی ۔ آرام ۔ سایہ ۔ کتاب ۔ حساب ۔ خبردار ۔ گواہ ۔ بیاہ ۔
دوا ۔ شیشہ ۔ آئینہ ۔ پیالہ ۔ گلاب ۔ باغ ۔ بہار ۔ مُروّت ۔ مُحبت ۔ صورت ۔
مصیبت ۔ تعجب ۔ عجب ۔ امیر ۔ غریب ۔ عزّت ۔ آبرو ۔ ہندی ۔ ہندوستان ۔
ہندو ۔ سادہ ۔ دل ۔ دماغ ۔ چہرہ ۔ خون ۔ رگ ۔ شرارت ۔ سلام ۔ زمین ۔
رعایا ۔ مالگزاری ۔ شور ۔ غل ۔ جمع ۔ باقی ۔ خیریت ۔ خبر ۔ تکلیف ۔ نقصان
فائدہ ۔ فقیر ۔ فوراً ۔ بہانہ ۔ جادو ۔ کبوتر ۔ کمر ۔ گردن ۔ آواز ۔ زبان ۔
خرچ ۔ میدان ۔ وکیل ۔ پیشکار ۔ امین ۔ قانون گو ۔ تحصیلدار ۔ وصول ۔
خدمت ۔ غلام ۔ آزاد ۔ رنگین ۔ نمک ۔ منظور ۔ نظر ۔ لگام ۔ چراغ ۔ چادر ۔
تکیہ ۔ پردہ ۔ جگہ ۔ نزدیک ۔ دُور ۔ قریب ۔ خطرہ ۔ بیان ۔ گمان ۔
دیوان خانہ ۔ مسند ۔ ظاہر ۔ کشتی ۔ زور ۔ طاقت ۔ خاص ۔ طوطی ۔ روشنی
تردّد ۔ گرانی ۔ بخار ۔ ہیضہ ۔ طاعون ۔ بدہضمی ۔ حلوہ ۔ حلوائی ۔ کاغذ ۔
لفافہ ۔ مُہر ۔ نہر ۔ شکایت ۔ زہر ۔ وزن ۔ آستین ۔ شلوکہ ۔ مالک ۔
جائداد ۔ محل ۔ مشکل ۔ مہربانی ۔ ذرا ۔ کم ۔ زیادہ ۔ طاق ۔ حُکم ۔ امن ۔
امان ۔ فرصت ۔ ہمّت ۔ بیہودہ ۔ منزل ۔ اختیار ۔ ظلم ۔ ذکر ۔ فکر ۔
فساد ۔ رضائی ۔ رومال ۔ بخیہ ۔ رفو ۔ کشتی ۔ جہاز ۔ نشانی ۔ تیر ۔ کمان ۔
صندوق ۔ بے وقوف ۔ خالی ۔ خارج ۔ قے ۔ قسم ۔ پسند ۔ قرض ۔ قول ۔
قرار ۔ فوج ۔ مُلک ۔ بادشاہ ۔ شہزادہ ۔ جہیز ۔ شادی ۔ رُعب ۔ خلاصہ ۔
دغاباز ۔ حرامزادہ ۔ نمک حلال ۔ فلاں ۔ واپسی ۔ رخصتی ۔ تبادلہ ۔ کنارہ ۔
بندگی ۔ برتی ۔ تماشہ ۔ خیال ۔ یاد ۔ باریک ۔ فصل ۔ گندگی ۔ صفائی ۔
شروع ۔ ختم ۔ اخیر ۔ دو ۔ چار ۔ خزانہ ۔ پائجامہ ۔ میوہ ۔ شراب
انگور ۔ بادام ۔ پستہ ۔ مست ۔ شگون ۔ انکار ۔ راضی ۔ مہتر ۔ درزی ۔
چیز ۔ طشتری ۔ ورق ۔ وعدہ ۔ نقد ۔ مہلت ۔ پان ۔ زردہ ۔ سفر ۔ لاش ۔
کفن ۔ دفن ۔ محراب ۔ گنبد ۔ بدتمیز ۔ شوخ ۔ مزہ ۔ مزہ دار ۔ حجامت
خاک ۔ صلح ۔ بستر ۔ کرسی ۔ داغ ۔ داخل ۔ ستار ۔ طبلہ ۔ نقارہ ۔ جلوس
جلسہ ۔ ذمّہ ۔ شیخی ۔ ضرورت ۔ ضرور ۔ بعد ۔ برباد ۔ مقدّمہ ۔ حاکم ۔
قلم ۔ وقت ۔ جوان ۔ انتظار ۔ لیکن ۔ مگر ۔ میسر ۔ مختار ۔ قسمت ۔ تقدیر
چشمہ ۔ زمانہ ۔ گرفتاری ۔ قید ۔ دُعا ۔ مطلب ۔ اگر ۔ تصویر ۔ اشارہ ۔
موجود ۔ قحط ۔ رشتہ ۔ بیتاب ۔ نقشہ ۔ دُنیا ۔ شبنم ۔ قوم ۔ غصہ ۔
دیوا ۔ پرورش ۔ قافلہ ۔ جاری ۔ بزرگ ۔ تمام ۔ کُل ۔ مثال ۔ مثل ۔
آندھرا پردیش

مہمان ۔ اُمید ۔ مسجد ۔ روز ۔ شوق ۔ برکت ۔ غرض ۔ بیکار ۔ بلا ۔ آہ ۔ ہائے ۔
واہ ۔ جہان ۔ بیجا ۔ ہزار ۔ تکرار ۔ غضب ۔ پر ۔ بال ۔ کینہ ۔ سینہ ۔ واقف
ہستی ۔ بُلبل ۔ حیثیت ۔ شام ۔ صُبح ۔ اقبال ۔ امتحان ۔ چمن ۔ چاقو ۔ اُسترا
ناخن ۔ تجارت ۔ کاروبار ۔ تازہ ۔ مرہم ۔ علاج ۔ خور ۔ اثر ۔ دولت ۔
انسان ۔ قدم ۔ جرّاح ۔ خاطر ۔ قصور ۔ خطا ۔ معافی ۔ جان ۔ شکار ۔ کمند ۔
جُرم ۔ خلاف ۔ شیر ۔ رحم ۔ قاعدہ ۔ مجبور ۔ بدن ۔ نرم ۔ بیچارہ ۔ شوہر ۔
برات ۔ بدحواس ۔ ناممکن ۔ دیر ۔ برف ۔ سرحد ۔ زلزلہ ۔ پیشی ۔ نمائش ۔
حوالہ ۔ درجہ ۔ صاحب ۔ غلط ۔ صحیح ۔ طبیعت ۔ شاید ۔ ہمیشہ ۔ برابر ۔ افسوس
غنیمت ۔ شیطان ۔ تعلق ۔ دفتر ۔ افسر ۔ سلسلہ ۔ بازار ۔ مصالحہ ۔ پرواہ ۔
جہنم ۔ رُتبہ ۔ خوف ۔ ہراس ۔ شان دار ۔ سال ۔ فرق ۔ لُطف ۔ ستارہ ۔
پری ۔ دیو ۔ موسم ۔ دریا ۔ واردات ۔ اراضی ۔ کمال ۔ قربانی ۔ پنجاب ۔
انصاف ۔ کوشش ۔ بغل ۔ بغیر ۔ بے ۔ دعوت ۔ مرض ۔ مریض ۔ بستر ۔
آبپاشی ۔ آبکاری ۔ سرکاری ۔ حضور ۔ عملداری ۔ عُذرداری ۔ بندوبست
یار ۔ تعزیہ ۔ رُقعہ ۔ پرچہ ۔ پُرزہ ۔ داروغہ ۔ صدری ۔ بند ۔ اخبار ۔ اوسط ۔
ہوا ۔ بہشتی ۔ فوجداری ۔ دیوانی ۔ لحاظ ۔ زبردستی ۔ کرایہ ۔ کدّو ۔ مُربّہ ۔ اچار
خربوزہ ۔ تربوزہ ۔ سبزی ۔ زیرہ ۔ دانہ ۔ پیشوا ۔ کارندہ ۔ پیسہ ۔ تیغ ۔ بازی
پیادہ ۔ وزیر ۔ پُلاؤ ۔ پیاز ۔ صُراحی ۔ قیامت ۔ دیوانہ ۔ نوک ۔ تاریخ ۔ تماشہ
تالاب ۔ تلاشی ۔ جاہل ۔ لائق ۔ نہایت ۔ قابل ۔ پرہیز ۔ ہفتہ ۔ بے ادبی ۔
قصہ ۔ ذخیرہ ۔ تجربہ ۔ طے ۔ گُذرگاہ ۔ ماہواری ۔ مُردہ ۔ نتیجہ ۔ شربت
رائے ۔ لقوہ ۔ مضبوط ۔ کمزور ۔ کارروائی ۔ روانہ ۔ پروانہ ۔ کمخواب ۔ حاطہ ۔
سُراغ ۔ تنخواہ ۔ ترقی ۔ جُرمانہ ۔ اشرفی ۔ کیفیت ۔ فریب ۔ مکر ۔ ملاح ۔
نقل ۔ بُرادہ ۔ آماس ۔ مُلاقات ۔ اصلی ۔ نقلی ۔ بُری ۔ رہن ۔ شمع ۔ شمع دان ۔
تسلہ ۔ سُرمہ ۔ رسم ورواج ۔ رفع ۔ دفع ۔ رعایت ۔ رسید ۔ زنجیر ۔ سفارش ۔
زنانہ ۔ ساعت ۔ گز ۔ خیمہ ۔ شامیانہ ۔ سائبان ۔ سپاہی ۔ سُپرد ۔ شُترمُرغ ۔
شال ۔ دوشالہ ۔ قطار ۔ سجدہ ۔ بغاوت ۔ غدّار ۔ طوفان ۔ کیمیا ۔ ران ۔ تعینات ۔
مُسافر ۔ کرامات ۔ مات ۔ فضیحت ۔ کسر ۔ کسرت ۔ (ورزش) کشمیر ۔ بالکل
جوش ۔ کوچ ۔ دامن ۔ توشک ۔ صلاح ۔ اندر ۔ جگر ۔ دم ۔ دبدبہ ۔ ناراض
دیہات ۔ معجون ۔ حلال ۔ حلال خور ۔ دوات ۔ جن ۔ معلوم ۔ مردم شماری ۔
زاربند ۔ تنگ ۔ دق ۔ گوشت ۔ لعنت ۔ ملامت ۔ مرمّت ۔ پیوند ۔ عمل
دخل ۔ دستاویز ۔ تعویز ۔ مخمل ۔ قالین ۔ فرش ۔ ناشتہ ۔ ریشم ۔ ملائم ۔ کافی
تاکید ۔ رنج ۔ قلعہ ۔ مُستعد ۔ افسوس ۔ ساز ۔ سازندے ۔ مذاق ۔ مسخرا ۔ پنشن

نیلام ۔ بارُود ۔ کثرت ۔ خِلاف ۔ غلاف ۔ باقی ۔ بقایا ۔ اِجلاس ۔ نوبت ۔ مُعائنہ ۔ آبلہ ۔ آبخورہ ۔ احتیاط ۔ اجازت ۔ داخل ۔ خارج ۔ جانور ۔ حیوان ۔ جاندار ۔ توپ بندوق ۔ جعل سازی ۔ انداز ۔ شاگرد ۔ پیشہ ۔ روزگار ۔ اولاد ۔ جاری ۔ مُجرم مُلزم ۔ مالِش ۔ مجال ۔ ندارد ۔ عیب ۔ خوانچہ ۔ گُلاب ۔ نزلہ ۔ زُکام ۔ چاشنی ۔ بالائی ۔ آمدنی ۔ دستکاری ۔ میناکاری ۔ خیرات ۔ عجائب خانہ ۔ چرخہ ۔ جلد ۔ جِلد ۔ چوگان ۔ مشہور ۔ خرگوش ۔ تعطیل ۔ وارث ۔ ریاست ۔ حُقّہ ۔ فرشی ۔ چَو ۔ کباب ۔ شوربہ ۔ ترازُو ۔ ہیچ ۔ تہہ ۔ استر ۔ عطر ۔ شکر ۔ آبادی ۔ محکمہ ۔ محتاج ۔ پودہ نہال ۔ ارمان ۔ مُراد ۔ اُف ۔ انجیر ۔ حمّام ۔ پہلوان ۔ قلابازی ۔ پوشاک ۔ گوشوارہ ۔ قتل ۔ قاتل ۔ جہنم ۔ تیاری ۔ شفتالُو ۔ شلجم ۔ بہتر ۔ توبہ ۔ نماز ۔ خیر ۔ خیریت ۔ داستان ۔ افسانہ ۔ چوب ۔ چوبدار ۔ خدمت ۔ خدمت گار ۔ بُنیاد ۔ عاشق ۔ معشوق ۔ محبُوب ۔ کمینہ ۔ خوف ۔ ادا ۔ ناز ۔ پیمانہ ۔ واسطہ ۔ اوسط ۔ سطح نگاہ ۔ نگہبان ۔ معمولی ۔ اِحسان ۔ شُکریہ ۔ شکر ۔ شامِل ۔ حاصل ۔ سَند ۔ ثابت ۔ ثبوت ۔ وجہ ۔ سبب ۔ مختانہ ۔ حکمت ۔ خدا ۔ سُلطان ۔ سلطنت ۔ موافق ۔ واہیات ۔ واردات ۔ تاج ۔ تخت ۔ حاشیہ ۔ گُم ۔ رقم ۔ جیب ۔ گریبان ۔ تہذیب ۔ تدبیر ۔ طور ۔ طریقہ ۔ صدقہ ۔ قربان ۔ خواہش ۔ تمنّا ۔ وہم ۔ حضرت ۔ بدحواس ۔ مُبارک ۔ مورچہ ۔ غزل ۔ شاعری ۔ شعر و سخن ۔ ماتم ۔ خشکی ۔ تری ۔ دلچسپ سازش ۔ سازباز ۔ تعلیم ۔ تقسیم ۔ پیدا ۔ غور ۔ روشن دان ۔ پہرہ دار ۔ چلم ۔ چندہ ۔ سیر ۔ جنگ ۔ اعتبار ۔ غُبار ۔ گرد و غبار ۔ چُغلی ۔ آئندہ ۔ تاوان ۔ بساطی ۔ تعریف ۔ اعلان ۔ علاوہ ۔ آسان ۔ آہستہ ۔ آوارہ ۔ انجام ۔ اوّل ۔ آزمائش آب و تاب ۔ آتش دان ۔ استعفٰی ۔ افواہ ۔ بسرکہ ۔ رقبہ ۔ مُرتبہ ۔ تسکل ۔ شریف مناسب ۔ مرد ۔ گُستاخ ۔ بدنامی ۔ غائب ۔ حاضر ۔ بدمعاش ۔ مزدُور ۔ حلقہ ۔ نُسخہ ۔ نگرانی ۔ تواضع ۔ مزاج ۔ نقدی ۔ معیاد ۔ گزرنا ۔ گزارہ ۔ خوراک ۔ شک شُبہ ۔ حق ۔ حق دار ۔ تن ۔ تنقی ۔ تماش ۔ شطرنج ۔ مُہرہ ۔ مجرّب ۔ اکثر ۔ میوہ ۔ بہادُر ویران ۔ سامان ۔ برآمد ۔ رکاب ۔ فاختہ ۔ سُرخاب ۔ خضاب ۔ اندیشہ ۔ انعام بخشش ۔ رشوت ۔ خوشبو ۔ بدبو ۔ پنجہ ۔ نشہ ۔ خُماری ۔ رندہ ۔ دلال ۔ دیمک ایمان ۔ دیوان ۔ دربار ۔ سردار ۔ سفید ۔ سیاہ ۔ کفایت ۔ فضُول ۔ فوارہ ۔ پُل ۔ بستہ ۔ خط ۔ فریاد ۔ زین ۔ چارجامہ ۔ پلنگ پوش ۔ منصُوبہ ۔ جنس ۔

طوالت کے خوف سے ہم یہی دس گیارہ سو الفاظ گنوا کر قلم روک لیتے ہیں ۔ کتنے عربی فارسی لفظ ہماری ہندی بولی میں آچکے ہیں اور پانچ سو برس سے آچکے ہیں ۔ اس کا اندازہ اسی بات سے کیا جا سکتا ہے کہ بچوّں کے لیئے جو مختصر ہندی لغات " بال شبد ساگر " کے نام سے کئی برس پہلے ہندی کے آندھرا پردیش

مشہور ادیب بابو شیام سندر داس نے شایع کی تھی اس میں کم و بیش چار ہزار عربی فارسی الفاظ شامل ہیں ۔ باہر سے آکر ہندوستان میں بس جانے والے مُسلمانوں نے ستّر اسّی ہزار خالص ہندی الفاظ ، ہندی محاورے ، ہندی کہاوتیں ، ٹکسالی ہندی کے ٹکڑے اپنا لئے اور ٹکسالی ہندی کے قواعد اپنا لئے بلکہ اسے بنانے اور سجنے میں نمایاں حصّہ لیا اور ہندوؤں نے چار پانچ ایسے عربی فارسی الفاظ اپنا لئے جو صدیوں کے میل جول سے ٹکسالی ہندی کا حصّہ بن چکے تھے ۔ اِسی ملی جُلی ہندی کا نام بعد کو اُردو پڑ گیا ۔ اُردو شبد شاہجہاں کے وقت میں مُغل فوج کے لیئے پہلے پہل استعمال ہوا تھا ۔ مُغل فوج کا نام تھا اُردوِ مُعلّیٰ یعنی بڑی فوج ۔ اس فوج کے ساتھ بہت بڑا بازار تھا جو اُردو بازار (فوجی بازار) کہلاتا تھا اس بازار کا اسّی نوّے فیصدی کاروبار ہندوؤں کے ہاتھ میں تھا اور اسّی نوّے فیصد منڈیاں آڑھتیں اور دوکانیں ہندو مہاجنوں کی تھیں چیزوں کے لین دین کے ساتھ شبدوں کا بھی لین دین شروع ہو گیا اور اِس طرح مسلمانوں نے ستّر اسّی ہزار خالص ہندی شبد اور ہندی بولی کے تمام ٹکڑے اور قواعد قبول کر لیئے اور ہندوؤں نے بس چار پانچ ہزار عربی فارسی شبد اپنا لئے اور وہ بھی اس لیئے کہ یہ عربی فارسی شبد ہندی بولی سے مطابقت و مناسبت رکھتے تھے ۔

شہر کی بولی کی نوک پلک دُرست کرنے میں مہذب اور پڑھے لکھے طبقے کا بڑا ہاتھ ہوتا ہے چونکہ ملی جُلی ہندی یعنی اُردو ادب دِلّی شہر اور بعد کو دوسرے شہروں اور قصبوں کی بولی بن گئی تو اِس بولی کو رچانے اور سنوارنے میں ان مسلمان گھرانوں اور خاندانوں کی خدمتیں حاصل ہوں گی جن میں مرد عورت سب پڑھے لکھے ہوتے تھے اور جو گنوارپن کا کبھی شکار نہیں ہو سکتے تھے ۔ اور جو عربی فارسی کے ایسے شبدوں سے ملی جُلی ہندی کو بوجھل کریں گے جو اِس ملی جُلی ہندی کو بھونڈی یا پھُوہڑ بنا دیں ۔ وہی عربی فارسی شبد ملی جُلی ہندی میں آئیں گے جن سے کان کے پردوں کو ٹھیس نہ لگے اور جو ہندی شبدوں سے رسے بسے کان کے پردوں سے چھَن کر زبان پر چڑھ جائیں اور دل میں اُتر جائیں ۔ یہ مُہذّب اور پڑھے لکھے مُسلمان گھرانے فارسی عربی لغات کے نوّے فیصدی لفظوں کو عربی فارسی بولی اور تحریروں میں بھلے جگہ دے دیں لیکن اُردو میں جگہ نہیں دیں گے ۔ یہ گھرانے اُردو کو نہ گنواروں کی زبان بننے دیں گے نہ مولوئیوں کی زبان بننے دیں گے پڑھے لکھے مُہذّب مسلمان گھرانے عوام سے الگ تھلگ یا کٹے کٹے یا بے تعلق نہیں رہیں گے بولی کے معاملے میں عوام کے ساتھ بھی رہیں گے اور عوام کے مزاج کا لحاظ رکھتے ہوئے

اِن کی رہنمائی بھی کریں گے ۔ بولی کے معاملے میں دلّی کی یا جہاں جہاں دلّی کی بولی پہونچ چکی ہے وہاں کی زندگی کو ٹکڑے ٹکڑے نہیں ہونے دیں گے اور یقیناً یہ زندگی بولی کے معاملے میں ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی اگر یہ مسلمان گھرانے ایک طرف سے دیہاتی پن یا گنوارپن کو پرے روکتے اور دوسری طرف ہندی سے تال میل نہ کھانے والے بڑے بڑے موٹے موٹے اِن عربی فارسی لفظوں کو ہندی میں ٹھونستے جو ہندی کے گلے میں خشک نوالے کی طرح اٹک کر رہ جاتے ۔ یہ مسلمان گھرانے زبردستی یا دھاندھلی سے ادھا دُھند عربی فارسی شبدوں کو اپنی ہندی میں پھٹکنے تک نہ دیں گے ۔ اِنہیں اِس زبان کو پروان چڑھانا ہے جو عوام کی زبان ہے جو ——— اجتماعی زندگی کی زبان ہے ، گھر کی زبان ہے ' — کارخانوں اور بازاروں کی زبان ہے ، مزدوروں ، کاریگروں ، سب مردوں عورتوں اور بچوں کی زبان ہے ، سب چھوٹوں بڑوں کی زبان ہے اور جو صرف عربی فارسی کے پنڈتوں اور عالموں کی زبان نہیں ہے ۔ لیجئے لگے ہاتھوں اس بات کا بھی جواب مل گیا کہ اُردو میں عربی فارسی لفظوں کی بھرمار ہوتی ہے اُردو کا وہ حصہ جس میں عربی فارسی لفظوں کی کثرت یا بُہتات ہے پُورے اُردو ادب کا ایک بٹے سو حصہ ہے ۔ بول چال کے رُوپ میں اُردو زبان صدیوں تک سانچے میں ڈھلتی رہی تب کہیں جاکر اُردو میں پہلا شعر کہا گیا اُردو شاعری میں لوگوں نے اپنی بولی کی گُونج اور جھنکار سُنی ۔ فضا کا اور دِلوں کا سنّاٹا دُور ہو گیا گھر بار اور بازار کی بولی نے شاعری کی دیوی کا رُوپ دھار لیا ۔

ہاں تو عربی فارسی کے وہی دو چار ہزار الفاظ اُردو میں داخل کئے گئے جن کی بناوٹ اور جن کا رُوپ رنگ اور جن کی آواز پچاسوں ہزار خالص ہندی لفظوں سے ملتی تھی ۔ خالص ہندی کا ایک بھی لفظ ایسا نہیں ہوتا جس میں ہر حرف کی پُوری اور الگ آواز نہ سُنائی دے اسی طرح کی آواز والے عربی فارسی لفظ اُردو میں لئے گئے ۔

دلّی میں اُردو ادب کے جنم لینے سے پہلے جو بولی رائج تھی اُس میں عربی فارسی کے لفظ خالص ہندی لفظوں سے اِس طرح گھُل مِل کر زبانوں پر چڑھ گئے تھے کہ اُنہیں ایک دوسرے سے الگ کیا ہی نہیں جاسکتا تھا بہت سے عربی فارسی لفظ تو ایسے تھے جن کے کئی کئی مطلب ہوتے تھے یہ الفاظ ٹکسالی بولی اور محاوروں کی جان تھے مثلاً صاف کا لفظ لے لیجئے اور اس کے رنگا رنگ استعمال دیکھئے ۔

۱ ۔ تم نے بات سمجھا دی اب میرا دل صاف ہو گیا ۔

۲ ۔ اُس نے روپیہ دینے سے صاف انکار کر دیا ۔

۳ ۔ رام چندر کی لکھاوٹ بہت صاف ہے ۔

۴ ۔ تمہارا لکھا مجھ سے صاف نہیں پڑھا جاتا ۔

۵ ۔ صاف صاف بتاؤ تم کیا چاہتے ہو ۔

۶ ۔ جادُوگر کے ہاتھ کی صفائی دیکھنے کے قابل ہے ۔

۷ ۔ موٹے مَل پانچ سیر کھانا صاف کر گئے ۔

۸ ۔ صفائی کے گواہ کل پیش ہوں گے ۔

۹ ۔ میرا حساب صاف ہو گیا ۔

۱۰ ۔ داؔغ کا مصرعہ ہے "صاف چھُپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں" ۔

۱۱ ۔ صاف بات تو یہ ہے ۔

۱۲ ۔ اُن کی نیت صاف نہیں ہے ۔

۱۳ ۔ گھوڑا دو گز کی ٹٹّی صاف کُود گیا ۔

۱۴ ۔ ایک بار میں اپنے مسلمان دوست کے ساتھ دعوت میں شریک تھا وہ چمچے سے کھا رہے تھے میں ہاتھ سے ، جب مٹھائی آئی تو مجھے ہاتھ دھونے کے لئے اُٹھنا پڑا اور میں نے اُن سے کہا بھائی تمہارے ہاتھ تو صاف ہیں اُنہوں نے کہا ہاتھ بھی صاف ہے دِل بھی صاف ہے' میں نے کہا جی ہاں ہاتھ بھی صاف ہے دل بھی صاف ہے اور دماغ بھی صاف ہے ۔

خراب کا لفظ لیجئے اور اُس کے مختلف استعمال دیکھئے ۔

(۱) بڑا خراب آدمی ہے (اس فقرہ میں خراب کے خود کئی معنے ہیں)

(۲) عاشق کہتا ہے جب سے معشوق کو دیکھا ہے آنکھوں کو کوئی دوسری چیز اچھی نہیں معلوم ہوتی ۔ اب یہ مصرعہ سُنئے ۔

" پھری نگاہ جو تجھ سے خراب ہو کے پھری "

(۳) سیکڑوں آدمیوں کی دعوت تھی اور آئے کُل دس بارہ آدمی بہت سا کھانا خراب ہو گیا ۔

(۴) کھانے کے سجے سجائے تھال میں چھپکلی گر پڑی کُل کھانا خراب ہو گیا ۔

(۵) بُخار میں مُنہ کا مزہ خراب ہو جاتا ہے ۔

(۶) وہ کیچڑ میں گر پڑا اور اُس کے کُل کپڑے خراب ہو گئے ۔

(۷) یہ مصرعہ سُنئے "اب آگئے ہو تو آؤ تمہیں خراب کریں"

(۸) وہ لڑکپن ہی سے خراب صحبت میں پڑ گیا تھا ۔

(۹) ہمارا وقت خراب نہ کیجئے۔
(۱۰) وکیل کی غلط بحث سے میرا مقدمہ خراب ہو گیا۔
(۱۱) حاکم نے بڑا خراب فیصلہ دیا ہے۔
(۱۲) اُس کے امتحان کا نتیجہ خراب نکلا۔
(۱۳) یہاں کی آب و ہوا خراب ہے۔
(۱۴) تم خود بھی خراب ہو گے اور دوسروں کو بھی خراب کرو گے۔
(۱۵) اُردو کا مشہور شعر ہے۔

یہ جو چشمِ پُر آب ہیں دونوں
ایک خانہ خراب ہیں دونوں

غضب

۱۔ غضب کی تقدیر تھی۔
۲۔ "غضب کی آنکھ تو ہے لُطف کی نظر نہ سہی"۔
۳۔ آپ کیا غضب ڈھا رہے ہیں۔
۴۔ ایسا کیجئے گا تو غضب ہو جائے گا۔
۵۔ خدا کا غضب۔
۶۔ غضب کا سیلاب آیا۔
۷۔ غضب کا نشہ ہے۔
۸۔ یہ کیا غضب ہے۔

"رنگ"

۱۔ رنگ لانا۔
۲۔ رنگ اُڑانا۔
۳۔ رنگ جمانا۔
۴۔ رنگ باندھنا۔
۵۔ رنگ پکڑنا۔
۶۔ رنگ پر آنا۔
۷۔ رنگ بدلنا۔
۸۔ رنگ چمکانا۔
۹۔ رنگِ طبیعت۔
۱۰۔ رنگِ محفل۔
۱۱۔ رنگ اُڑنا۔
۱۲۔ یہ شعر غالب کے رنگ میں ہے۔
۱۳۔ رنگ ڈھنگ۔
۱۴۔ رنگ ملنا۔
۱۵۔ رنگ کھیلنا۔
۱۶۔ رنگ اُچھالنا۔

نام: یہ لفظ سنسکرت بھی ہے اور فارسی بھی۔

۱۔ نام رکھنا۔
۲۔ نام رکھنا (یعنی الزام دینا یا بدنام کرنا)
۳۔ نام اُچھلنا
۴۔ نام کمانا
۵۔ نام کرنا
۶۔ نام لینا
۷۔ نامی گرامی
۸۔ نام سے کانپنا
۹۔ [illegible] نام کہ
۱۰۔ نام بنام
۱۱۔ برائے نام
۱۲۔ نام نہاد
۱۳۔ نام والا
۱۴۔ نام چمکنا
۱۵۔ نام تک نہ لینا
۱۶۔ نام خدا

دام

۱۔ دام لگنا
۲۔ دام اُٹھنا
۳۔ دام بڑھانا یا گھٹانا
۴۔ دام چڑھنا
۵۔ دام اُترنا
۶۔ دام کے دام
۷۔ دام وصولنا
۸۔ منافع تو نہیں ہوا لیکن دام نکل آئے۔
۹۔ دام لکھا ہوا ہے۔

۱۰۔ بہت دام دینے پڑے۔
۱۱۔ آم کے آم گٹھلیوں کے دام۔
۱۲۔ "غالب" "درم و دام اپنے پاس کہاں"
۱۳۔ مجھے تو اپنے دام سے کام ہے۔
۱۴۔ دام گرنا
۱۵۔ دام مارنا
۱۶۔ بے داموں مول لے لینا۔

یہ حال تو صرف چھ لفظوں کا ہے جن کے پچاسی مختلف استعمال گنوائے گئے ہیں اگر یہ عربی فارسی لفظ ہم اپنی بولی سے نکال دیں تو چھ لفظوں کی جگہ لگ بھگ پچاسی لفظ گڑھنے پڑیں گے اور ہماری بولی بگڑ کے رہ جائے گی اسی طرح کے کئی سو اور عربی فارسی کے لفظ ہیں جو ہماری بولی میں کھپ چکے ہیں اگر ہم ایسے سب عربی فارسی کے لفظ نکال دیں تو ہمیں ہزاروں لفظ گڑھنے پڑیں گے اور بولی کا مزہ بھی جاتا رہے گا۔ بات بننے کے بدلے بات بگڑ جائے گی۔

ہم نیچے اُردو زبان کے کچھ ایسے ٹکڑوں یا فقروں کی فہرست دے رہے ہیں جن میں ایک لفظ عربی یا فارسی کا لفظ ہے اور دوسرا لفظ یا تو خالص ہندی کا ہے یا خالص سنسکرت کا اُردو شاعری ابھی شروع نہیں ہوئی تھی اور اُس سے کئی سو برس پہلے سے آج تک یہ ٹکڑے ہندی بولنے والوں کی زبان پر چڑھے ہوئے ہیں۔

شادی بیاہ۔ ہنسی خوشی۔ بہت مدّعی۔ کھوج خبر۔ گانٹھ گرہ۔ رنگ رُوپ۔ رنگ پانی۔ رنگ ڈھنگ۔ راگ رنگ۔ دھن دولت۔ گالی گُفتار۔ ہنسی مذاق۔ عزّت پانی۔ بال بچّے۔ قصّہ کہانی۔ حلوہ پُوری۔ دیر سویر۔ صبح سویرے۔ کاغذ پتّر۔ جی جان۔ ناک نقشہ۔ نوک جھونک۔ نوک پلک۔ دُنگا فساد۔ خط پتّر۔ ہاٹ بازار۔ چولی دامن۔ لاج شرم۔ پٹّی دار۔ پہرہ دار۔ ٹھیکیدار۔ جگت اُستاد۔ پُوجا نماز۔ دین دھرم۔ بے لاگ۔ بے دھڑک بے سُدھ۔ بے بھاؤ۔ کھُلے بندوں۔ دھوکے باز۔ ٹھائی نمکین۔ سُود بیاج پیک دان۔ سنگار دان۔ چادر دوپٹّہ۔ چور بازار۔ گرہ کٹ۔ بیٹھک باز۔ دم بھر۔ بے دھرم۔ دان خیرات۔ جوڑ جمع۔ نشہ پانی۔ رام رحیم۔ سادھو فقیر۔ ناشتہ پانی۔ تیتر باز۔ کینہ کپٹ۔ مول دام۔ رُعب داب۔ نوکر مالک۔ نفع گھاٹا۔ کھُلے عام۔ دریا پہاڑ۔ بُو باس۔ سادھو بابا۔ بال بیکا۔ چوراہہ بنیا بقّال۔ سادہ کپڑا۔ سیدھا سادا۔ بس اختیار۔ زور بس۔ راہ باٹ۔ لال پری

جوڑا جامہ۔ صحبت سنگت۔ شربت پانی۔ دانہ پانی۔ حُسین ساگر۔ علی گڑھ۔ مظفر نگر علی نگر۔ پچھلی شہر۔ چھتر منزل۔ موتی محل۔ مرہم پٹّی۔ پاگل خانہ۔ چڑیا خانہ۔ پھٹے حالوں۔ اندر باہر۔ پر مارنا۔ کھیل تماشہ۔ حال چال۔ کھانسی زکام۔ آدمی جن اچھا خراب۔ راج محل۔ کھُلے خزانے۔ موم بتّی۔ آرائش۔ شبھ ساعت۔ ساعت بچارنا نیک مہورت۔ گھُڑ سوار۔ پٹّے باز۔ موٹا مہین۔ باریک چاول۔ جوتی پیزار سر پیچ۔ تین چار۔ دَل بندی۔ ہزار برس۔

مندرجہ ذیل فقروں، مصرعوں، اور شعروں میں بھی عربی فارسی کے ساتھ ہندی کا میل قابلِ توجہ ہے۔

ایڑی چوٹی کا زور لگانا، خُون پسینا ایک کر دینا۔ خُون ہونا۔ خُون کرنا خونی۔ دِل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ دل سے اتر جانا۔ دِل میں گھر کرنا۔ دل آجانا۔ جان کا جنجال۔ دِل بھر آنا۔ بڑی مصیبت ہے۔ بڑی مشکل ہے۔ شامت آئی ہے۔ خدا خیر کرے۔ جوان [illegible] ماں میں تیرا مہمان۔ اب آپ چلتے پھرتے نظر آئیے۔ ہوش کی دوا [illegible]۔ جوانی دیوانی۔ جو شرارت کرے گا اس کی خوب خبر لی جائیگی۔ خاک میں ملانا۔ نئی جوانی مانجھا ڈھیلا۔

مصرعے :-

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو کچھ سُنا افسانہ تھا۔
طبیعت اُدھر نہیں جاتی (غالب)

دو چار شعر بھی ملاحظہ ہوں۔

مٹا مٹا کے مجھے خاک میں ملا دوگے — [illegible] کا جواب کیا دوگے
سڑک پر سُرخی کتنی دیکھی — شفقت کی [illegible] کتنی دیکھی
ہماری طرف اب وہ کم دیکھتے ہیں — وہ نظریں نہیں جن کو ہم دیکھتے ہیں
زمانے کے ہاتھوں سے چارا نہیں ہے — زمانہ ہمارا تمہارا نہیں ہے

اسی طرح کے پچاسوں ہزار فقرے اور جملے ہماری بولی میں ایسے ہیں جن سے ہم عربی فارسی لفظ نکالیں تو ہماری بولی بگڑ جائے گی۔ جیسے راہ فارسی کا لفظ ہے اسے اگر ہم اپنی بولی سے نکال دیں تو ہم یہ فقرے نہیں بول سکتے۔ راہ پر لگانا۔ راہ پر لانا۔ راہ کاٹنا۔ راہ کھوٹی کرنا۔ راہ سے بے راہ ہونا۔ راہ پر لگ جانا۔ اپنی راہ لگو۔ راہ یا راستہ لینا۔ راہ کٹھن ہے۔ راہ چلتے دل میں راہ کرنا۔ راہ میں کانٹے بچھانا۔ راہ دیکھنا۔ راہ بھولنا۔ راہ چلنا۔ راہ پانا۔ راہ یا راستہ دینا۔ راہ چھوڑنا۔ اِدھر کیسے راہ بھول پڑے۔

کچھ اور جملوں میں سے عربی فارسی لفظ اگر ہم نکالنا چاہیں تو ہماری بولی کا بُرا حال ہوگا۔ (۱) دل نے دُنیا نئی بنا ڈالی ۔ اور ہمیں آج تک خبر نہ ہوئی

(۲) تمہیں کچھ خبر بھی ہے (۳) بھائی خوب آئے (۴) وہ جو قابو ہی میں نہیں آتے (۵) آج بازار بند ہے (۶) کُھلتا کسی پہ کیوں میرے دِل کا معاملہ ۔ شعروں کے انتخاب نے رُسوا کیا مجھے (۷) مجھ پہ رُعب نہ جمائیے (۸) میں اُن کے رُعب میں آگیا (۹) میرا بچّہ بیمار ہے (۱۰) جوانی دیوانی (۱۱) ہوش کی دوا کرو (۱۲) چُغلی کھانا بہت بُری بات ہے (۱۳) جی جان سے کوششیں کرو (۱۴) ایڑی چوٹی کا زور لگاؤ (۱۵) خُون پسینا ایک کر دو (۱۶) خیر دیکھا جائے گا (۱۷) آج کل وہ مجھ پر بہت مہربان ہیں (۱۸) آپ عجب آدمی ہیں (۱۹) ہنسی خوشی زندگی کاٹ دو (۲۰) خربُوزہ سے خربُوزہ رنگ پکڑتا ہے (۲۱) کفائت کرنا سیکھئے ۔ (۲۲) تم ہزار منع کرو وہ اپنی عادت سے باز نہیں آئے گا (۲۳) دیوار پہ سفیدی پھیری جا رہی ہے (۲۴) یہ آدمی سیاہ سفید کا مالک ہے ۔

(۲۵) میدان صاف ہے (۲۶) یہ لڑکا ہمارے گھر کا چراغ ہے (۲۷) دوا پی لو (۲۸) علاج کراؤ (۲۹) ناخُن کٹوالو (۳۰) میرا بڑا ہرج ہوا (۳۱) یہ نیا حُکم جاری ہوا ہے (۳۲) شورمت مچاؤ (۳۳) اپنی کوئی نشانی چھوڑتے جاؤ (۳۴) مجھے دیر ہو گئی (۳۵) خُدا خُدا کرکے آپ آئے (۳۶) تمہاری خوراک بہت کم ہے ۔ (۳۷) ترازو میں تول کر دیکھ لیا سونے کا وزن پانچ تولہ ہے (۳۸) مجھے معلوم نہیں (۳۹) خیر سے جوان جہاں بیٹی ہے اب اُس کا بیاہ کر دو (۴۰) بڑی بدنامی ہوئی (۴۱) خرچ کم کرو (۴۲) حیثیت بگڑ گئی (۴۳) میں ایسے لوگوں کو دُور سے سلام کرتا ہوں (۴۴) جان کا دُشمن ۔

اب سے لگ بھگ دو سو برس پہلے دِلّی اور لکھنؤ میں جب اُردو شاعری بڑھتی ہے تو سیلاب کی طرح بڑھتی ہے کیونکہ اس شاعری میں جَن بھاشا (عوامی بولی) کے ہزار ہا ایسے ٹکڑے آگئے ہیں جو کروڑوں آدمی کی زبان پر اکبر کے وقت ہی سے ہیں اُردو شاعری نے ہندی کا ایک لفظ بھی ترک نہیں کیا اور عربی فارسی کے زیادہ سے زیادہ تر ایسے ہی الفاظ استعمال کیا جو زبانوں پر چڑھ چکے تھے اپنے جنم دِن ہی سے اُردو شاعری کی ہر دلعزیزی کا یہی کارن ہے دو تین سو برس تک یہ عربی فارسی لفظ صرف ہماری بولی میں کام آچکے ہیں گھر کی بولی بازار کی بولی ہندو مُسلمانوں کے آپس کی بولی کاروبار کی بولی میں ہر طرح اور ہر قسم کی بولی میں جب ہندی لفظوں اور محاوروں کے ساتھ یہ عربی فارسی لفظ شعر کے سانچوں میں ڈھلنے لگتے ہیں تو سُننے والے پھڑک جاتے ہیں اور ایسا محسوس کرتے ہیں کہ بقول غالب ؎

واہ ری تقدیر کی خُوبی کہ جو اُس نے کہا
میں نے جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

آندھرا پردیش

لیکن یہ سمجھنا بالکُل غلط ہوگا کہ اُردو، ہندی لفظوں میں فارسی عربی لفظوں کو محض ملا دینے سے بنی ہے سو فیصدی ہندی لفظوں سے بھی بنی ہُوئی اُردو نثر اور نظم کی کتابیں ملتی ہیں۔ اِن کتابوں میں ایک بھی عربی یا فارسی کا لفظ نہیں ہے حقیقت میں کھڑی بولی ہندی کو ایک خاص ڈھنگ یا اسلُوب سے استعمال کرنا اُردو ہے جیسے نیچے کی کچھ مثالوں سے ثابت ہوگا ۔

تھمتے تھمتے تھمیں گے آنسو ؛ رونا ہے یہ کچھ ہنسی نہیں (مُصحفی)

تارا ٹُوٹتے سب نے دیکھا یہ نہیں دیکھا ایک نے بھی
کس کی آنکھ سے آنسُو ٹپکا کس کا سہارا ٹُوٹ گیا
(آرزو لکھنوی)

کِھسیانی ہنسی ہنسنا اِک بات بنانا ہے ؛ ٹپکے ہوئے آنسُو کو پلکوں سے اُٹھانا ہے
(آرزو لکھنوی)

میرے ہوتے ہوئے اور کو اِتنا ستایا جائے گا
یہ تو مجھ سے دیکھتی آنکھوں نہ دیکھا جائے گا

بدن چور چِت چور تو تھے ہی کیا تُم سمے چور بھی ہو
یہ تو بتاؤ لئے جاتے ہو ساتھ اپنے یہ رات کہاں
جِھلمِل جِھلمِل تاروں نے بھی پائل کی جھنکار سُنی تھی
چلی گئی کل چھم چھم کرتی پیا مِلن کی رات کہاں

پریم پجاری نیم دھرم سے جینا تھا
توڑ دیا سب نجم تجھ کو کیا سُوجھی

چھڑ گئی اُن آنکھوں کی بات ؛ دُنیا میں اب دِن ہے کہ رات

یہ پانچوں شعر میرے ہیں ۔

بگڑیں نہ بات بات پہ کیوں جانتے ہیں وہ
ہم وہ نہیں کہ جِس کو منایا نہ جائے گا (حالی)

وہ نہیں بھُولتا جہاں جاؤں ؛ ہائے میں کیا کروں کہاں جاؤں
(ناسخ)

بات بھی نہ پُوچھی جائے گی جہاں جائیں گے ہم
تیری چوکھٹ سے اگر اُٹھے کہاں جائیں گے ہم
(محشر لکھنوی)

رات چلی ہے جوگن ہو کر اومن سے اپنے منہ کو دھو کر
لٹ چھٹکائے، بال سنوارے، اُمرے کالی کملی والے (شاد عظیم آبادی)

یہ جو مہنت بیٹھے ہیں دُرگا کے کُنڈ پر ؛ اوتار بن کے کُودے ہیں پریوں کے جُھنڈ پر
(انشاؔ)

بوجھ وہ سر سے گرا ہے کہ اُٹھائے نہ اُٹھے
کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے (غالبؔ)

کس طرح بَن میں آنکھ کے تارے کو بھیج دوں
جوگی بنا کے راج دُلارے کو بھیج دوں (چکبستؔ)

تیری چال ٹیڑھی تیری بات اُلٹی
تجھے میرؔ سمجھا ہے یاں کم کسُو نے (میر تقی میرؔ)

یہ مصرعے بھی دیکھئے۔

مُنہ سے نکلی ہُوئی پرائی بات ——— آتشؔ
ہوگئی اِک اِک گھڑی تجھ بِن پہاڑ ——— حالیؔ
کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے ——— غالبؔ
رات گئے سُلا دیا رات رہے جگا دیا ——— جگرؔ
کبھی کچھ رات گئے اور کبھی کچھ رات رہے ——— ریاضؔ خیرآبادی
سُہاگ ہند کا تیری چِتا میں جلتا ہے ——— چکبستؔ
کنول نے چٹکیوں میں لے لیا ندی کا سہاگ ——— یہ مصرعہ میرا ہے
اندھے کو اندھیرے میں بڑی دُور کی سُوجھی ——— انشاءؔ
اُنہیں چاہا نہ پایا اب کسی اور کو کیا چاہیں ——— جگت موہن لال رواںؔ
جھونکے کھانے سنبھلتے رہنے کے سوا ——— یاسؔ یگانہ
کچھ تو کہیئے کہ لوگ کہتے ہیں ——— غالبؔ
ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے ——— غالبؔ
اِدھر چمکی اُدھر سُلگی یہاں پھونکا وہاں پھُونکا ——— داغؔ
گھر جلا سامنے پر مجھ سے بُجھایا نہ گیا ——— میرؔ
بھرے ہیں آنکھوں میں آنسو اُداس بیٹھے ہو ——— تاشقؔ لکھنوی
سب ٹھاٹ پڑا رہ جائیگا جب لاد چلے گا بنجارا ——— نظیرؔ

میرا ایک مصرعہ ہے :-

تھکے تھکے سے یہ تارے تھکی تھکی سی یہ رات

اب کچھ ایسے فقرہ نثر کے دیئے جاتے ہیں جن میں ایک بھی فارسی لفظ نہیں ہے (۱) چاندنی کھیت کر آئی (۲) لڑائی میں سیکڑوں لوگ کام آئے (۳) دیکھو بھائی یہ چھیڑ چھاڑ اچھی نہیں (۴) ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہو (۵) باتیں بنانے سے بات نہیں بنے گی (۶) بات سے بات نکلتی ہے (۷) کام میں کام کئے جاؤ (۸) دِن کو دِن نہ سمجھو رات کو رات نہ سمجھو (۹) دِن ڈوب چلا تھا (۱۰) راتوں رات دھاوا بول دیا (۱۱) مجھے تم نے کہیں کا نہ رکھا (۱۲) آج سے مُجھے کان ہوگئے (۱۳) میں نے بڑے بڑوں کی آنکھیں دیکھی ہیں۔

یہ بہت تھوڑی سی مثالیں ہیں اور ایسی بیسوں ہزار مثالیں دی جا سکتی ہیں جن سے یہ بات صاف ہوگئی ہوگی کہ ہندی لفظوں کو ایک خاص ڈھنگ سے بولنے یا لکھنے کا نام اُردو ہے یہ ڈھنگ یا اسلُوب ہی اُردو زبان کی بُنیادی چیز ہے یہی وہ ڈھنگ ہے جسے ہم اُردو کا سانچہ کہہ سکتے ہیں۔ دِلّی میں جو کھڑی بولی شہنشاہ اکبر کے زمانے سے بولی جارہی ہے اُسے پڑھے لکھے مُسلمان گھرانوں میں سنوارا اور رچایا جارہا ہے اور ان ہی گھرانوں میں اُردو نے جنم لیا پھر جب اورنگ زیب کے بعد یہ بولی شاعری کے سانچے میں ڈھلی تو شہروں شہروں اور قصبوں قصبوں میں پھیل گئی اور پچھلے دو سو برسوں میں کئی ہزار ہندوؤں اور مسلمانوں نے اِس زبان کو رچانے اور سنوارنے میں ایک دوسرے کا ہاتھ بٹایا۔

اب ہم اُن تہذیبی قدروں کا ذکر کریں گے جو اُردو نثر و نظم نے ہمیں دیا۔

ادب بہت بڑا فن ہے فن کا کام یہ ہے کہ وہ ہمارے شعور اور وجدان کو اس طرح جگا دے کہ دُنیا اور زندگی کی ہر چیز ہر منظر ہر واقعہ حسین نظر آنے لگے اور ہمیں اُس سے محبت ہوجائے۔ اُردو شاعری نے ہمارے دماغ اور ہمارے اِخلاق ہمارے اخراج اور تعصب اور کٹّر پن اور وہ تمام جذبات جو آدمیوں میں بے تعلقی علیحدگی اور دشمنی کے جذبات پیدا کرے اِن سب کو ہٹانے میں اُردو ادب نے حصّہ لیا ہے۔ ہندو مسلم اتحاد کو اُردو شاعری نے بہت حد تک قایم کیا اور بڑھایا ہے جس طرح مُصلح اعظم کبیر صاحب نے رام و رحیم کو ایک بتایا اُردو شاعری نے بھی کُفر و اسلام کے فرق کو مِٹا کر رکھ دیا دوسری بڑی قدرِ زندگی جو اُردو شاعری کی دین ہے وہ ہے رواداری اور انسانوں میں جو خامیاں اور کمزوریاں ہیں اُن کے لئے ہمارے دِلوں میں اُردو شاعری ہمدردیاں پیدا کرتی ہے۔ واعظ، شیخ، زاہد و عابد کا ہمیشہ اُردو شاعری نے مذاق اُڑایا ہے کیونکہ اِن کے قول و فعل میں کٹّر پن ہوتا ہے اور ریگستانی ریت میں خشکی ہوتی ہے وہ جسمانی لذت اور بھوگ بلاس کو اور انسانی فطرت کو بھی بغیر گناہ کہہ دیا کرتے ہیں اُردو شاعری ہمیں بتاتی ہے کہ نیکی اور شرافت کا یہ تقاضا نہیں کہ آدمی ہر طرح کا آرام اور ہر طرح کی لذت یا بھی اپنے اُوپر حرام کرلے۔ اسی لئے ہزارہا اشعار میں یہ کہا گیا ہے کہ جن چیزوں کو کُفر و گناہ کہا جاتا ہے وہ چیزیں بھی زندگی کو سنوارتی ہیں کیونکہ اُردو

آندھرا پردیش

شاعری میں کُفر و گُناہ کے معنٰی یہ ہیں دُنیا اور زندگی سے پیار۔ مجاز یا مایا کو اُردو شاعری میں سچائی یا حقیقت تک پہونچنے کا ذریعہ مانا ہے سب سے بڑی جگہ اُردو شاعری میں عشق کو دی گئی ہے ہوس کو بُرا کہا گیا ہے لیکن عشق کو بہت اچھا بتایا گیا ہے عشق شروع تو ہوتا ہے کسی رنگ و رُوپ اور شخصیت پر فریفتہ ہو جانے سے اور جنسی زندگی میں جو تلذّذ ہے اُس کی تمنّا اور آرزو بلکہ لالچ تک پیدا ہونے سے ہے اگر اس جذبہ میں استقلال اور ثابت قدمی نہیں ہے تب تو یہ جذبہ ہوس ہے لیکن اگر یہ استقلال اور ثابت قدمی ہے تو اس کے معنٰی یہ ہوئے کہ لذّت یابی کے بعد بھی محبُوب سے بے نیازی اور علیحدگی نہیں پیدا ہوئی جنسی لذّت حاصل کر چکنے کے بعد بھی تصورِ محبوب دل و دماغ پر چھایا رہے گا۔ رفتہ رفتہ تصورِ محبُوب ترقی کر کے حُسنِ زندگی اور حُسنِ کائنات کے تصور میں مُنتقل ہو جائے گا اور اس طرح کسی ایک شخص سے سچّی محبت کر کے ہم انسان و کائنات سے محبت کرنا سیکھتے ہیں [illegible] وجود کی معنویت اور اس بُنیادی حقیقت کے شعُور کو ہمارے [illegible] جس سے ہم مادّی دُنیا اور مادّی زندگی کی رُوحانیت کا احساس کرنے لگتے ہیں یہ سب عشق ہی کا کرشمہ ہے اس آخری منزل پر پہونچ کے ہم تصوّف کے اُن [illegible] کا احساس کرتے ہیں جن سے اُردو شاعری مالامال ہے۔

اُردو شاعری اور اُردو زبان ہمیں اپنی زندگی میں نفاست [illegible] سلیقہ مندی نیکی اور نرمی اور [illegible] کی تعلیم دیتی ہے اس طرح ہماری زندگی میں ایک تربیت یافتہ [illegible] جگہ پاتی ہے جب تک چھاپہ خانوں کا رواج نہیں تھا اُردو شاعری [illegible] کا اس دیس میں عام رواج تھا۔ خاص کر قصبوں اور [illegible] مشاعرہ یا شادی کی محفلیں ہوتی رہتی تھیں ان مشاعروں [illegible] بیٹھنے کے قاعدے [illegible] سے اس طرح دماغ [illegible] جاتا تھا کہ حاضر جوابی اور برجستگی کے پھول برس پڑتے تھے اُردو شاعری نے [illegible] لطیفوں کو جنم دیا فقرہ بنانے اور چُست کرنے کے سیکڑوں طریقے [illegible] بات چیت کا وہ گُر اُردو شاعری نے ہمیں بتایا کہنے والے اور سُننے والے دونوں پھڑک اُٹھیں زبان و بیان میں روانی سُبکی موقعہ اور معنٰی کے [illegible] سے مناسب ترین لفظ کا لانا بندش کی چُستی لطیف اشاریت ان تمام چیزوں کا سبق اُردو شاعری ہمیں دیتی ہے معمولی سے معمولی لفظ میں اُردو شاعر جادُو بھر دیتا ہے ایک ایسے لفظ میں جسے ہم محض ایک بُوند کے برابر کہہ سکتے ہیں وہ اتھاہ اور اپرم پار سمندر بھر دیتا ہے کبیر کی اُلٹی بانی مشہور ہے اُردو شاعروں نے بھی اُلٹی

آندھرا پردیش

باتیں کہہ کے بہت بڑی حقیقتیں بیان کر دی ہیں غرض کہ اُردو شاعری نے ہماری شہری زندگی کے سیکڑوں برس کی تہذیب کو سیکڑوں زاویوں سے آئینہ دکھایا ہے۔ اُردو شاعری انگریزی راج کے قایم ہو جانے کے بعد تیزی سے بدلتے ہوئے زمانہ کا برابر ساتھ دیتی رہی۔ مغرب کے ادب سے اُردو شاعری ۱۸۵۷ء کے بعد سے ہی گہرے طور پر متاثر ہوتی رہی اور اس طرح اُردو شاعری کا میدانِ عمل بہت وسیع ہو گیا نئے نئے موضوعات شاعری کے لئے چُنے گئے نئے نئے اسلُوبِ بیان نکالے گئے شاعری کی صُورت و شکل متعین کرنے میں نئے نئے تجربے کئے گئے مناظرِ قُدرت پر پہلے کم توجہ دی گئی تھی لیکن پچھلے ساٹھ ستر برس سے مناظرِ قدرت پر اُردو میں بہت اچھی شاعری ہوتی ہے۔ حُبِّ وطن اور جذبۂ آزادی نے اُردو شاعروں سے کئی امر نظمیں کہلوائی ہیں جو بھارت پریم کے جذبہ سے لبریز ہیں اُردو غزل میں انیسویں صدی کی تیسری یا چوتھی دہائی میں بہت کچھ بناوٹ اور گراوٹ پیدا ہو گئی تھی غلامی کے بعد جو گمبھیرتا اور سنجیدگی ہمارے شعور میں آئی اُس نے رفتہ رفتہ اثر کیا اور اُردو غزل میں نئی لطافتیں اور نئی معنویت آنے لگی۔ بیسویں صدی کی اُردو غزل بہت سنجیدہ اور تہذیب یافتہ ہے۔

اُردو میں بے قافیہ کی شاعری جسے انگریزی میں بلینک ورس کہتے ہیں بیسویں صدی میں شروع ہوتی ہے اور اب اس قسم کی شاعری بہت ترقی کر گئی ہے اس کے ساتھ ساتھ آزاد نظم میں بھی دو تین ہزار صفحات میں بہت اچھی شاعری پھیلی ہوئی ہے۔ اسی زمانے میں اُردو رباعیوں نے بھی ترقی کی نئی منزلیں طے کیں ایک اور بہت بڑی بات اسی زمانے میں ہوتی ہے آرزو لکھنوی اور اُن کے کئی ہمنواؤں نے ایسے تین چار اشعار کے مجموعے نکالے جن میں صرف ٹھیٹ ہندی الفاظ اور ہندی محاورہ کام میں لائے گئے ہیں اور ایک بھی عربی یا فارسی لفظ نہیں لایا گیا۔ طنز، مزاح اور ظرافت کی شاعری بھی اسی زمانہ میں پھلتی پھُولتی ہے۔ ہاں دوسری زبانوں سے منظُوم ترجمے بھی موجودہ صدی میں کثرت سے ہوئے ہیں سنسکرت اور دوسری زبانوں کی نظموں اور ناٹکوں کے ترجمے بہت خوبی سے کئے گئے اور ہوتے جا رہے ہیں۔

ہندوستان کی ہر زبان کی نثر سے چھاپے خانے قایم ہو جانے کے بعد بہت تیزی سے ترقی ہوئی۔ دنیا بھر کو سب سے شاندار نثر کا نمونہ یُونانی فلاسفر افلاطُون نے دیا۔ یُونان کے کئی دوسرے لکھنے والوں نے بھی بہت بلند قسم کی نثر کی امر داستانیں دیں یونانی زبان کی نثر کے بعد لاطینی زبان کے لکھنے والوں نے یُونانی نثر سے نثر لکھنا سیکھا جب عرب والوں نے

یُونان اور یورپ کے دوسرے حصّوں کو فتح کیا تو سیکڑوں یُونانی و لاطینی کتابوں کا ترجمہ عربی زبان میں ہوا اور اس طرح عربی نثر میں بہت بڑا ادب پیدا ہوگیا ایران والوں نے یونانی و لاطینی سے اور عربی سے نثر کی ہزار ہا کتابوں کا ترجمہ کیا اور اس طرح فارسی نثر میں بھی بہت بڑی قوتِ اظہار اور بہت سے محاسن پیدا ہو گئے۔ ہندوستان میں سنسکرت کی کچھ کتابیں نثر میں ضرور ہیں لیکن سنسکرت نثر اقدار و محاسن دونوں لحاظ سے ابتدائی منزلوں سے زیادہ آگے نہیں بڑھ سکی۔ پالی میں بہت سی کتابیں نثر میں ہیں لیکن ان کا موضوع زیادہ تر مذہبی و انسانوی ہے فنّی لحاظ سے پالی زبان کی نثر بھی ابتدائی منزلوں ہی میں رہ گئی۔ ادبی حیثیت سے شاندار نثر کا سب سے بڑا نمونہ ابو الفضل کی لکھی ہوئی آئینِ اکبری جو فارسی زبان میں ہے بابر نامہ کی نثر بھی قابلِ قدر ہے ان کے علاوہ کیونکہ مسلمانوں کی حکومت میں تمام کاغذات فارسی میں تیار ہوتے تھے اس لئے سیکڑوں برس تک ہندوستان میں فارسی نثر پھلتی پھولتی رہی اور بہت بڑی تعداد میں ہندوستان کے فارسی نثر نگاروں نے شاندار نثر کے نمونے چھوڑے ہیں اُردو نثر پر عربی و فارسی کے ذریعہ اور وساطت سے یُونانی و لاطینی نثر کا گہرا اثر پڑا اور یہ کام اب سے سو برس پہلے شروع ہوا۔ پھر انگریزی نثر کے نمونے ہمارے سامنے آتے ہیں اور بیسویں صدی میں اُردو نثر دن دونی رات چوگنی ترقی کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔

شروع سے لیکر آج تک کی اُردو نثر و نظم اور اُردو ادب کی رام کہانی اب ختم ہوتی ہے ہمیں یہ نہ بھُولنا چاہیئے کہ ترقی یافتہ قوموں کے مقابلے میں کئی سو برس سے ایشیا ایک پس ماندہ برِ اعظم رہا ہے یورپ اور امریکہ سیاسی ترقی میں تجارت میں صنعت و حرفت میں اور سیکڑوں علوم میں ایشیا سے بہت آگے بڑھ گئے ہیں۔ ایشیا کی زبانیں بھی اور ان زبانوں کی نثر و نظم کا ادب بھی، یورپ اور امریکہ کی زبانوں اور ادب کے مقابلہ میں پسماندگی کا شکار رہے ہیں انگلستان کے ایک بہت بڑے شاعر نے کہا تھا کہ یورپ کے پچاس سال چین کے ایک پُورے جُگ سے زیادہ بہتر، بھرپُور اور ترقی پذیر ہیں۔ صدیوں کی گراں خوابی کے بعد ایشیا کی نیند ٹُوٹی ہے اور اب افریقہ کی نیند بھی ٹُوٹ چکی ہے غلامی کے باوجود ہندوستان کی زبانیں اور اُن کا ادب پچھلے سو برس کے اندر آگے بڑھے ہیں اور بڑھتے جا رہے ہیں۔ اُردو اور ہندوستان کی دوسری زبانوں کی تقدیر اُس وقت کھُلے گی جب ہندوستان کی زندگی ہر لحاظ سے مالا مال ہو جائے ہماری سیاسی زندگی، زرعی زندگی، سماجی زندگی، صنعتی زندگی، تجارتی زندگی، اخلاقی زندگی، تعلیمی اور علمی زندگی کو ابھی کئی گُنا ترقی کرنا ہے اور ہماری زبانوں اور اُن کے ادبیات کی ترقی زندگی کے اُن شعبوں کی ترقی پر مُنحصر ہے جنہیں میں نے ابھی گنوایا ہے ادب نہ تو خلا میں ترقی کرتا ہے اور نہ تو زندگی کے غیر ادبی پہلوؤں کے کمزور ہوتے ہوئے ترقی کر سکتا ہے ہمارے ملک کے ۴۲، ۴۳ کروڑ ہندوستانیوں کی زندگی کی توانائی اور ترقی پر ہی اُردو اور ہندوستان کی دوسری زبانوں کی ترقی منحصر ہے یورپ امریکہ یا دنیا کے کسی اور حصّے کی غلامی ہمارے لئے زہر ہے۔ لیکن یورپ امریکہ اور دنیا کے دوسرے حصّوں کے زبردست ادب ترقی یافتہ صنعتوں اور علمی کارناموں سے بے نیاز ہو کر یا اُن سے نفرت برت کے یا اُنہیں اپنائے بغیر نہ ہماری زندگی ترقی کر سکتی ہے نہ ہماری زبانیں اور ہمارا ادب۔ اُردو یا ہندوستان کی دوسری زبانوں میں آئندہ بڑا ادب جب ہی پیدا ہوگا کہ جب ہر زبان میں بہت بڑی تعداد ایسے ادیبوں اور شائقینِ ادب کی پیدا ہو جائے جو ایک طرف تو ویدوں سے لیکر آج تک کے ادبی و تہذیبی ورثہ کو ہضم کر چکا ہو اور جو دوسری طرف دنیا بھر کی تہذیب و ادب سے اچھی طرح مانوس و متاثر ہو چکا ہو۔ ہمیں اپنے ماضی سے بہت کچھ سیکھنا ہے اور یورپ و امریکہ سے بھی بہت کچھ سیکھنا ہے یہی وہ دو پہیئے ہیں جن کے سہارے ہماری قومی زندگی اور ہمارے ادب کا جلوس آگے بڑھ سکتا ہے۔

یہ حسرت رہ گئی کس کس مزے سے زندگی کرتے
اگر ہوتا گُل اپنا گلشن اپنا باغباں اپنا

(مرزا مظہر جانجاناں)

گوپال مِتل

اُردو اَدب کے جدید تر رُجحانات

اِس عُنوان میں جدید تر کا لفظ میں اس کے خالصتہً زمانی مفہُوم میں استعمال کر رہا ہوں ورنہ جن رُجحانات کا ذکر مقصُود ہے وہ دراصل ان رجحانات کے خلاف ردِّ عمل کی حیثیت رکھتے ہیں جو گذشتہ چند برسوں میں جدید رُجحانات کے نام سے مشہور رہے ہے۔ ان رجحانوں کا مقصد چونکہ ادب کی قدیم تر اقدار سے از سرِ نو رابطہ قائم کرنا ہے اس لیئے اُنہیں سفرِ مراجعت کا نام بھی دیا جاسکتا۔

افادی ادب کا غلغلہ بڑے ہی زور سے بلند ہوا تھا اور افادی ادب صرف وہی قرار پاتا تھا جو زندگی کے خالصتہً مادّی تقاضوں کو رُوحانی اور اخلاقی تقاضوں پر ترجیح دے اور اپنا تعلق مستقل اقدار کی بجائے سیاست کے بدلتے ہوئے مطالبوں کے ساتھ قائم کرے۔ جدید تر ادب کا نقطۂ انحراف یہی ہے۔

ادب کے جدید تر رُجحانات چونکہ کسی منظم فکری تحریک کا نتیجہ نہیں اور مختلف ادیبوں کے اپنے اپنے فکری اور جذباتی میلانات کے آئینہ دار ہیں اس لیئے ان میں کسی مربُوط نظریئے کی نشاندہی نہ تو ممکن ہے اور نہ اس مضمون میں اس کی کوشش ہی کی جائے گی۔ میرا مقصد صرف اسی قدر ہے کہ بعض اہم تحریروں میں جو جدید تر رجحانات یا پرچھائیاں نظر پڑیں ان کی طرف کچھ اشارے کر دوں۔

مادّی اقدار پر رُوحانی اقدار کو ترجیح دینے کے رُجحان کا بھرپُور اظہار ممتاز شیریں کے ناولٹ "میگھ ملہار" میں ہوا ہے۔ مصنف نے فطرتِ انسانی کے اس جوہر کو بڑی فن کاری سے نمایاں کیا ہے جو زمان و مکان کی قید سے آزاد ہے اور تمام مادّی ناکامیوں اور بندشوں کے باوجود حُسنِ مطلق سے ہم آہنگ ہونے کا آرزُومند ہے۔ ناولٹ کا اہم ترین حصّہ وہ ہے جس میں ایک مغنّی فنونِ لطیفہ کی دیوی سرسوتی کو ایک جابر جادُوگر کے چنگل سے آزاد کرانے کے لئے جس نے اسے مادّی وجود میں تبدیل کر کے قید کرلیا اپنی زندگی تک نچھاور کر دیتا ہے۔ یہ ایک اشارۂ مرموز ہے کہ سرسو کو "دیوی" کے منصب سے گرا کر ایک عورت کبھی نہیں بنانا چاہیئے۔ ظا ہے کہ یہاں عورت ادب کی سماجی اور مادّی اقدار کی مظہر ہے اور دیو اس کی رُوحانی اقدار کی۔

زندگی کے لطیف تر تقاضوں کو درمیانی دَور کے ادیبوں اور شاع نے اس مفروضے کے تحت خیرباد کہا تھا کہ یہ مادّی کامیابیوں کی راہ میں مز ہوتے ہیں۔ اب جدید تر ادیب اس خدشے کا اظہار کر رہے ہیں کہ ا تقاضوں کو خیرباد کہنا بھی مادّی کامیابیوں کی ضمانت نہیں۔ داخلی لگن محرومی خود ان سے محرُومی کا سبب بھی بن سکتی ہے۔ فیّر نیازی کی نظ "خلش" اس خدشے کا لطیف ترین اظہار ہے:۔

وہ خوبصُورت لڑکیاں
دشتِ وفا کی ہرنیاں
شہرِ شبِ مہتاب کی
بے چین جادُوگرنیاں
جو بادلوں میں کھوگئیں
نظروں سے اُوجھل ہوگئیں
اب سرد کالی رات کو
آنکھوں میں گہرا غم لیئے
اشکوں کی بہتی نہر میں

گلنار چہرے نم کیئے
ہستی کی سرحد سے پرے
خوابوں کی سنگیں اوٹ سے
کہتی ہیں مجھ کو "بے وفا
ہم سے بچھڑ کر کیا تجھے
سُکھ کا خزانہ مِل گیا"

صرف یہی نہیں بلکہ بعض ادبی کارناموں میں تو اس شدید خطرے کا اظہار بھی موجود ہے کہ مستقل ادبی اقدار کو خیر باد کہنے کا نتیجہ انسانی زندگی کی مکمل تباہی کی صُورت میں بھی رونما ہو سکتا ہے۔ اس کی نمائندہ ترین مثال عزیز احمد کا ناولٹ "جب آنکھیں آہن پوش ہوئیں" ہے ناولٹ کا پلاٹ تیمور کے زمانے سے تعلق رکھتا ہے۔ جب جنگل کا قانون زندگی کا ضابطہ تھا۔ تیمور قاضی زین الدین سے اپنے شکست خوردہ حریف سلطان حسین کے قتل کا فتوائی جواز حاصل کرنے میں ناکام رہتا ہے جس نے نتائج سے بے پروا ہو کر کہد یا کہ عدل میں سازش کا مقام نہیں اس کے بعد تیمور جنگل کے قانون کا سہارا لیتا ہے اور اپنے حریف کو بلخ امیر کیخسرو کے ہاتھوں قتل کرا دیتا ہے۔

بابا زین الدین نے تہجّد کی نماز سے مُنہ پھیرا اور دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے تو کیخسرو سلطان حسین کا کٹا ہوا سر ہاتھ میں لئے تیمور کے خیمے کی طرف جا رہا تھا۔ اس سے آگے کا بیان خود مصنف کی زبان میں سُنیئے :۔

"قاضی زین الدین نے دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھایا اور ساری دُنیا کے لئے دُعا مانگی۔ ان شہروں کے لئے جنہیں اب تک مسمار نہیں کیا گیا تھا۔ ان شہریوں کے لیئے جن کا قتلِ عام نہیں ہوا تھا۔ ان عورتوں کے لئے جن کی عصمت دُنیا بھر کے مکانوں میں محفُوظ تھی۔ ان بچّوں کے لئے جو یتیم نہیں ہوئے تھے اور غلام نہیں بنے تھے۔ اور جب وہ دُعا مانگ رہا تھا تو کوئی اس کے دل میں کہہ رہا تھا یہ سب بیکار ہے یہ سب بیکار ہے کیونکہ وہ دونوں آنکھیں آہن پوش ہو چکی ہیں۔"

قاضی زین الدین نے تیمور سے صرف یہی نہیں کہا تھا کہ عدل میں سازش کا مقام نہیں اور سر پر آہنی خود اوڑھا جاتا ہے تب بھی آنکھیں کھُلی رہتی ہیں حالانکہ آنکھیں جسم کا سب سے نازک حِصّہ ہیں۔ لیکن جب آنکھیں آہن پوش ہو جائیں تو زرہ بکتر بیکار ہے، فولادی خود بیکار ہے، تیر و تبر ڈھال اور تلوار بیکار ہیں۔ عدل میں اتنا ہی خطرہ ہے جتنا آنکھیں کھُلی رکھنے میں، لیکن آنکھوں کے آہن پوش ہونے میں زیادہ خطرہ ہے۔"

آندھرا پردیش

درمیانی دَور کے ادب میں نظریے کی جو شدّت تھی جدید تر ادب میں اس کے خلاف بھی ردِّ عمل موجود ہے۔ نئے لکھنے والے سمت اور نظرے فرق کو اتنی اہمیت دینے کے لیئے ہرگز تیار نہیں کہ نوبت دلوں کی جُدائی تک پہنچ جائے اور نہ وہ ان اختلافوں کو مِٹا کر نروان کی کسی ایسی سونی نگری میں پہنچ جانا چاہتے ہیں جہاں زندہ اختلافوں کی جگہ بے جان یکرنگی لے لے، شفیق فاطمہ شعریٰ کی نظم "سمتیں" کے کچھ بند مُلاحظہ ہوں :۔

اِک پگڈنڈی سے ہنستے گاتے آئے
اِک دوراہے پر ان میں تکرار ہوئی
جیت گئے آدرش کے تارے جیت گئے
ہار ہوئی برسوں کے قرب کی ہار ہوئی

مِل کے کھیل رہے تھے، کچھ جگنو دیکھے
جوشِ تعاقب نے ان کو دیوانہ کیا
بکھرے اُٹھ کر جُدا جُدا میدانوں میں
معصُوموں کو سمتوں نے بیگانہ کیا

اِن سمتوں سے بھرم رفتار کا ہے قایم
اِن سمتوں سے بچ کر جائیں بھی تو کہاں
اِن سے پرے نروان کی سُونی نگری ہے
اور اُگم طوفانوں کا ہے زیست یہاں

ذہن بکھرتے ہیں چھٹکے تاروں کی طرح
اپنے حلقوں میں اپنے انوار لیئے
لیکن سب دل موجیں ہیں اِک دریا کی
ایک ہی نغمے کے گہرے اسرار لیئے

نئے ادیب فرد کو ماحول کا تابع مہمل بھی نہیں سمجھتے ان کے نزدیک فرد فکر اور جذبے کے زور سے ماحول پر چھا بھی سکتا ہے اور اگر اس کی جرأتِ والہانہ ماحول سے عارضی طور پر شکست بھی کھا جائے

تو بھی آئندہ کی کامیابیوں کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ مجید امجد کی نظم "پیش رو" ملاحظہ ہو :-

بت جھڑ کی اُداس سلطنت میں
اک شاخِ برہنہ، تن بہ تنہا
بے برگ مسافتوں میں حیراں
کچھ زُود شگفت، شوخ کلیاں
جو ایک سرورِ سرکشی میں
اعلانِ بہار سے بھی پہلے
انجامِ خزاں پہ ہنس پڑی ہیں
تقدیرِ چمن بنی کھڑی ہیں

اس یخ کدۂ یقینِ غم میں
دیکھو یہ شگفتہ دل شگوفے
ماحول نہ کائنات ان کی
اک نازِ نمو حیات ان کی
عمر ان کی بس ایک پل ہے لیکن
آئیں گے انہیں کی راکھ سے کل
ماتھے پہ حسیں تلک لگائے
پھولوں بھری صبحِ نو کے سائے

بے برگ مسافتوں کے باوجود اور اعلانِ بہار کی دُوری کے باوصف انجامِ خزاں پر ہنس دینا انسان کی عظمت کا سب سے بڑا اعلان ہے۔ نازِ نمو وہی ہے جو یخ کدۂ غم میں بھی برقرار رہے۔ یہ نازِ نمو خواہ ایک لمحے کے لیئے ہو لیکن وہ ابد تک کی حقیقتوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اسی نازِ نمو کا اظہار ادب ہے جو فانی ہونے کے باوجود لافانی اور نرم و نازک ہونے کے باوجود سنگین سے سنگین حقیقت کے مقابلے میں پائدار ہے۔
عوام فہم بننے کی دُھن نے درمیانی دَور کے ادب کو سپاٹ بنا دیا تھا۔ قدیم علامتیں رجعت پسندی کے نشان بن گئی تھیں اور اشاراتی ادب کی تخلیق سماجی جرائم کی فہرست میں شامل ہو گئی تھی۔ اب ادیبوں پر علامتوں کو از سرِ نو زندہ کرنے کی دُھن سوار ہے اور ادب کا علامتی اور اشاراتی ہونا اب پھر اس کے محاسن میں شامل ہو چلا ہے۔

انتظار حسین نے اپنے ایک مضمون میں علامتوں کو پھر سے شعور کا حصّہ بنانے کے اس میلان کا ذکر ان لفظوں میں کیا ہے :-

"علامتوں کے زوال اور اس باعث فکر و احساس اور عمل کے سانچوں کے بکھرنے کا احساس آج سے مخصُوص ہے۔ کم ہوتی ہوئی علامتوں کو پھر سے شعور کا حصّہ بنانے اور بکھرتے سانچوں کو پھر سے منظم دیکھنے کی خواہش، یہ ہے آج کی حسرتِ تعمیر۔ یہ احساس اور حسرت اپنی ماہیّت کے اعتبار سے ان پچھلی تحریکوں کے خلاف بھی ایک ردِّ عمل ہے جو زوال کے اس عمل کی مظہر نہیں اور جنہوں نے اس عمل کو تیز کیا جس سے لکھنے والے نے ان پچھلی تحریکوں کے طرزِ فکر کو اپنا رکھا ہے اور اس رنگ میں شعر اور افسانہ لکھ رہا ہے۔ اس کے لیئے یہ نئی آگہی ممکن نہیں۔ دوسرے لفظوں میں وہ آج کا لکھنے والا نہیں ہے، بے شک وہ آج کے زمانے میں پیدا ہوا ہو۔ ترقی پسند تنقید ہوتی تو اس آگہی کو نراجیت کہتی۔ اس تنقید کے سائے میں پلنے والے اسے ناسٹو لجیا کہتے ہیں، میں اسے علامہ اقبال کی زبان میں آتشِ رفتہ کا سُراغ کہوں گا"
ظاہر ہے کہ آتشِ رفتہ کے سراغ کی ہر کوشش کا پہلا مرحلہ احساسِ زیاں ہوتا ہے۔ اس احساسِ زیاں کا اظہار خلیل الرحمٰن اعظمی کی ایک غزل میں اسطرح ہوا ہے :-

وہ رنگِ رُخ، وہ آتشِ خوں کون لے گیا؟
اے دل ترا وہ رقصِ جُنوں کون لے گیا؟
زنجیرِ آنسوؤں کی کہاں ٹوٹ کر گری؟
وہ انتہائے غم کا سُکوں کون لے گیا؟
جو مجھ سے بولتی تھیں وہ راتیں کہاں گئیں؟
جو جاگتا تھا سوزِ دروُں کون لے گیا؟
کس موڑ پر بچھڑ گئے خوابوں کے قافلے؟
وہ منزلِ طرب کا فسُوں کون لے گیا؟

آتشِ رفتہ کا سراغ لگانے کی یہ دُھن قدرتی طور پر، ڈھونڈنے والوں کو جہاں قدیم ادب کی طرف لے گئی ہے وہاں اس نے ایک ایسے شاعر کو بھی منصبِ عظمت پر متمکن کر دیا ہے جس کا نام عبوری دَور میں ایک گالی بن گیا تھا۔
قدیم ادب کو کھنگال کر نا قدین اس میں نئی معنویت

تلاش کر رہے ہیں اور اس کے دیو مالائی طریقۂ اظہار کو خصوصی اہمیت دے رہے ہیں ۔ دیا شنکر نسیم کی مثنوی "گلزارِ نسیم" اب صرف محاورے کی چُستی اور رعایتِ لفظی کے اعتبار سے عجوبۂ روزگار نہیں بلکہ اپنے باطنی مفہوم کی وجہ سے ادبی شاہکار قرار پا رہی ہے ۔ اختر احسن نے اس نئی اہمیت کی نشاندہی ان لفظوں میں کی ہے :۔

"مثنوی گلزارِ نسیم پر ایک ہی بڑا الزام ہے' لفظ پرستی ۔ اور وہی اس کی واحد خوبی بھی متصور ہوتی ہے لیکن اصل میں یہ مثنوی نہ محض لفظ پرستی ہے اور نہ کوئی مافوق الفطرت جن پریوں کی داستان ۔ یہ تو معنویت اور سادگی کا ایک ایسا عظیم مرقعہ ہے جس میں انسانی موضوع اور غیر انسانی ہیئت شیر و شکر کی طرح باہم گھل مِل گئے ہیں ۔

"مثنوی گلزارِ نسیم کا موضوع کہانی نہیں علامیہ ہے ۔ اس میں ایک پُرانی نفسیاتی داستان کا بیان ہے جس کا ریشہ ریشہ علامتی ہے ۔

"بظاہر یہ کہانی ایک شاہزادے کی داستانِ محبت ہے لیکن جیسا کہ میں نے کہا کہانی کا مواد اصل میں تمام تر علامتی ہے ۔ چار لڑکوں کے بعد پانچویں کی پیدائش، چار لڑکے دانا، عاقل، ذکی اور خردمند نام کے تھے لیکن پانچویں کا نام بادشاہ کے نام پر رکھا گیا یعنی زین الملوک کی مناسبت سے تاج الملوک ۔ یہ بچہ نُور اور روشنی کا علامیہ ہے اور باپ کی آنکھوں کے لئے خطرہ، باپ اسے دیکھتے ہی اندھا ہو جاتا ہے باپ کی آنکھیں صرف ایک ہی پھُول کے آنکھوں پر مَلنے سے ٹھیک ہو سکتی ہیں اور وہ پھُول اس کے بیٹے کی ہونے والی بیوی کا علامیہ ہے یہی پھُول اس کی عصمت اور پاکیزگی کا ضامن ہے جس کی حفاظت پر وہ خود فائز ہے ۔ آنکھ اور پھُول کا آپس میں کیا رشتہ ہے ؟ پھُول بکاؤلی کا علامیہ کیوں ہے ؟ اور بکاؤلی آدھی پتھر بننے اور ایک عرصۂ دراز تک گنبد میں گرفتار رہنے اور اس کے بعد مرنے کے بغیر تاج الملوک سے کیوں نہیں مِل سکتی ؟ یہ اور اس قسم کے دوسرے سوال محض دل لگی کے نہیں ہو سکتے اس لئے کہ انہیں سوالوں کے جوابات کہانی کے اصل مطلب کو اُجاگر کرتے ہیں ۔

"حقیقت میں گُل بکاؤلی کی کہانی آتما کے پُر پیچ سفر کا علامیہ ہے ۔ یہ کہانی ایڈی پس کومپلکس سے شروع ہوتی ہے اور ایک علامتی موت کے بعد نئی زندگی کی نئی تدوین پر ختم ہو جاتی ہے ۔"

درمیانی دَور کا جو شاعر اس طرح کی بدولت منصبِ عظمت پر متمکن ہوا ہے وہ میراجی ہے جس نے آتشِ رفتہ کا سُراغ واقعی لگایا تھا وزیر آغا نے اپنے ایک مضمون "دھرتی پُوجا کی ایک مثال" میں اس کی شاعری کے پس منظر کو ان لفظوں میں نمایاں کیا ہے :۔

"میراجی کی نظمیں دھرتی پُوجا کی ایک انوکھی مثال فراہم کرتی ہیں بلکہ یہ کہنا شاید زیادہ صحیح ہوگا کہ اُردو نظم میں میراجی وہ پہلا شاعر ہے جس نے محض رسمی طور پر ملکی رسوم، عقائد اور مظاہرے وابستگی کا اظہار نہیں کیا اور نہ مغربی تہذیب سے ردِ عمل کے طور پر اپنے وطن کے گُن گائے ہیں بلکہ جس کی رُوح دھرتی ماتا کی رُوح سے ہم آہنگ اور جس کا سوچنے اور محسوس کرنے کا انداز قدیم ملکی روایات، تاریخ اور دیو مالا سے مملُو ہے ۔ دوسرے لفظوں میں میراجی نے ایک بھگت، درویش یا جان ہار پجاری کی طرح اپنی دھرتی کی پُوجا کی ہے ۔ محض رسمی طور پر وطن دوستی کا ساتھ نہیں دیا ۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی نظموں کی رُوح، فضا، اور مزاج، سرزمینِ وطن کی رُوح، فضا اور مزاج سے پُوری طرح ہم آہنگ ہے اور اس خاص میدان میں اسے کسی حریف کا سامنا نہیں ۔

"میراجی کے اس انوکھے رجحان کے بارے میں عام روایت یہ ہے کہ جوانی کے آغاز میں اس نے ایک بنگالی لڑکی میراسین کو دیکھا اور اس کے عشق میں اس درجہ اسیر ہوا کہ اس نے نہ صرف اپنی ہیئت تبدیل کر لی' نہ صرف ثناء اللہ سے میراجی بن گیا بلکہ محبوبہ کی ہر شئے حتیٰ کہ اس کی زبان، مذہب اور مذہبی روایات بھی اسے عزیز ہوگئیں یہ بات اس حد تک تو دُرست ہے کہ میراسین سے اس نے عشق کیا اور اس عشق میں اپنا نام تبدیل کر لیا، بال بڑھا لیئے اور گلے میں مالا ڈال لی لیکن یہ کہنا کہ ہندو دیو مالا، قدیم روایات، اور ملکی مظاہرے اس کی وابستگی محض اس جذبۂ عشق کی رہینِ منت تھی، کچھ ایسا صحیح نہیں اوّل تو یہی سوال قابلِ غور ہے کہ میراجی نے عشق میں مبتلا ہو کر ایسے عجیب و غریب ردِ عمل کا اظہار کیوں کیا کہ محبُوبہ کے علاوہ بلکہ یُوں کہنا چاہیئے کہ محبُوبہ سے کہیں زیادہ اس کے مذہبی اعتقادات، رسُوم اور فضا کو اپنی ذات سے ہم آہنگ کر لیا ۔ میری رائے میں میراسین زیادہ سے زیادہ ایک تحریک تھی جس نے میراجی کے ہاں اس چنگاری کو ہوا دی تھی جو ایک مدّت سے اس کے دل، اس کی رُوح بلکہ خون میں سلگ رہی تھی ۔ یُنگ کے انکشافات کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ میراجی چونکہ اس دھرتی کا باسی تھا اور اس کا خون، گوشت پوست اور مزاج اس دھرتی کے نمک'

ہوا، پانی اور مٹی سے تشکیل ہوا تھا اس لیئے یہ غیر اغلب نہیں کہ اس کے اجتماعی لاشعور ______ Collectiveuxconscious میں بھی ماضی اور ماضی کی روایات کے وہ سارے نقوش موجود تھے جو روشنی میں آنے کے لئے بیتاب تھے۔ میراسین کی ہستی محض اس لاشعوری رجحان کو جنبش میں لانے کا موجب بنی اور میراجی نے اپنی نظم کے وسیلے سے اس صدیوں پرانی وابستگی اور پوجا کے رجحان کو کاغذ پر منتقل کر دیا۔

✣ ✣ ✣ ✣

"ذمہ داری"

ایڈیٹر: "تو آپ پروف ریڈر کی جگہ چاہتے ہیں؟"

درخواست گذار: "جی ہاں جناب!"

ایڈیٹر: "لیکن کیا آپ اس اہم خدمت کی ذمہ داریوں سے واقف ہیں؟"

درخواست گذار: "جی ہاں جناب۔ جب کبھی اخبار کے تعلق سے آپ کوئی غلطی کریں تو اس کا الزام آپ میرے سر تھوپ دیا کیجئے۔ میں ایک لفظ بھی نہیں کہوں گا۔"

دل سے رخصت ہوئی کوئی خواہش
گریہ یوں بے سبب نہیں آتا

— میر

زینت ساجدہ

جادُو نگار نذیر احمد

اُردو کی شاید ہی چند کتابیں ایسی ہوں گی جو اس قدر دلچسپی کے ساتھ ہر عمر میں پڑھی جاتی ہوں گی جیسے کہ نذیر احمد کی کتابیں۔ ہم بار بار انہیں پڑھتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔ اُس زمانہ میں بھی ایسے لوگوں کی کمی نہیں تھی نہ آج ہے جو انہیں پڑھ کر اتنے متاثر ہوتے ہیں کہ ان قصوں میں لکھی ہوئی ساری باتوں کو سچ جانتے ہیں اور دلّی جاتے ہیں تو خانم کے بازار میں محمّد فاضل صاحب کے مکان کا پتہ پُوچھتے ہیں۔ کوئی کرے تو کیا کرے لکھنے کا طرز ہی ایسا ہے کہ ہر بات آنکھوں کے سامنے ہوتی نظر آتی ہے "۔

یہ بھی اُردو ادب کی خوش قسمتی تھی کہ عربی زبان کے ماہر، علوم دینی کے کامل مولوی نذیر احمد بیٹھے بٹھائے ایک دن اپنے بچّوں کی تربیت و تعلیم کے لئے مناسب کتابیں نہ پاکر قصّے لکھنے لگے۔ اور اتفاق ہی سے سب کو پتہ چلا کہ یہ تو اچھے خاصے ناول نگار ہیں۔ مان نہ مان پہلے ناول نگار ہونے کا سہرا اُن کے سَر باندھا گیا۔ خود نذیر احمد نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے مولوی صاحب کا درجہ معقولات اور منقولات میں کتنا ہی بلند سہی لیکن اگر وہ صرف نرے مولوی کی سی زندگی گذارتے تو زندگی میں کچھ وعظ کہہ ڈالتے کچھ مناظروں میں حصّہ لیتے، لوگوں کو مسئلے مسائل سے واقف کراتے اور چند ملّانے طالب علموں کو پڑھا کر راہیٔ مُلکِ عدم ہوتے۔ یہ سب تو انہوں نے کیا ہی ہے اُس کے علاوہ جو چیز ان کا ہُنر و فن نہیں تھی وہی ان کے لئے شہرتِ دوام کا باعث بنی۔ اُردو ادب کے محسنوں میں، نثر کے عناصرِ خمسہ میں اُن کا شمار انہیں قصہ کہانیوں کی بدولت ہے۔ اپنے بچّوں کے لئے لکھے ہوئے یہ قصّے ایسے دلچسپ، شگفتہ اور جاندار ہیں کہ ہم آج بھی انہیں اسی شوق سے پڑھتے ہیں جیسے یہ ماضی میں پڑھے گئے ہوں گے۔ اور امکان یہی ہے کہ مستقبل میں بھی ان کی قدر و قیمت میں، کوئی فرق نہیں آئے گا۔

آج کے تنقید نگار جب بڑی سنجیدگی کے ساتھ نذیر احمد کی ناولوں پر قلم اُٹھاتے ہیں تو بے سوچے سمجھے انہیں واعظ، زاہدِ خشک، ٹکنیک سے نابلد اور نمونوں کے کردار پیش کرنے والا مصنف ٹھیراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ناول نگاری میں یہ عیب ہے، یہ کوتاہی اور یہ خامی۔ وہ یہ بھُول جاتے ہیں کہ غریب نذیر احمد نے لکھتے وقت یہ دعویٰ نہیں کیا تھا نہ اُنہیں اس کا احساس تھا کہ میں ناول لکھ رہا ہوں یا ناول نگاری کے فن سے آگاہ ہوں۔ مگر یہ عجیب بات ہے کہ ان تمام کوتاہیوں اور خامیوں کو تسلیم کرنے کے باوجود ان کی کتابوں کی اہمیت کم نہیں ہوتی۔ یہ ایسی دلچسپ اور جاندار ہیں کہ اچھی اچھی ناولوں پر بھاری ہیں۔

مراۃ العروس میں انہوں نے اپنی بچّی کو سگھڑ اور تمیزدار بیٹی بنانے کے لئے دو بہنوں کی کہانی لکھی اور باتوں باتوں میں وہ تمام باتیں سکھا دیں جن کا جاننا ہر بیٹی اور ہونے والی بہو کے لئے ضروری ہے۔ اکبری خانم پھوہڑ، لڑاکا، بے وقوف اور زبان دراز جو شادی شدہ ہوکر بھی میاں سے فرمائش کرتی ہے تو میلے سے ڈبلی خجری لانے کی۔ پاجامے کی کلیاں اُلٹی جوڑتی ہے اور اتراتی ہے۔ ایک مکّار کی باتوں میں آکر سارے زیور سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہے۔ جس کا جی محلّے بھر کی کمسن لڑکیوں میں بیٹھ کر خوش ہوتا ہے۔ چھوٹی اصغری خانم نہایت تمیزدار، سلیقہ مند، عقل و ہوش کی مالک، گھر کا حساب کتاب لکھنے والے اور مودی خانے کی کنجیاں سنبھالنے

والی۔ بڑا ابھی خیر سے بارہ تیرہ سال کی بھی نہیں مگر بہنوی کی آواز بھاری دیکھ کر حکم لگاتی ہے کہ نزلہ زکام کی تحریک ہے جاڑے میں دودھ نقصان کرے گا۔ جو شادی کر کے گھر میں جاتی ہے تو چار دن میں گھر کی کایا پلٹ ہو جاتی ہے مکتب چلاتی ہے تو شہر میں دھوم مچ جاتی ہے اور سارے لوگ عش عش کر اُٹھتے ہیں۔ محمد عاقل۔ عقلمند، سنجیدہ، محمد کامل: بے فکر اور کھلنڈرا محمودہ نیک سیرت اور اچھی بیٹی، ماما عظمت فتنہ پرداز توڑ جوڑ کی ماہر غرض اس قصے میں عشق و عاشقی کو موضوع بنانے کی بجائے نذیر احمد نے شریف بہو بیٹیوں کے لئے دلّی کے ایک شریف گھرانے کا حال لکھا ہے۔ متوسط طبقے کے روزمرہ مسائل ہیں، اور زندگی سنوارنے کی چھوٹی چھوٹی باتیں۔ مگر اس خوبی سے کہ ہر تصویر روشن اور واضح ہے۔ کردار نگاری میں نذیر احمد انتہا پسندی کے قائل ہیں۔ ان کے پاس اچھا آدمی بہت اچھا اور بُرا آدمی عبرت دلانے کے لئے بہت بُرا ہے۔ وہ عام انسانی کمزوریوں سے ہمدردی کرنے اور بُروں میں اچھائی ڈھونڈنے کے قائل نہیں۔ کیونکہ ان کا مقصد ہی اچھائی اور بُرائی کو الگ الگ کر کے نمونے کے طور پر دکھانا تھا۔ اسی قصے کے دوران اصغری کے مکتب میں پڑھنے اور آدمی بننے کے لئے ایک مُنہ پھٹ بے بسری، اُودھم مچانے والی، ماما لونڈیوں کو عاجز و نالاں کرنے والی امیر زادی حسن آرا بیگم بھی آتی ہے۔ جسے اصغری نے ایسا سنوارا کہ حیوان سے گویا آدمی بنا دیا۔ اسی قصے کو انہوں نے "بنات النعش" میں علٰحدہ کتاب کی صورت میں پُورا کیا ہے ان دونوں کتابوں میں انہوں نے لڑکیوں کو سگھڑ اور سلیقہ مند بنانے کی کوشش کی تھی اور حکایتوں، لطیفوں اور باتوں باتوں میں انہیں خانہ داری کی تربیت دی تھی۔ تیسری کتاب توبۃ النصوح میں لڑکوں اور لڑکیوں کو دیندار بنانے کی کوشش کی ہے اور اسی میں ضمنی طور پر اپنا شہرہ آفاق کردار مرزا ظاہر دار بیگ۔ ظاہر پرست، چھیل چھبیلی، دوسروں کی کمائی پر گُلّ چھرّے اُڑانے والا، شیخی خور، نکمّا نوجوان پیش کیا ہے۔

ان تینوں کتابوں پر نظر ڈالئے۔ جگہ جگہ خشک اور طویل نصیحتیں بھی ہیں اور غیر ضروری تفصیلات بھی۔ مگر قصہ کے تسلسل میں فرق نہیں آنے پاتا۔ تمام کردار اس قدر جیتے جاگتے اور ماحول زندگی کی ہماہمی سے ایسا بھرپُور ہے کہ ہم بے ساختہ داد دینے پر مجبور ہیں۔ پھر نذیر احمد کی نکھری ستھری کوثر میں دُھلی زبان، بات بات میں محاورے، لطیفے، چٹکلے ایسے کہ قصّے سے جی نہیں اُکتاتا۔ کتاب ہاتھ سے نہیں چھوٹتی۔ مگر دلچسپ بات یہ ہے کہ نذیر احمد نے جتنے اچھے نمونے پیش کئے ہیں وہ ایسے ہیں جو ہمارے دل کو زیادہ متاثر نہیں کرتے۔ نہ عقل ان کی غیر معمولی اچھائی پر ایمان لاتی ہے عبرت کے لئے جتنے بُرے آدمیوں کے نمونے انہوں نے پیش کئے ہیں، وہ سب اسقدر زندہ، جاندار، دلچسپ، معقول اور انسانی فطرت کے مطابق نظر آتے ہیں۔ جیسے اکبری خانم، ماما عظمت، حسن آرا بیگم اور مرزا ظاہر دار بیگ۔ مرزا ظاہر دار بیگ تو اُردو ادب میں مثالی کردار کا درجہ حاصل کر چکا ہے۔ اگر نذیر احمد انگریزی زبان سے واقف ہوتے تو ہم شاید بے کھٹکے یہ کہہ گزرتے کہ انہوں نے گولڈ اسمتھ کے چائنا مین سے "بوٹیبس" کا کردار جُوں کا تُوں لے لیا ہے۔ مگر نہیں۔ ظاہر دار بیگ کو انہوں نے دلّی کی سڑکوں پر چھیلا بنا، ریشمی ازار بند میں بے قفل کی کنجیوں کا گچھا لٹکائے سرِ بازار چھمّا چھم کرتے، گزرتے دیکھا ہے اور دکھایا ہے۔ وہ اپنے عہد کے نوجوانوں کی نمائندہ تصویر ہے اور اس سے قائل ہونا پڑتا ہے کہ نذیر احمد کی آنکھ ماحول کی جُزئیات کا کیسا ماہرانہ مطالعہ اور مشاہدہ کرتی تھی کہ کوئی بات چوکنے نہیں پائی۔ آج بھی نذیر احمد کے بعد اُردو قصہ کہانی کا فن کہاں سے کہاں پہنچ گیا مگر ظاہر دار بیگ کا جواب پیش کرنا کسی سے ممکن نہ ہو سکا۔

اس کے بعد تو نذیر احمد کی کتابیں چھپنے لگیں۔ اور اتنی شہرت حاصل ہوئی کہ انہیں قصے کہانیاں لکھنے کا لپکا پڑ گیا۔ مگر باقی کتابوں میں صرف دو ہی ایسی ہیں جو اپنا خاص مقام رکھتی ہیں ایک "محصنات" یا فسانۂ مبتلا اور دوسری "ابن الوقت"۔ محصنات میں انہوں نے ایک عیش پسند، حُسن پرست آوارہ مزاج شریف زادے کی داستان لکھی ہے جو بی ہریالی کو کوٹھے سے اُتار کر گھر لاتا ہے اور بیگم بنا دیتا ہے۔ وہ تو مردود ہے ہی لیکن نذیر احمد کا خیال ہے کہ اس بے راہ روی کی ذمہ داری بھی اس کی بیوی غیرت بیگم کے سر ہے۔ جس کی بدمزاجی، بدسلیقگی نے اُسے اس حالت کو پہنچایا کہ سوکن چھاتی پر مُونگ دلنے کو آموجود ہوئی۔ اس میں نذیر احمد کا طرز ذرا سا بدل گیا ہے اور حُسن و عشق کی بعض باتوں پر انہوں نے کُھل کر کچھ کہا ہے۔ شائد معصوم بچیوں کا نہیں، بلکہ بیاہی عورتوں کا مفاد ان کے پیشِ نظر تھا۔ دوسری کتاب ابن الوقت ہے۔ اور ایک لحاظ سے یہ نذیر احمد کی ناولوں میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور مکمل ہے۔ اس میں نہ گھریلو مسائل ہیں نہ خانگی جھگڑے، نہ ہی بیٹے بیٹیوں کے عقل و ایمان کو سُدھارنے والی دیندارانہ باتیں۔ اگر ایک بڑھیا پھوپی کے مختصر تذکرہ کو چھوڑ دیا جائے تو سرے سے عورت کا کوئی کردار ہی نہیں اس کا مرکزی کردار ایک زمانہ ساز، نئی روشنی کا رسیا اصلاح پسند لیڈر ہے جو ہندوستان کی بدلتی ہوئی معاشرت کی نمائندگی کرتا ہے۔ جو اپنے پُرانے

طور طریقوں سے بیزار ہے، اور آقاؤں کی ہر بات کو ترقی کا ضامن سمجھتا ہے جنگ آزادی ستاون کے بعد ہندوستان کے ایک بڑے طبقے کی ذہنیت یہی ہوگئی تھی۔ اور اس کا بر سرِ موقعہ تدارک ضروری تھا۔ اس میں نذیر احمد نے اپنے بے پناہ اور قومی شعور اور تہذیبی سوجھ بوجھ کا ثبوت دیا ہے۔ آج ہمارے لئے یہ کہنا مشکل نہیں کہ اس کردار کو ڈھالتے وقت سرسید کی زندگی کا ایک پہلو جو مغرب اور مغربیت کا شیدا تھا، نذیر احمد کے پیشِ نظر رہا ہے نذیر احمد کو عام نوجوانوں کے مغرب زدہ ہوجانے کا خدشہ تھا۔ انہوں نے مزاحیہ انداز میں اس مسئلہ پر قلم اُٹھایا ہے اور انتہا پسندی کے نتائج سے آگاہ کیا ہے۔ اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے ہیں۔ ذیلی طور پر انہوں نے ایک نہایت جاندار مرقع "ہندوستانی ڈپٹی کلکٹر کی ملاقات انگریز کلکٹر سے" لکھا ہے۔ جو بجائے خود ایک مکمل تصویر ہے۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ نذیر احمد کی نگاہیں کیسی دوررس تھیں اُنہوں نے اُس دور کے حکمران اور محکوم طبقے کے آپس کے تعلقات کا تفصیلی مشاہدہ کیا ہے۔ مزاح اور طنز کے انداز نے اسلوب کو بے حد جاندار اور تصویر کو زیادہ روشن اور جامع بنا دیا ہے، اور یہی ان کے غیر معمولی ذہین فنکار ہونے کی دلیل ہے۔

اس لئے ہمارا ایقان ہے چند ذیلی اور ضمنی کوتاہیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اگر یہ کتابیں پڑھی جائیں تو نذیر احمد کی جادوگری کا ہر شخص کو قائل ہونا ہی پڑتا ہے۔ آیندہ نسلیں بھی انہیں اسی شوق سے پڑھیں گی۔ ان کتابوں کو صرف ادبی نہیں بلکہ اپنے عہد کی دستاویزی حیثیت بھی ہے۔ اسی لئے ان کی اہمیت ہمیشہ محسوس کی جائے گی۔

نذیر احمد کے طرزِ بیان میں دلآویزی اور زبان میں چاشنی تو ہے ہی، ساتھ ہی ساتھ وہ ہر بات کی چھوٹی چھوٹی تفصیلات جس خوبی سے بیان کرتے ہیں ان سے دلچسپی اور بڑھ جاتی ہے۔ مثلاً کسی بچے کی علالت کا ذکر ہے تو گھریلو علاج کے بیسوں نسخے گنوا دئے ہیں۔ لباس، زیور، کھانے پکانے، سازوسامان، شادی بیاہ، رسم ورواج، اوہام، لڑائیاں جھگڑے غرض زندگی کا شاید ہی کوئی رنگ ہو جو چھوٹ گیا ہو۔ کاش نذیر احمد کو کوئی اچھا مترجم مل جائے جو انہیں دنیا کی دوسری زبانوں سے روشناس کرادے اور دنیا والے دیکھیں کہ یہ پرانے زمانے کا مولوی بھی کیسا جادوگر اور کس غضب کا فنکار تھا۔

جیت

"تمہارا چھوٹا بھائی کیسا ہے؟"
"نریش ہے۔ وہ پرسوں شدید زخمی ہوگیا۔"
"افسوس! لیکن کیسے؟"
"ہم ایک کھیل کھیل رہے تھے کہ کھڑکی میں سے زیادہ دُور تک کون جھانک سکتا ہے، اور وہ جیت گیا۔"

رضیہ اکبر

رُومانیت

بیشک ادبی تاریخ و تنقید کی ترتیب میں کچھ اصطلاحوں سے کام لینا ہی پڑتا ہے کہ شاید اس گفتگو میں کام ہے۔ "چلتا نہیں ہے دشنہ و خنجر کہے بغیر" تاہم اصطلاحیں بہرحال صرف ایک طرح کی رہنمائی اور نقاد کی کچھ حدود معین کرنے کے لئے ہوتی ہیں ان کا اصل مقصد کسی دور کی حساسیت کے مخصوص رُجحان کی نشان دہی کرنا اور اس زمانے کے کردار کو پیشِ نظر رکھنا ہوتا ہے جس میں کوئی ادبی تخلیق وجود میں آئی ہوتا کہ نقاد فن کار کو اس کے وقت اور ذہنیت سے الگ کرکے صرف اس کی ظاہری اقدار میں اُلجھ کر نہ رہ جائے۔ لیکن اگر کوئی ان میں محض میکانکی انداز میں ہر زمانہ اور ہر کسی کے لئے یکساں طور پر استعمال کرنے لگے تو ظاہر ہے یہ گویا ان کی اصل اسپرٹ سے انکار کرنا ہوگا۔ چنانچہ ہم دیکھیں گے کچھ اصطلاحیں اسی طرح رواج عام پا جاتی ہیں اور جا و بیجا ہرکس و ناکس سے اتنا زیادہ کام لینے لگتا ہے کہ ان کا اصل مفہوم بہت پیچھے چھوٹ جاتا ہے اور اکثر خود فن کار بھی ان کے صحیح تاریخی ادبی مفہوم کو سمجھے بغیر استعمال کرنے لگتے ہیں۔

رُومانیت کی اصطلاح کچھ ایسی ہی ایک عام استعمال کی چیز بن گئی ہے اور اس سے کچھ اتنے سارے غلط مفہوم بھی وابستہ ہوگئے ہیں کہ اس کا اپنا اصلی کردار تقریباً نظروں سے اوجھل ہوگیا ہے ۔۔۔۔ ہر جذباتی اظہار ہر ذکرِ محبت "رومانیت" کہا جاتا ہے، کوئی نگاہ کسی دوسری نگاہ سے ٹکرائی، کسی حسینہ نے مسکرا کر کسی نوجوان کی طرف دیکھا لیجئے "رُومان" ہوگیا کسی پیڑ تلے دو جسم کسمساتے، کوئی دستِ نازک کسی دستِ قوی سے چھو گیا لیجئے شاعر رُومانیت کی ہوا باندھ بیٹھا، حتیٰ کہ رُومانیت کے لئے ماہ و سال کی قید بھی لگادی جاتی ہے کہ وہ جو تیس چالیس کے سِن سے اوپر پہنچ گیا اُسے بھلا رُومانیت سے واسطہ؟...... تو غرض نتیجہ یہ کہ اس سارے طُومار کے بیچ جب ہم یہ سوچتے ہیں کہ رُومانیت آخر ہے کیا؟ اور دنیا کے ادبی سرمایہ میں اس کا کتنا حصّہ ہے؟ تو بڑی مشکل پیش آتی ہے اور اس کی اصل اسپرٹ کو پکڑنا بہت دشوار ہوجاتا ہے۔

ویسے سچ پُوچھئے تو رُومانیت، تاریخی معنوں اور ادبی مفہوم دونوں میں ہی کچھ سے بھی ایک بہت ہی پیچیدہ چیز جس کی تمام گرہوں اور پیچیدگیوں کو کھولنے اور مختلف تہذیبی فضاؤں کے درمیان اُس کے نازک فرق اور بدلتے ہوئے مبہم خد و خال کو اُجاگر کرنے کے لئے بہت زیادہ تفصیل اور دقتِ نظر چاہیئے اس لئے یہاں مختصراً یُوں سمجھئے کہ زمانۂ قدیم میں انسان نے جس ایک مخصوص کلاسیکی طرزِ فکر کو اپنا رکھا تھا اس کی بندشیں جب فکر و خیال کی آزاد پرواز میں حائل ہونے لگیں اور اُس پچھلے کلاسیکی تصور کے خلاف ہر شعبۂ زندگی میں ایک زبردست ردِّ عمل پیدا ہوا، اور کچھ آزاد ذہنوں نے اپنی فکر و نظر کے لئے نئی راہیں نکالنا چاہیں ایک معینہ طرز و انداز سے ہٹ کر فن اور ادب کی دنیا میں ایک نئے رُجحان کو اُبھارنا چاہا تو یہی ایک اگلے قدم کا آغاز کہنا چاہیئے جو رُومانیت کی ابتدا بنا۔

کلاسیکیت، عقلیت کا نشان تھی وہ ایک ایسے سماج کی نمائندہ تھی جس میں مختلف طاقتیں ایک مکمل توازن حاصل کرکے ایک نقطہ پر مرکوز ہوچکی تھیں۔ اس کی اس مرکزیت، اُصول پرستی اور ترتیب کی محدود پرواز نے زندگی کے حُسن کو چند خانوں میں سمیٹ لیا تھا۔ انسانی فکر اور جذبہ دونوں ہی کچھ مخصوص آئین و قوانین کی زنجیروں میں جکڑ گئے تھے مگر زندگی پھیل رہی تھی انسان کی نظروں کے سامنے نئے اُفق اُبھر رہے تھے، ایک مخصوص

طرز کے خلاف اس کا "احساس آزادگی" شدید تر ہو رہا تھا تو ایسی صورت میں اس کے ذہن و خیال کی بیقراریاں کس طرح اُن زنجیروں کی پابند رہ سکتی تھیں لازماً اس نے سرکشی کی اور اس کا نتیجہ رُومانیت کی شکل میں ظاہر ہوا جو کلاسکیت کی حُدود سے پرے ایک نئی دنیا سے تجربہ کے احساس و ادراک کی تمنا رکھتی تھی اور عقلیت کے "پائے چوبین" کو چھوڑ کر احساس و جذبہ کے ذریعہ اسرار کائنات پر قابو پانے کی خواہشمند تھی۔

یوں گویا رومانیت، کلاسکیت کے خلاف ایک حسین بغاوت ایک توانا جہد تھی، فن اور ادب کی دنیا میں ایک زبردست انقلاب تھا جس نے سینکڑوں بند دروازے کھولے اور انسان کو زندگی اور کائنات کی ایک نئی تلاش کی طرف بڑھنے کا حوصلہ دلایا اور ادراک و جذبہ میں آہنگ پیدا کر کے حیات انسانی میں نت نئے رنگ بھرے اور اس کی ان گنت تمناؤں کو جگانے کا محرک بنی۔

دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ ایک طرف انسانی ذہن کی وہ متین و پرسکون حالت ہے جو کبھی اپنی صحت کا خیال نہیں کرتی اس لئے کہ وہ کامل صحت مند ہے، دوسری طرف اُس "مجبور و بیمار" کی ہیجانی اور جہد آمیز حالت ہے جو خود اپنے نجی رپر قابو پانے میں کوشاں ہے یعنی ایک نئے توازن کو حاصل کرنا چاہتی ہے جیسے کوئی شئے اپنے دائرہ گردش سے باہر نکل گئی ہو اور ایک نئے مرکز کی تلاش میں سرگرداں ہو..... اس "سرگردانی" کو بھی ہم آغاز رُومانیت کا ایک مخصوص کردار کہہ سکتے ہیں۔

"انسان آزاد پیدا ہوا ہے مگر جہاں دیکھو وہ پابہ زنجیر ہے"۔

روسو کی یہ آواز گویا رومانیت کا مطلع تھی ـــــ روسو نے یہ کہہ کر کہ کائنات انسان کے لئے ہے اس نئے شعور کو پیدا کیا جس میں پچھلی زندگی کے بندھے ٹکے اُصولوں کے مقابل ایک طاقتور احتجاج کی بلاشبہ بہت زیادہ سکت تھی

اسی بنا پر praz نے رُومانیت کو ایک "نئی حسّاسیت" کا نام دیا ہے اور پروفیسر Babit کی نظر میں رومانیت نظرت کو بنیادی طور پر خیر یا نیکی سمجھنے کا مفروضہ ہے۔ ایک "من کی موج" ہے جو مُوڈ اور مزاج کے آزاد بہاؤ کے ساتھ بے روک بہتی چلی جائے ..... اور اس میں شک نہیں کہ آج کے برعکس ابتدائی رُومان نگاروں کے سامنے احساس و تخیل کے لئے ایک بڑی وسیع اور بالکل اچھوتی دنیا تھی جس کے کسی گوشہ کو بھی ان کے پیش رووں نے ہاتھ نہیں لگایا تھا اور ان کی "مُوڈ" اور "من کی موج" کے لئے ہر سمت میں بے شمار راہیں کھلی ہوئی تھیں اور چونکہ روز اول سے ہی رُومانیت ایک بغاوت کے رُوپ میں اُبھری تھی لازماً اس نے کلاسکیت کی شدید عقلیت اور مخصوص توازن پرستی کے ردِّ عمل کے طور پر بہت تیزی کے ساتھ ارتقائی منزلیں طے کیں اور ایک عجیب جذبۂ بیباک، طاقت اور عظمت کو اپنا محبوب بنایا۔ چنانچہ ابتدائی رُومان نگاروں نے جن سُورمایانہ محبت کی داستانوں کی تخلیق کی ان کے کردار بھی آپ دیکھئے غیر معمولی طاقت اور عظمت کے حامل ہیں اور اپنے اندر نئے پن کی بڑی انوکھی جاذبیت رکھتے ہیں۔

اولاً لفظ رومانٹک کا مطلب عام طور پر بقول ـــــــ Logan Pearsall Smith ـــــــ کے یہ لیا جاتا تھا کہ کوئی چیز "پرانے رومانوں" کے مانند اور ہر وہ تحریر جو ایک غیر منظم تخیل کی حامل ہوتی رومانٹک کہلاتی تھی لیکن ۱۸ ویں صدی کے آغاز سے جب فن کارانہ تخلیقات میں تخیل کی اہمیت اور بڑھتی ہے، داخلی تجربات کی طرف اس کا میلان اور تیز تر ہوتا ہے تو رُومانیت اب ایک نئی جاذبیت اور کشش حاصل کرتی ہے، اب وہ حقیقت کی نیچر پر بھی ایک متلاشی نظر ڈالتی ہے، اُسے جانچتی پرکھتی ہے اور ان احساسات و خیالات کی ترجمانی کی طرف بھی قدم بڑھاتی ہے جن میں ذہنی تحریکات اور تمناؤں کو بہت دخل تھا اور یوں ایک زیادہ وسیع مفہوم کو اپنے دامن میں سمیٹتی ہے۔

بہر حال یہ کہ اس نئے اسکول کے لکھنے والوں نے صرف زندگی اور کائنات کے اسرار نہاں کی طرف ہی توجہ نہیں کی بلکہ تخیل و احساس کی وجدانی طاقتوں سے کام لیکر بہت سی نئی دنیاؤں کی بھی تخلیق کی اور ان کی آرائش میں ایک مخصوص جمالیاتی طرز کو اُجاگر کیا....... اور پھر ۱۹ ویں صدی کا ادب ایک بہت ہی واضح Unique "کُل" کی حیثیت سے ہمارے سامنے آتا ہے جس میں "جنسیات" بہ طور خاص تخلیقی تخلیقات کا ایک سرچشمہ بنتی ہے۔

پروفیسر گریئرسن نے ادب میں تین رُومانی تحریکوں کا تعین کیا ہے اس لحاظ سے پہلی تحریک سمجھئے ایورو پیدس کے الیوں اور پلیٹو کے ڈائیلاگ میں ظاہر ہوتی ہے اور مذہبی تصورات اور یونانی نثر میں اپنے نقطۂ عُروج تک پہنچتی ہے۔ دوسری ان غیر مذہبی مُلحدانہ رومانوں میں اظہار پاتی ہے جنہیں ہم ایک متقدر "کلیسا" کی رُومانی اور مرتاضی زندگی کی کڑی بندشوں اور پابندیوں کے خلاف ایک رُومانی دنیوی آئیڈیل کا نشان انقلاب کہہ سکتے ہیں۔ تیسری وہ تحریک ہے جو تاریخ و ادب کی دُنیا

رومانٹک تحریک کے ہی نام سے موسُوم ہے جس کا کردار دوسری سے بہت کچھ مختلف ہے اور دراصل اسی کو ہم خالص عقلیت کے خلاف ایک شدید اور مکمل ردِّ عمل کہہ سکتے ہیں۔

صنعتی انقلاب کے بعد زندگی جن نئے اُصولوں اور کچھ نئی اقدار کی بھی طالب تھی، اس رومانیت نے ان کی تکمیل کا بیڑا اُٹھایا اور انسانی جذبات کو محض عقلیت کی بے جان گرفت سے آزادی دیکر ان کے اندر ایک نئی رُوح پھونکی۔ اب عقل صرف ایک "چراغِ راہگذر" قرار پائی، جذبات کا پلہ اس پر بہت بھاری ہوگیا اور کم و بیش سب ہی بڑے فلاسفروں اور مفکروں نے، میکانکی سائنس جس طرح جذبات کی تحقیر کرتی تھی اُسے غلط قرار دیا اور بڑے بڑے شاعروں اور ادیبوں نے تخیّل کی وجدانی طاقتوں کو ہی اپنا اصل رہنما بنایا ـــــ اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ رُومانیت کی لامحدُود جذباتیت نے ہی فرد کو نئی اہمیت کا حامل بنایا۔۔۔۔

وہ رومانیت ہی تھی جس نے لفظ "میں" کو ایک مستقل کردار عطا کیا اور اس کی یہی "انا" اس تمنّائے خودی کا بھی مظہر بنی جس کا اشارہ اقبال کے اس شعر میں ملتا ہے ؎

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے ؛

اسی رومانیت کی بدولت فن کار اس قابل ہوا کہ ایسی حقیقت کی عکاسی کر سکے جس میں اس کی انفرادیت اور اس کی اندرونی کیفیتوں کی واضح پرچھائیاں نظر آئیں اور تخیل و جذبہ ہم آمیز ہوسکیں۔۔۔۔

فکری تخیل میں جذبہ کی شدت بلاشبہ رُومانیت ہی کی دین ہے اور اُسے ہم ہر ملک اور زبان کی کتنی ہی عظیم تخلیقات کا ضامن کہہ سکتے ہیں۔

انسانی جذبہ اور عقل کے درمیان جو ایک مستقل کشاکش چلی آرہی ہے، اس کے درد اور دُکھ کو رومانیت کے تصور نے ہی "گلزارِ خلیل" بنایا اور فراق میں بھی زندگی کا کیف پانا سکھایا۔۔۔۔ اسی رومانیت نے عشق کو نیا مزاج دیا اور ہر ملک و زبان کے رومانوی ادب میں جہاں اس والہانہ سپردگی کے اظہار کو ممکن بنایا جسے ہم غنائی شاعری کا آبِ رنگ کہہ سکتے ہیں وہیں اُسے وہ جراَتِ رندانہ بھی بخشی کہ وہ بے دھڑک آتشِ نمرُود میں کُود پڑے۔

غور کیجئے تو پُورے رومانٹک ادب میں دُکھ، مسرت اور تمنّا کا لازمی جزو نظر آئے گا اور خوشی اور الم کے لازم و ملزُوم ہونے کا یہ تصوّر گویا رومانیت کا ایک مخصُوص سرچشمہ ہے۔ دکھ، خواہش اور ظلم میں جو باہمی تعلق ہے وہ بظاہر بڑا عجیب معلوم ہوتا ہے۔ کسقدر حیرت کی بات ہے کہ خواہش ہی اکثر و بیشتر ظلم کا محرک بنتی ہے لیکن یہی لُزومیت ادب میں بقول فلوبیر کے :-

"la grande Symthesis" کا بھی باعث بنتی ہے۔

سب ہی رومانٹک فن کاروں کی نظر میں حُسن اور موت اور لذت و الم یک جان دو قالب ہیں ــ غم جتنا زیادہ تیز ہو اتنا ہی زیادہ حسین و لذت آفریں ہے بقول کیٹس :-

"Tragedy adds a more subtle pathos to beauty"

آندرے شید بھی یہی کہتا ہے :- "انسان کے حسین ترین کارنامے لازماً غم ناک ہوتے ہیں"

ڈان جوان، قرۃ العین، شہیدِ عشق بن کر ہی اور زیادہ حسین و دلفریب بنتی ہیں۔ قدیم ہندی ادب میں پتی ورتا اور ستی کی داستانیں بھی اسی رومانیت کی نمائندہ کہی جاسکتی ہیں، اسی طرح فارسی اور اُردو شاعری میں بھی ہجر و فراق کا مستقل موضوع، دوست کی نارسائی، اس کے ظلم و جبر اور بے التفاتی کا ذکر ایک مخصوص رومانی تصور کا ہی غماز ہے کہ عاشق اپنے کو مظلُوم و درماندۂ فراق دکھانے میں ایک لذت محسوس کرتا ہے، اپنی مہجُوری اور گرفتاریٔ اُلفت میں بھی وہ اتنی ہی مسرت پاتا ہے جتنا دکھ۔۔۔ درد آشنا مسرت کا یہ عجیب احساس فراق میں بھی ایک لطیف احساس لذت کم و بیش ہم کو دُنیا کے سب ہی رومانٹک شاعروں اور ادیبوں کی تخلیقات کا لازمی جزو نظر آئے گا۔۔۔

وہ رومانیت کے علمبردار شاعر و فن کار ہی تھے جنہوں نے اپنے خونِ جگر سے دُنیائے ادب میں اَن گنت چراغ جلائے اور اسی رُومانیت کی روایت نے مختلف سمتوں میں جنون و عشق اور حسن و حقیقت کے ہزاروں اُجالے پھیلائے اور انسان کو رومانوی انسردگی اور داخلی گداز کی کتنی ہی حسین و جمیل راہوں سے آشنا کیا اور عین وصل میں بھی "خوش نالہ ہائے زار" کی انوکھی لذت و مسرت کا ادراک بخشا۔

غرض یہ کہ رُومانیت کی تحریک نے کافی طویل عرصہ تک ہر زبان و ملک کے تخیلی ادب پر اپنے مختلف النوع اثرات ڈالے اور بہت ساری عظیم تخلیقات کا باعث بنی لیکن جب بالآخر وہ بھی اپنی یک طرفہ شدّت

اور خالص جذبات پرستی کے کچھ مُہلک اثرات میں گھر کر اپنی توانائی کھونے لگی اور اس کی وسیع کائنات اپنے ہی ایک حصار میں بند ہونے لگی تو گویا وہ اپنی زندگی پوری کر چکی اور آج کی اکثر رومانوی تخلیقات میں جو ایک عجیب سا سنّاٹا اور کچھ خالی خالی پن محسوس ہوتا ہے شاید اس لئے کہ ان میں ایک طرح کا "جذباتی اُبھار" تو ہوتا ہے مگر، ورڈسورتھ کی نظر میں معمولی اشیاء کو بھی ایک انوکھا پن بخشنے کا رومانیت کا جو اوّلین فرض تھا آج وہ اس سے محرُوم ہو چکی ہے اور اس میں وہ پچھلی سرفرازی اور آنانیت نہیں رہی —— وہ ایک انگشت بدنداں بے پایاں حیرت و استعجاب کی بے اختیارانہ مسرّت آگیں بچّوں کی سی کیفیت !۔

اور آج واقعی یہ ایک بہت بڑا سوال ہے کہ کیا اس ایٹمک دور میں اب بھی رُومانیت وہ شان جبروت حاصل کر سکتی ہے جس میں جذبہ کی شدید گرمی، جوش و اُبھار، ایک مخصوص صفت برانگیختگی بھی ہو اور اچھُوتے پن کی تازگی بھی ...... یہ سچ ہے کہ ازل سے سرکش و باغی انسانی ذہن، حیات کے دائمی تسلسل کے ساتھ آج بھی مصروف کار ہے اور ایک نئے قسم کا رومانٹک احیاء عمل میں آ رہا ہے جو خارجی دنیا کے لئے تو ایک نئی "دید" دے سکتا ہے لیکن کیا وہ زندگی کے زیادہ گہرے مسائل، انسان کی گوناگوں کیفیات اور اس کے لمحات درون تک بھی پہنچ سکتا ہے ؟ اور اب بھی اتنی ہی بے کنار کائناتی نظر کا حامل بن سکتا ہے ؟۔

یہ رومانٹک ڈائیلما بہر حال آج کم و بیش ہر ملک اور ہر زبان کے ہی ادب کے سامنے ہے اور ابھی قطعی طور پر یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ وہ کیونکر حل ہوگا اور کن سمتوں میں نئی راہیں بنائے گا ؟۔

حادثہ

ٹام : "کیا تمہیں کبھی کوئی رُیلوے حادثہ پیش آیا ہے ؟"
ڈک : "ہاں ! ایک مرتبہ جب میں ریلوے سفر کر رہا تھا تو ہماری ریل درّے میں سے گذری ۔ ڈبے میں اندھیرا چھا گیا اور میں نے اپنی بیٹی کی بجائے ڈیڈی کا بوسہ لے لیا "

جیلانی بانو

★

"دُکھ کے جال"

"اسے کہیں پھینک آ"۔

ایک دن راجیا نے بچے کی ریں ریں سے بیزار ہو کر کہا اور پھر خود ہی شرمندہ ہو گیا کہ اب رنگی اسے ڈانٹ پلائے گی۔ مگر خلافِ توقع رنگی نے بچے کو زمین پر پٹک کر اسے دیکھا۔

"یہ تُو نے ٹھیک کہا۔ کوئی بھلا مانس اسے اُٹھا کر لے جائے تو میرا پیچھا چھُوٹے گا"۔

رنگی بھی اپنے اس چھٹے بچے سے سخت بیزار ہو رہی تھی۔ راجیا بھی پریشان تھا کہ اس بیمار پِلّے کو کیسے پالیں ——! وہ کمبخت جب سے پیدا ہوا تھا ریں ریں کیے جا رہا تھا۔ خیراتی ہاسپٹل کی دوا سے تو جیسے اُس نے اچھا نہ ہونے کی قسم کھا لی تھی۔ اس سے بڑا سنجی بھی چھوٹے بھائی کو ماں کی گود میں دیکھ کر حرص کے مارے روئے جاتا تھا۔ وہ بھی ماں کا دودھ پی رہا تھا۔ نہ صرف سنجی بلکہ اس سے بڑا تین سال کا لی بھی موقع پر ماں کی چھاتی سے چمٹ جاتا تھا۔ رنگی بالکل کُتیا بن کر رہ گئی تھی۔ تینوں پِلّے ہر وقت اس کی بوٹیاں نوچے جاتے، ان سے بڑے تینوں بھی کچھ کم نہ تھے۔ چوبیس گھنٹے رنگی کو تگنی کا ناچ نچاتے تھے اور مارتے مارتے اس کے ہاتھوں میں درد رہنے لگا تھا۔ دن بھر وہ سڑکوں گلیوں سے جو کچھ مانگ کر لاتے وہ ان کا باپ چھین کر ہڑپ کر جاتا۔ راجیا دن بھر رکشا چلانے کے بعد جو کچھ کماتا تھا وہ پی ڈالتا۔ رات کو گھر لوٹتا تو اسکے پیٹ میں آگ لگی ہوتی اور اس وقت اس کا بس چلتا تو اپنے بچوں کو بھی چبا ڈالتا۔

"میں رکشا چلاتا ہوں دن بھر۔ چھ بچوں کا باپ ہوں۔ خالی پیٹ کیسے سو سکتا ہوں؟"

جیسے چھ بچوں کو اس نے اپنی جان پر ہزار صدمے سہہ کر پیدا کیا ہو۔ وہ تو مزے میں تھا صبح اُٹھنے کے بعد کبھی رنگی کی صُورت بھی نہ دیکھتا۔ رنگی دو تین گھروں میں جھاڑو برتن کرنے جاتی تھی۔ مگر یہ کمبخت پِلّے اسے کچھ کرنے بھی دیں! سال کے چھ مہینے وہ اپنے بڑھے ہوئے پیٹ کی وجہ سے ... سکتی تھی۔ پھر اس کی گود میں ایک اور روتا بسورتا بچہ آ جاتا تھا۔

بچوں کی افراط سے راجیا سخت ناراض تھا۔ رنگی اس سے اپنی حالت چھپاتی پھرتی مگر ذرا سی سُن گُن ملتے ہی وہ لاتوں گھونسوں سے اس کی خبر لیتا۔ جیسے رنگی محض اسے جلانے کے لئے ہاتھ لگاتے ہی ایک بچے کو لا کھڑا کرتی ہے۔

راجیا کو تعجب ہوتا تھا کہ دوسرے لوگ اپنے بچوں کی بیماری سے گھبراتے کیوں ہیں! بچوں پر پیار کیسے آتا ہے۔ راجیا کو تو کوئی آ کر سُنا دیتا کہ اس کے چھیوں بچے موٹر تلے دب گئے تو اسے کیسا سکون مل جا[تا]

اب تو اسے ہر بات رنگی اور محلے والوں کے ڈر سے کرنا پڑتی تھی۔ رنگی خود بھی بچوں سے بیزار تھی۔ دن رات انہیں کوسے پیٹے جاتی۔ ایک بار سندری اوندھے مُنہ گر پڑی تو وہ اپنی جگہ مٹھ مارے بیٹھی رہی——

"اچھا ہوا مر گئی —— پیچھا چھُوٹا۔ اب کبھی نہ اُٹھے"——

دوسری ماؤں کی طرح رنگی کے دل میں کبھی پیار کے سوتے،

آندھرا پردیش

پھوٹے۔ کبھی بے اختیار پیار کرنے کو جی نہ چاہا۔ یہ بچے تو گویا موقعہ کی تاک میں چھپے بیٹھے تھے کہ رنگی کو راجیا کی جھونپڑی میں گھستے دیکھا اور ٹپک پڑے۔

خیر، پانچ بچوں تک اسے یہی اُمید تھی کہ ابکی بار یہی بات تھوڑی ہوگی! اور یہ بچہ اس کا آخری بچہ ہوگا۔ مگر اس چھٹے نے آکر تو اس کی کمر ہی توڑ دی۔ وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ گئی تھی۔ ہر وقت کی ہائے ہائے سے راجیا بھی چڑچڑا ہوگیا تھا۔ اس نے رنگی کو اپنی جھونپڑی میں اس لئے تو پناہ نہیں دی تھی کہ وہ رات دن بیگموں کی طرح لیٹی رہے اور بچوں میں اضافہ کیئے جائے۔ دنیا میں اور بھی تو عورتیں ہیں کہ دس دس روپے کما کر اپنے مرد کے آگے رکھ دیتی ہیں۔ بچے بڑے ہوجائیں تو انہیں بھی کسی نہ کسی کام پر لگا دیا جاتا ہے مگر راجیا کی قسمت میں تو روگی بیوی اور بالشت بالشت بھر کے کیڑے لکھے تھے کہ بڑھنے کا نام ہی نہ لیتے۔

اسی لئے جب راجیا نے غصہ میں بچے کو پھینکنے کے لئے کہا تو یہ بات رنگی کے دل میں بیٹھ گئی۔ بڑی دیر تک اس نے سوچا کہ جب اس بچے کے بوجھ سے اس کے ہاتھ آزاد ہوں گے تو وہ کیا کرے گی! جھونپڑی میں کیسا سکون چھا جائے گا۔ وہ جو چاہے کرے جب تک چاہے سو جائے۔ جو چیز چاہے کھالے۔ اب تو نوالہ اپنے مُنہ میں رکھنے سے پہلے بچہ ہاتھ بڑھا کر چھین لیتا تھا۔ اس لئے وہ فوراً راجیا کی جانب مُڑی

"تو پھر پھینک دے نا۔"

رنگی ڈر رہی تھی کہ دیر کرنے میں کہیں اس کا ارادہ بدل نہ جائے۔

"میں کیوں جاؤں؟" راجیا نے زمین پر لیٹے لیٹے کروٹ بدل کر کہا۔ مگر بچے کی ریں ریں میں یہ بات رنگی تک نہ پہنچی۔

"اُجاڑ صورت روتے روتے مرتا بھی تو نہیں۔" رنگی نے بچے کے دو زناٹے کے تھپڑ رسید کئے اور پھر راجیا سے کہا۔

"اُٹھتا کیوں نہیں، کہیں پھینک دے اسے لے جاکر۔"

"واہ میں کیوں جاؤں؟" راجیا نے کروٹ بدلی۔

"مجھے بستی بھر میں بدنام کردے گی کیا؟ لوگ کہیں گے کہ ہم اپنے بچوں کو نہیں پال سکتے، پھینک دیتے ہیں۔" راجیا کو لوگوں سے بڑا ڈر لگتا تھا جو اس کی غریبی پر چوٹ کرنے سے کبھی نہ چُوکتے۔

"بستی والے کون ہوتے ہیں ہمارے بیچ میں بولنے والے، ہمارا بچہ ہے ہم چاہیں کہیں پھینک دیں۔" رنگی نے راجیا کو بچے کی ملکیت کا احساس دلایا۔

"میں اکیلی جاؤں گی تو کوئی پکڑ نہ لے، تُو بھی میرے ساتھ چل نا۔"

راجیا کو اُمید نہ تھی کہ رنگی اتنی آسانی سے بچے کو پھینکنے پر راضی ہوجائے گی۔ غالباً تین دن کے فاقوں نے اسے پاگل کر دیا ہے۔ پھر اس نے سوچا کہ اس وقت ذرا سی کاہلی کی تو کہیں رنگی اپنا ارادہ نہ بدل دے دوسرے بچے تو اتنے ہوشیار تھے کہ شہر کے کسی کونے میں پھینکو وہ شام کو پھر مُنہ پھاڑے جھونپڑی میں آجائیں گے۔ مگر یہ بچہ تو ابھی بہت چھوٹا ہے۔ دو چار دن میں یاد بھی نہ رہے گا کہ پانچ بچے تھے یا چھ ———

اُس نے مُڑ کے دروازے کے باہر دیکھا۔ رات ہو چلی تھی۔ سڑکوں پر روشنیاں جاگ اُٹھی تھیں اور چیخ و پکار بڑھ گئی تھی۔ وقت بھی ٹھیک ہے اتنی گڑبڑ میں کون دیکھے گا۔ مزے میں کسی سڑک کے کنارے یا درخت کے نیچے بچے کو بٹھا کر دونوں بھاگ آئیں گے۔ اس لئے اُٹھنے سے پہلے اُس نے ایک اور شرط رکھی۔

"مگر اتنا بتائے دیتا ہوں کہ اگر آدھے راستے سے تُو نے ارادہ بدلا یا پھر تھوڑی دیر بعد چیخ پکار کرکے بچہ لانے بھاگی تو دونوں کو مار ڈالوں گا۔"

"نا نا میں نہیں لاؤں گی اسے۔ اس بچے کی سو ——— بھگوان کی سوگند، بس اب تُو اُٹھ جا۔" رنگی نے اسے یقین دلایا۔

راجیا اُٹھا اور روتے ہوئے بچے کی ٹانگ پکڑ کے گھسیٹا تو رنگی چلانے لگی۔

"ہائے اسے مارے کیوں ڈالتا ہے، اب تو ہمیشہ کے لئے تجھے چھٹکارا مل جائے گا اس سے۔" اس نے جلدی سے بچے کو اُٹھا کر گود میں لیا اور کاندھے سے لگالیا۔ بس اب تھوڑی دیر کی تو بات ہے پھر کیوں مارے اسے؟!۔ وہ دونوں چُپ چاپ باہر نکلنے لگے تو سندری ان کی ٹانگوں سے لپٹ گئی۔

"میں بھی جاؤں گی سیندھی پینے۔" اکثر جب وہ دولت مند ہوجاتے تو مل کر سیندھی پینے جاتے تھے۔ مگر رنگی نے لات مار کے اسے ہٹایا۔

"چل ہٹ مردود ——— میں تو چھوٹے کو پھینکنے جا رہی ہوں۔ ابھی آجاؤں گی۔"

باہر آکر سڑک کی چہل پہل سے راجیا گھبرا گیا۔

"بتا کہاں پھینکے گی ــــ؟"

"مارکیٹ کے سامنے ــــ" رنگی نے بلا سوچے سمجھے کہدیا۔

"مگر وہاں تو بہت بڑی سڑک ہے۔ کہیں ہمیں اسی وقت نہ پکڑ لیں۔ اور وہیں کوئی جان پہچان والا مل گیا تو اور مصیبت ہو جائے گی اسے پولیس اسٹیشن کے پاس چھوڑ دے۔"

"پولیس اسٹیشن ــــ!" رنگی گھبرا گئی ــــ مگر پولیس والے تو بڑے بے درد ہوتے ہیں، اسے خوب ماریں گے۔"

"اچھا تو پھر بھوئی گوڑہ کے تالاب میں پھینک دیں!" راجیا نے پوچھا۔ تالاب میں رنگی کی آواز دکھ سے روندھ گئی۔

"تجھے پاپ نہ لگے گا، کیا تو یہ چاہتا ہے کہ اسے مار ڈالوں"!۔

راجیا بھی شرمندہ ہو گیا۔ اچانک اسے احساس ہوا کہ وہ کتنی بُری بات کہہ گیا! وہ تو گھر سے اس لئے نکلے ہیں کہ اسے کہیں بٹھا کر چلے جائیں۔ کوئی بھلا مانس اُٹھا کر پال لے گا۔ پھر اس نے اپنے بچے کو تالاب میں پھینکنے کی بات کیسے کہدی! اصل میں اس کے ذہن میں ایک ایسی رنگی کا تصور تھا جو بچے سے آزاد ہو جائے گی۔ جھونپڑی میں کہیں چیاؤں چیاؤں کا شور نہ ہوگا۔ رات اور دن ان کے اپنے ہو جائیں گے۔

"اب تو جمعرات کے دن یہ آٹھ مہینے کا ہو جائے گا، دو چار مہینے اور گذر جاتے تو ہمن بھائیوں کی گود میں باہر چلا جاتا۔" رنگی کو اس کی پیدائش کے دن سے ایک ایک کی بات یاد آرہی تھی۔

"مگر وہ سالے بھی کھانا تو مانگتے ہیں۔ دن بھر مجھے ان کے لئے رکشا میں جُتنا پڑتا ہے اسے پھینک دیں تو ایک کھانے والا کم ہو جائے گا۔"

رنگی چُپ ہو گئی۔ ٹھیک ہی تو کہتا ہے راجی۔ چھے بچوں کی وجہ سے کبھی اس کے حصے میں مُٹھی بھر چاول بھی نہ جا سکے۔ ایک ہی کم ہو جائے۔

راجیا نے مُڑ کے دیکھا۔ وہ دونوں جانے کس دُھن میں شہر کے آخری سرے پر پہنچ گئے تھے۔ یہاں پُل کے نیچے بس اسٹینڈ تھا۔ تانگوں اور رکشاؤں کی ریل پیل تھی۔ راجیا کو اچانک سردی کا شدید احساس ہوا۔ سیندھی کے بغیر تو ایسی سرد راتیں انگارہ بنکر دہکتی ہیں۔

"رنگی اسے بیچ دیں؟" سیندھی کی طلب نے راجیا کو ایک ترکیب سُوجھائی۔

آندھرا پردیش

"بیچ دیں ــــ؟" رنگی کے آگے بھی یہ خیال فانوس کی طرح روشن ہوا اور بُجھ گیا۔

"مگر کون خریدے گا اسے! دُنیا بھر کی بیماریاں تو لگی ہیں اور پُھنسیوں میں بھی تو لدا ہوا ہے اُجاڑ صُورت۔"

"تو کیا ہوا جن کے بچے نہیں ہوتے وہ لوگ تو ایسے بچوں کے لئے بھی مرتے ہیں۔ ہماری قسمت جگے تو یہ دس روپے میں بک سکتا ہے۔"

"دس روپے میں ــــ!" رنگی نے آنکھیں پھاڑ کے دوہرایا اور غور سے اس قیمتی بچے کو دیکھنے لگی جو اس کے کاندھے سے لگا اُونگھ رہا تھا۔

"مگر اتنی رات میں کونسا خریدار ڈھونڈو گے؟"

اسی وقت ایک اندھی بُڑھیا ان سے آٹکرائی۔ "بابو صاحب ایک پیسہ۔ اندھی پہ رحم کرو ــــ" وہ راجیا کو ٹٹولنے لگی۔

"ہم سے پیسہ مانگتی ہے اندھی! ہمارے پاس پیسہ ہوتا تو اپنے بچے کو کیوں پھینکنے جاتے؟"

رنگی غصہ میں بولی۔

"ہے بھگوان ــــ بچے کو تم نے پھینک دیا ــــ کہاں ــــ؟

بڑھیا نے رنگی کو اس طرح پکڑ لیا کہ راجیا کو بھی رُکنا پڑا۔

"اپنا راستہ لے مائی تجھے ان باتوں سے کیا غرض"! راجیا چڑ گیا۔ مگر رنگی تو جیسے یہ بات کسی کو سُنانے کے لئے بے چین تھی۔ اس لئے فوراً بڑھیا کو اپنی غریبی کا قصہ سُنا ڈالا۔

"اب دیکھ یہ بچہ جو میری گود میں ہے ہم اسے کہیں پھینکنے جا رہے ہیں۔" اس نے بڑھیا کا ہاتھ پکڑ کے بچے کو چھوایا تو بچہ ڈر کے مارے چلا چلا کر رونے لگا۔

"لاؤ اسے مجھے دیدو۔ میں اسے پالوں گی۔ میری لاٹھی مجھے کوئی سہارا نہیں دیتی۔ بس اس کے کاندھے پہ ہاتھ رکھ کر چلا کروں گی یہیں پیڑ کے نیچے بیٹھ کر بھیک مانگوں گی۔" بڑھیا نے ہاتھ پھیلا دیئے۔

"مگر ہم تو اسے بیچیں گے، تیرے پاس دام نہیں ــــ!" راجیا جانتا تھا کہ یہ بھکارنیں بڑی کائیاں ہوتی ہیں۔ چیتھڑوں گدڑوں کے اندر نوٹوں کی گڈیاں سلی ہوتی ہیں۔

"بیچوگے ــــ!" بڑھیا کے پھیلے ہوئے ہاتھ نیچے گر گئے۔

"میرے پاس تو کچھ نہیں ہے، تم ساری جھولی دیکھ لو، صرف یہ روٹیاں ہی ملی ہیں مجھے۔"

اس نے جھولی کھولی تو اس میں رنگا رنگ سالن پڑے تھے کہیں کہیں بوٹیاں بھی جگمگا رہی تھیں۔ روٹیوں کی گٹھڑی اس نے الگ باندھ رکھی تھی۔ اتنی بہت سی روٹیاں دیکھ کر راجیا کی بھوک بھڑک اٹھی۔ بچہ رنگی کی گود میں مچل رہا تھا۔ اسے سردی بھی لگ رہی تھی۔ رنگی جلدی میں اس کی گدڑی لانا بھی بھول گئی تھی۔ جھنجلا کر اس نے بچے کے دو تین تھپڑ رسید کئے اور بڑھیا سے بولی۔

"جب تیرے پاس کچھ نہیں ہے تو مفت میں اپنا بچہ کیوں دیدیں؟ چل راجی دیر ہو رہی ہے۔" مگر روٹیوں کی خوشبو سونگھ کر راجیا کے پیر نہ اٹھے۔

"اچھا لا یہ روٹیاں ہی دیدے۔" راجی نے بڑھیا کی جھولی پر جھپٹا مارا۔ رنگی بچے میں الجھی ہوئی تھی۔ وہ گود میں سے پھسلا جا رہا تھا بھوک اور تھکن نے رنگی کے غصہ کو اور تیز کر دیا تھا۔ آخر غصہ کے مارے اس نے بچے کو فٹ پاتھ پر پٹک دیا۔ اتنی دیر میں راجیا بڑھیا کی جھولی اپنے رومال میں منتقل کر چکا تھا۔ یہ روٹیوں کی دولت کونسی کم تھی اس روتی صورت بچے کے عوض! بڑھیا کا دل بیٹھا جا رہا تھا جیسے لاکھوں کا مول تول کر رہی ہو۔ ایک ایک روٹی کے ٹکڑے کو سہلا سہلا کر رخصت کر رہی تھی۔

"ایک روٹی تو میرے لئے چھوڑے جاؤ، اب اتنی رات گئے میں کہاں مانگنے جاؤں گی؟"

مگر راجیا نہ مانا۔ کوئی مفت تو نہیں لے رہے ہیں، اتنا بڑا بچہ تو اس کے پاس بٹھا دیا ہے۔

جھولی خالی کر کے بڑھیا نے روتے مچلتے بچے کو کس کے تھام لیا تاکہ بعد میں رنگی کی نیت بدل نہ جائے۔ بچہ بھی ہاتھ اٹھا کر ماں کے پاس جانے کے لئے مچل رہا تھا۔ مگر رنگی نے اس کے سوکھے مارے ہاتھ جھٹک دیئے اور جلدی سے راجیا کے ساتھ آگے بڑھ گئی جب وہ دونوں پل پار کر رہے تھے اس وقت بھی بچے کے رونے کی آوازیں سنتے رہے۔ راجیا ڈر رہا تھا کہ کہیں رنگی پھر واپس نہ لوٹ جائے۔ اس لئے اس نے جھولی میں سے ایک روٹی نکال کر اسے دی۔ مگر رنگی نے منہ پھیر کے ہاتھ سے منع کیا اور اس سے ذرا ہٹ کر چلنے لگی۔ وہ بار بار دل میں دوہرا رہی تھی کہ اس بچے سے نجات پا کر اس نے بہت اچھا کیا ہے۔ اسے بچے کی ذرا بھی محبت نہیں تھی اور پھر وہ بڑھیا تو اسے بڑے ٹھاٹ سے پالے گی۔ خوب پیٹ بھر کھانے کو ملے گا بڑھیا کے پاس تو جانے کتنی دولت ہوگی۔ اچھا ہی ہوا کہ اس نے بچے کے رونے پر کان نہ دھرا۔ مگر پھر بھی اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اس ایثار پر راجی اس کا احسان مانے۔ اسے تسلی دے، بہلائے تاکہ دل پر جو آندھی سی چڑھ رہی ہے کچھ تو کم ہو۔ کہیں محلے والوں کو اس بات کی خبر نہ ہو جائے۔ وہ تو صاف راجی پر الزام دھر دے گی۔ ساری روٹیاں اس نے تو اپنے رومال میں انڈیل لیں اور پھر کس مزے سے کھاتا آ رہا ہے بے حیا۔ راجیا کی بے غیرتی پر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور پھر منحوس بار بار مجھے کیوں گھور رہا ہے۔ اچانک وہ چلا پڑی۔

"میری صورت کیوں تک رہا ہے بار بار، تو سمجھتا ہے میں بچے کے رونے سے ڈر رہی ہوں، اسے پھر لے آؤں گی۔ تو مجھے اتنی ڈرپوک سمجھتا ہے کیا؟ میں تو اسے اب کبھی نہ دیکھوں گی۔ چاہے تو کتنی ہی خوشامد کرے۔ میری بلا سے وہ مرے یا جیئے۔"

راجیا کچھ جواب سوچنے بھی نہ پایا تھا کہ سب بچے چیختے چلاتے رنگی کی ٹانگوں سے لپٹ گئے۔ وہ سندری سے پہلے ہی چھوٹے کے چلے جانے کی نوید سن چکے تھے اور اس بات پر جشن منانے کا تہیہ کر چکے تھے۔ اس لئے رنگی کو دیکھتے ہی انہوں نے خوشی سے چلانا شروع کر دیا

"ماں ماں دیکھو ہم کتنا بہت سا کھانا لائے ہیں۔"

"اور ملّی کو تو ایک بابو نے ایک پیسہ بھی دیا ہے۔"

جھونپڑی کے اندر بیٹھتے ہی سب کھانے پر ٹوٹ پڑے۔ بچے خوشی کے مارے چلا رہے تھے اور ایک دوسرے سے لڑ رہے تھے لیکن راجیا نے آج کسی کو نہ ڈانٹا۔ وہ بھی جلدی جلدی کھانے میں مصروف تھا۔ چاروں طرف عجیب سی رونق پھیلی ہوئی تھی۔ جیسے منوں وزنی بوجھ سر سے وہ جھٹک آیا ہو۔ راجیا کے ہاتھ جلدی جلدی رنگا رنگ سالنوں میں ڈوب رہے تھے۔ بڑھیا بڑی مالدار نکلی۔ پھر اس کی نگاہ رنگی پر گئی جو کھانے میں شریک ہونے کی بجائے چپ چاپ کونے میں بیٹھی سستا رہی تھی۔ بچاری تھک گئی ہے چلتے چلتے — راجیا نے سوچا۔ پھر اس نے بڑے پیار بھرے لہجے میں رنگی کو بلایا۔

"اری تُو بھی کھالے نا، سب ختم ہوا جا رہا ہے۔"
رنگی تو جیسے تواضع کی منتظر بیٹھی تھی۔ جلدی سے بچّوں کو پیچھے ڈھکیل کر بیٹھی اور ایک روٹی کا بڑا سا نوالہ بنا کر حلق میں ٹھونسنا چاہا مگر اچانک جیسے کسی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا ہو۔ نوالہ اس کے ہاتھ سے چھُوٹ کر گر پڑا۔

"کیا ہوا تجھے ——!" راجیا نے گھبرا کے پُوچھا۔ اور جب رنگی نے نگاہیں اُٹھا کر اسے دیکھا تو جیسے اس کی نظروں میں انگارے دہک رہے تھے کہ راجیا جھُلس گیا۔ اس کے مصروف ہاتھ ڈھیلے پڑ گئے اور آہستہ آہستہ وہ سرک کر دیوار سے جا لگا۔ دو تین منٹ گذر گئے بچّوں کو اتنی فرصت نہ تھی کہ وہ کسی اور بات پر دھیان دیتے۔ پھر رنگی نے ایک روٹی اُٹھائی اور کھڑی ہو گئی۔ جب وہ دروازے کی طرف بڑھی تو سُندری نے پکارا۔

"ماں تُو نے کچھ نہیں کھایا، اب کہاں جا رہی ہے؟"

"چھوٹے کو یہ روٹی دے آؤں۔" اُس نے مُڑ کر سندری سے کہا "بڑھیا سے تو تیرا باپ سب کھانا چھین لایا۔ وہ منحوس بھُوکا ہے مر جائے گا روتے روتے۔"

"تو پھر چھوٹے کی گدڑی بھی لیتی جا۔ اسے سردی لگے گی۔"
سُندری گدڑی اُٹھانے لگا تو راجیا نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"رہنے دے۔ اب سردی کے بہلنے تیری ماں اسے لے آئے تو اچھا ہے۔"
اور پھر اس نے سوچا کہ ——
"کتنے گھنٹے ہو گئے رنگی کو گئے ہوئے؟!...."
"رات بڑھتی جا رہی ہے"....
"چھوٹے کو جانے کتنی سردی لگ رہی ہو گی؟!"....

÷ ÷ ÷ ÷ ÷

"اضافہ"

ڈکی:۔ "میں شرط سے کہتا ہوں کہ ہمارے گھر میں جو چیز ہے وہ تمہارے ہاں نہیں ہو گی، ہمارے ہاں ایک شیر خوار بچّے کا اضافہ ہوا ہے۔"
ڈکی:۔ "بس یہی۔ ہمارے گھر میں تو نئے پپّا کا اضافہ ہوا ہے۔"

وزیر اعظم، بیگم پیٹھ کی طیران گاہ پر بچوں کے ساتھ۔ وزیر اعظم نے
۳۔ اکتوبر سنہ ۱۹۶۱ء کو بیگم پیٹھ کی طیران گاہ پر کچھ دیر قیام کیا۔

آننت گیری کی صحت گاہ دق کے عام وارڈ کا اندرونی منظر -

[illegible] اسکول برائے خواتین کی طالبات کتائی میں مصروف ہیں -

شری وائی - سکھتنکر ، آئی - سی - ایس ، گورنر اڑیسہ
۲۳ - ستمبر سنہ ۱۹۶۱ءکو شہر حیدرآباد تشریف لائے - تصویر میں
انھیں نیلوفر ہسپتال میں اکسرے پلانٹ کا معائنہ کرتے بتلایا گیا ہے -

کرنول پنچایت سمیتی کے موضع لکشم پور میں گاؤں والوں نے کمیونٹی ہال اور خواتین کی فلاح و بہبود کا مرکز تعمیر کرلیا ۔ نصف رقم بلاک فنڈ سے دی گئی ۔

گورنر نے ۱۸ ۔ ستمبر سنہ ۱۹۶۱ءکو جوبلی ہال حیدرآباد میں آندھرا پردیش للیت کلا اکاڈمی کا افتتاح کیا۔
(بائیں جانب) اس موقع پر کماری یمینی کرشنا مورتی نے رقص پیش کیا ۔

آندھرا پردیش اسمال اسکیل انڈسٹریز ڈیویلپمنٹ کارپوریشن : کارپوریشن کی مجلس نظماء کے
پہلے اجلاس کا افتتاح چیف منسٹر نے ۲۲ - ستمبر سنہ ۱۹۶۱ء کو کیا -

منڈی کے راستے (سابقہ حالت) مضمون صفحہ (۱۱۸)

NOW

SURFACED ROADS — HIS BOON
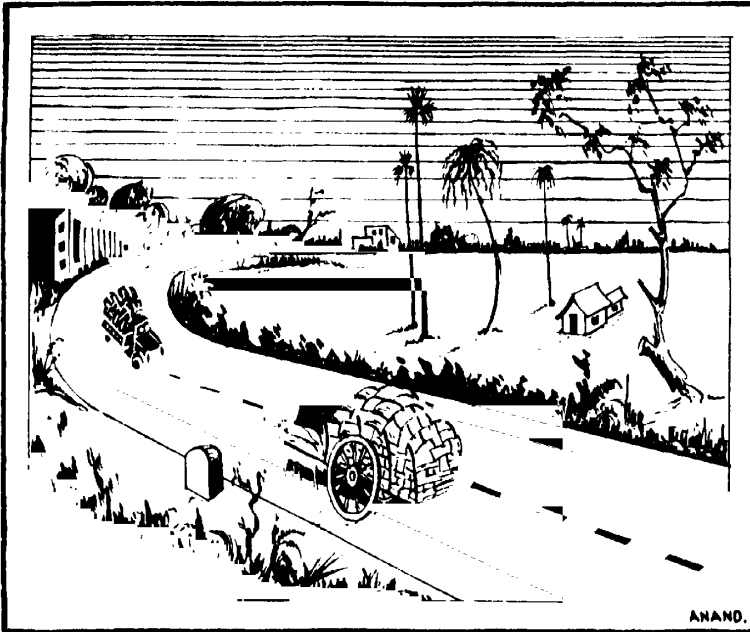
منڈی کے راستے (موجودہ حالت) ترقی اور سہولت

UNBRIDGED CROSSINGS — NATURAL BARRIERS FOR MOVEMENT OF MEN *and* MATERIALS

پل (سابقہ حالت)　　　مضمون صفحہ (۱۱۸)
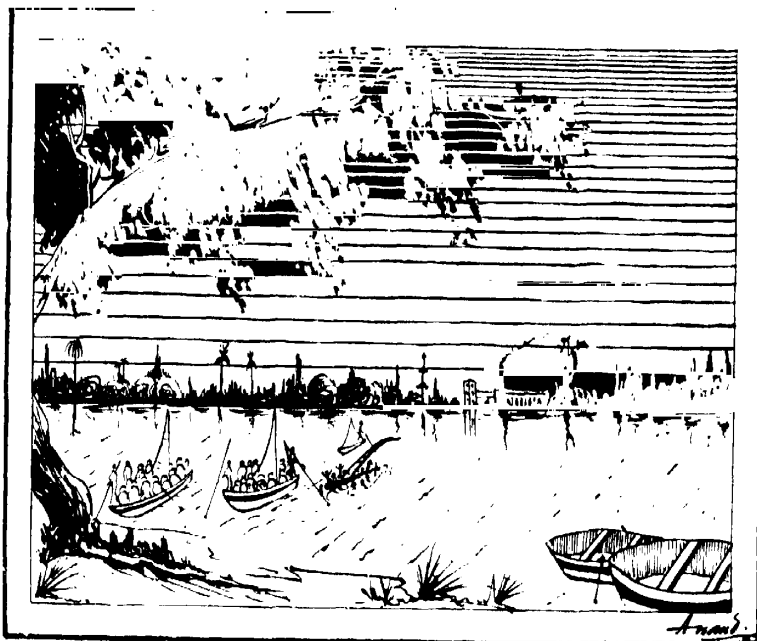
NOW

BRIDGES—THE LINKS THAT ESTABLISH CONTACTS
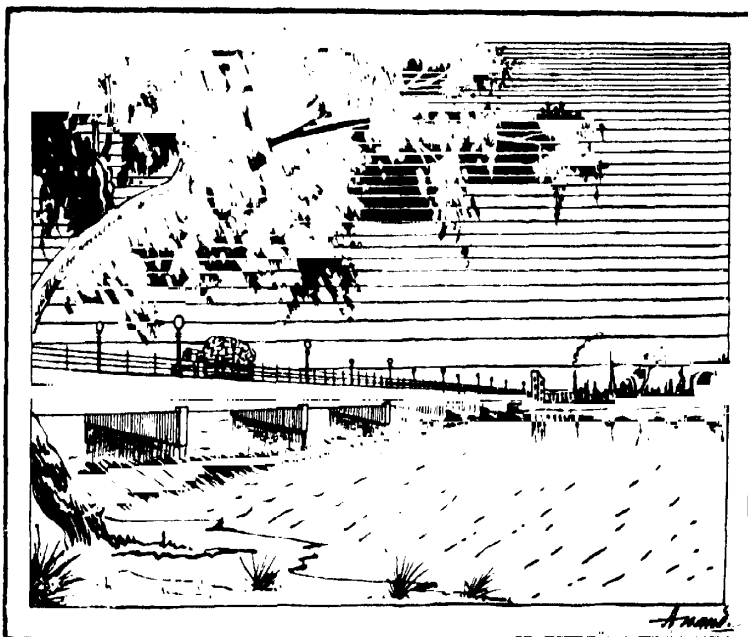
پل (موجودہ ترقی اور سہولتیں)　　　مضمون صفحہ (۱۱۸)

واجدہ تبسم

★

"چھٹ در چھٹ"

ساری گڑبڑ شاہد میاں نے پیدا کی ـــــــ

بیٹھے بٹھائے حوض میں تیرتے ہوئے پھول پر لپک پڑے اور بیچاری چاند کو مجبور کیا کہ کسی بھی طرح وہ پھول لادے جو ہوا کے ہلکوروں کے ساتھ لچکتا لچکاتا ان کے شوق کو اور تیز کر رہا تھا ـــــ چاند نے کنارے بیٹھے ہی بیٹھے ہاتھ لمبا کیا مگر پھول بجائے ہاتھ میں آنے کے ہوا کے ایک جھونکے کے ساتھ اور دُور ہو گیا اور چاند نے جو ذرا جسم آگے جُھکایا تو دھڑام سے حوض کے اندر ـــــ!

چھوٹے نواب اپنی بھونڈی آواز سے کوئی عاشقانہ شعر گُنگُناتے ہوئے ڈیوڑھی ہی میں داخل ہو رہے تھے۔ ایک بار یُونہی نظر اُٹھا کر دیکھا اور بس دیکھتے ہی رہ گئے ـــــ چاند اپنے بالوں کا پانی نچوڑتی ہوئی کھڑی تھی۔ لباس سارے کا سارا پانی میں بھیگ کر بدن سے چپک کر رہ گیا تھا اور جسم کی ہر اُونچائی نیچائی یُوں واضح ہو رہی تھی کہ بس !! کالے کالے بالوں کی لٹیں گورے گورے گالوں پر جم گئی تھیں، سانس اتھل پتھل ہو گئی تھی۔ ایسے میں چھوٹے نواب کی آواز سُن کر اس نے سر اُونچا کیا اور دوسرے ہی لمحے بوکھلا کر سرپٹ اندر بھاگی ـــــ جلدی میں ڈوپٹہ بھی وہیں چھوڑ گئی

چھوٹے نواب کے ہاتھ سے کبوتر اُڑ گیا ـــــ روایتی پرندہ نہیں، بلکہ سچ مچ کا کبوتر، جس کے پیروں سے محبت بھرا پیغام باندھ کر وہ سطوت جہاں کی حویلی پر اُڑانے والے تھے ـــــ!

ڈیوڑھی کے چھوٹے دروازے میں داخل ہوتے ہوتے چاند نے یُونہی پلٹ کر دیکھا ـــــ پانی سے بھیگا ہوا وہ گُداز اور لچکدار جسم، جسم سے چپکا ہوا وہ تنگ تنگ لباس ـــــ لباس سے ٹپکتی ہوئی وہ بُوندیں اور پھر اس کا وہ گھبرایا اور شرمایا شرمایا چہرہ !! جس پر گھبراہٹ اور شرم سے گہری گہری لالیاں دَوڑ گئی تھیں۔ چھوٹے نواب اسی لمحہ چاند پر مَر مِٹے ـــــ

"بُوا کہانی سُنا ـــــ"

شاہد میاں حسبِ معمُول رات کو بستر پر جاتے ہی بولے ـــــ امیروں کے چونچلے بھی خُوب ہوتے ہیں، شاہد میاں جن کی عمر مشکل سے چھ سات برس رہی ہوگی، اُصولوں کے اتنے پابند تھے کہ رات کو جب تک کہانی نہ سُن لیتے، اُنہیں نیند نہ آتی ـــــ حسبِ معمول چاند نے وہی پُرانی کہانی شروع کی ـــــ

"ایک تھی غریب لڑکی ـــــ ماں باپ کوئی نہ تھا بےچاری کے ـــــ ایک دن بھیک مانگتی مانگتی وہ ایک ڈیوڑھی پر آنکلی اور نواب صاحب نے رحم کھا کر اُسے اپنے پاس رکھ لیا ـــــ"

"کتنی بڑی تھی وہ ـــــ"، شاہد میاں پُوچھ رہے تھے ـــــ

"بس یہی ہوگی تمہاری عمر کی ـــــ چھ سات برس کی ـــــ محل میں وہ بڑے آرام سے رہ رہی تھی، آخرکار وہ بڑی ہو گئی ـــــ نواب صاحب اور ان کی بیگم بڑے آرام سے رکھتے تھے اُسے ـــــ مگر آخرکار جب وہ بڑی ہو گئی تو انہوں نے سوچا کہ اس کی شادی کر دیں مگر مشکل یہ تھی کہ اس کے لائق کوئی لڑکا ہی نظر میں نہ جچتا تھا کیونکہ وہ

ایک بہت ہی حسین اور بڑی پیاری لڑکی تھی اور کہنے کو تو وہ ایک مزدور کی بیٹی تھی۔ خدا نے اسے اتنی پیاری شکل دی تھی کہ جو دیکھتا بس دیکھتا ہی رہ جاتا" چاند نے شاہد میاں کے پلنگ سے لگے آئینے میں اپنی شکل دیکھی، پھر کچھ رُک کر بولی ـــــ

"یوں تو وہ بھکارن تھی مگر دیکھنے میں شہزادی سی لگتی۔ اس کے حُسن اور نزاکت کی وجہ سے کئی لوگ اس سے شادی کی خواہش رکھتے تھے۔ نواب صاحب بے چارے خود پریشان تھے کہ کس سے اسکی شادی کریں ـــ"

خُو ـــ خُر ـــ خُر ـــ شاہد میاں خراٹے لیتے رہے

چاند نے سینے تک دُلائی کھینچ دی اور خود آئینے میں اپنی شکل دیکھنے لگی ـــ صبح کا واقعہ اس کی آنکھوں میں گھوم گیا ـــ اور اس کی سانس یُوں پھُولنے لگی گویا وہ ابھی ابھی حوض میں سے گِر کر نکلی ہو ـــ وہ اکدم اسکا حوض میں گِر جانا ـــ چھوٹے نواب کا اچانک غیر متوقع طور پر آجانا ـــ اس کا جلدی سے دوپٹہ چھوڑ کر بھاگ آنا ـــ چھوٹے نواب کے ہاتھ سے کبوتر کا اُڑ جانا اور پھر اس کا مڑ کر دیکھنا ـــ وہ منظر کہ چھوٹے نواب کا ہاتھ کبوتر کے اُڑ جانے سے یُونہی پھیلا رہ گیا ہے اور وہ اُسے یُوں دم بخود گھُور رہے ہیں کہ پلک تک جھپکانے کی سُدھ نہیں رہ گئی ہے ـــ اُس نے دل ہی دل میں شاہد میاں کو ہزاروں گالیاں دے ڈالیں ـــ نہ وہ مردانے میں چلنے کی ضد کرتے نہ یہ سب ہوتا ـــ" قصور تو مگر میرا ہی ہے ـ میں گئی ہی کیوں؟" وہ گھبرا گئی۔ وحشت سے اس نے ادھر اُدھر آنکھیں گھمائیں۔

"میرے مولیٰ ـــ" اسے ایسا لگا جیسے چھوٹے نواب اُسے اب تک گھُور رہے ہیں۔ اس نے اپنا دُوپٹہ مُنہ پر تانا اور وہیں شاہد میاں کی پائنتی لیٹ گئی ـــ

چھوٹے میاں کی ٹکٹکی جو ٹوٹی تو انہیں خیال آیا کہ ان کے ہاتھوں میں کبوتر تھا جو ہاتھ سے چھُوٹ کر مُنڈیر پر جا بیٹھا ہے ـــ سطوت جہاں کے نام جو محبت نامہ لکھا تھا اسے توڑ مروڑ کر وہیں پھینک دیا اور بڑے بڑے قدم اُٹھاتے اپنے کمرے میں جا پڑے ـــ

چھوٹے نواب اپنی جنرل نالیج کے لئے پُورے محل میں مشہور تھے۔ چمپا کو کتنے مہینے کا حمل ہے۔ صنوبر کا حمل کونسی دائی نے گرایا۔ قدرانت جنگ ہر تیسری رات کو اپنے کمرے میں کیوں نہیں سوتے ابا جان نے کونسی نئی چھوکری نوکر رکھی ہے۔ مالن بی کو نوکری سے کیوں الگ کر دیا گیا ہے۔ روشن بی نے کونسا گرم جوشاندہ پیا تھا کہ چُپ چاپ تیسری ہی خوراک میں ان کا پیٹ گر گیا تھا۔ اماں جان نے زنانے کو مردانے سے ملحق کیوں نہیں رکھا۔ یہ سب باتیں ایسی تھیں جن کا علم کسی کو ہو نہ ہو چھوٹے نواب کو ضرور ہو جاتا۔ مگر آج انہیں معلوم ہوا کہ وہ اب تک اندھیرے میں رہے ہیں کہ ڈیوڑھی میں ایسا چاند چُھپا چُھپا چمک رہا ہے اور اس کی ٹھنڈی کرنوں سے مستفید نہ ہوتے ہوں ـــ

"بہت تمہارے کی" ـــ انہوں نے خود کو گالی دی۔ کروٹیں بدل بدل کر جب وہ بہت ہی پریشان ہو گئے تو انہیں چمپا یاد آئی۔

وہ چھوکری کون ہے جو حوض پر کھڑی تھی صبح۔ انہوں نے بہت ہی بے تعلقی سے پُوچھنا چاہا۔ مگر چمپا سے ان کی دل کی لگن چھُپی نہ رہ سکی۔ وہ بھی تو ایک ہی مویشی خانہ کی داروغہ تھی معلوم تھا کونسا جانور کونسا چارہ کھاتا ہے ـــ

ٹال کر بولی ـــ

"اے میں کیا جانوں ہوگی کوئی" ـــ

"ہوگی کیا معنی"! وہ گرجے "تو زنانے میں نہیں رہتی؟" ـــ

"اے حضور زنانے میں تو ہزاروں ہی پڑے ہیں مجھے کیا معلوم حُضور کس کو پُوچھتے ہیں؟"۔

چھوٹے نواب ٹھنڈے پڑے "ارے وہی جس کے لمبے لمبے بال گورا گورا رنگ ہے۔ ارے بھئی کیا پہچان بتاؤں تمہیں، یہ سمجھ لے پھلوارن جو پھُول لاتی ہیں نا گُلاب کے انہیں میں کا ایک پھُول سمجھ لے"

چمپا جل بھُن کر بولی ـــ

"اے میاں وہی بھکارن چھوکریا ہے' بڑے حُضور نے جسے دس برس پہلے پال لیا تھا' سُنتے ہیں کسی غریب مزدور کی بیٹی تھی' پتہ نہیں ماں باپ کدھر مر کھپ گئے تھے' بھیک مانگتی مانگتی ڈیوڑھی پر آئی تھی صُورت اچھی تھی' کم عُمر تھی حضور کو ترس آگیا۔ بس رکھ لیا۔ حُضور کی عُمر دراز ہو بڑا نرم دل ہے حُضور کا" ـــ وہ ایکدم بڑے حُضور کو دُعائیں دینے پر تُل گئی۔

"دس برس"، چھوٹے نواب کی آنکھیں پھیل گئیں" مگر ان دس برسوں میں وہ ہمیں تو کہیں نظر نہیں آئی" ـــ

"بلّی کے مُنہ میں چھچھڑے دے کے پھر کھینچنا آسان بات نہیں۔

چمپا جھلا کر بولی ـــــــ

"حضور نے خیال نہ کیا ہوگا چھپّن دفعہ تو دُلہن شہزادی نے اسکے ہاتھ سے حضور کے لئے پان بھیجے ہوں گے۔ ساری ڈیوڑھی میں تو بھاگی بھاگی پھرتی تھی۔ اب ادھر تین برس سے اماں جان نے مردانے میں اس کا آنا جانا موقوف کروادیا ہے"! اور چمپا معنی خیز ہنسی ہنسکر چُپ ہوگئی ـــــــ

"اچھا تو یہ وہی چاند ہے"۔ چھوٹے نواب نے دس برس قبل کی چھوٹی سی چاند کو اپنی آنکھوں میں لا بٹھایا ـــــــ

چمپا اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتی تھی۔ اچھا تو وہی چاند ہے وہی چاند ہے تو اب اس میں کون سے سُرخاب کے پَر لگ گئے ہیں حرامزادی اماں جان کے دل پر خوب چڑھی ہوئی ہے۔ کوئی بھی تو خوبی نہیں۔ بس اتنی بات ضرور ہے کہ محل کی دوسری چھوکریوں کی طرح کدکڑے نہیں لگاتی پھرتی مَردوں کو اپنی چھب نہیں دکھاتی"۔

چھوٹے نواب نے یُونہی بے خیالی میں چمپا کو دیکھا مگر دراصل وہ چمپا کو نہیں دیکھ رہے تھے۔

"چھوٹی صاحبزادی کے وقت بھی اتنے بَر نہ ڈھونڈے ہوں گے حضور نے۔ نہ جانے رانڈ کے پاس کیا جادُو ہے"

چھوٹے نواب کی آنکھیں تو چمپا کو ہی دیکھ رہی تھیں مگر چمپا کے پیکر میں چاند مُسکرا رہی تھی۔ چمپا نے انہیں بے ہوش دیکھ کر آخری چُرکا دیا۔

"سینکڑوں بَر پلٹائے گئے اب کہیں جاکر اس کی بات پکّی ہوئی ہے"۔

"تو اس کی شادی ہو رہی ہے کیا"؟ چھوٹے نواب بڑبڑا کر بولے ـــــــ

"اور کیا عُود دان میں ڈال کر دھونی لیں گے اس کی"؟ چمپا سٹر سٹر کرتی چلی گئی تب بھی چھوٹے نواب کو یقین نہ آیا کہ چودھویں کا چاند اتنی جلد غرُوب ہوسکتا ہے۔ بادلوں میں چھُپ جانا اور بات ہے۔ اور ایکدم ڈُوب جانا۔ چھوٹے نواب تو یہ جانتے تھے کہ چاند کو بڑھنے میں اگر پندرہ دن لگتے ہیں تو گھٹنے میں بھی اتنے ہی دن لگیں گے۔

"بُوا کہانی سُنا"۔ شاہد میاں نے حسبِ معمُول بستر پر جاتے ہی فرمائش کی۔

حسبِ معمُول چاند نے وہی اپنی پُرانی کہانی شرُوع کی۔ جو وہ کئی دنوں سے سُناتی چلی آرہی تھی۔ چاند کو اس ادھُوری کہانی کے سوا اور کوئی کہانی یاد نہ تھی۔ چڑیا چڑے، راجہ رانی، طوطا مینا کی کہانیاں نہ اسے سُنائی گئیں، نہ یاد کرائی گئیں اس لئے وہ روزانہ اپنی ہی کہانی سُنائے جاتی جو اس نے ڈیوڑھی میں اپنے بارے میں سُن رکھی تھی۔ شاہد میاں ایسے بانگڑُو تھے کبھی یہ نہ کہا کہ بُوا روز روز ایک ہی کہانی سُناتی ہے۔

"ایک تھی لڑکی۔ غریب مزدُور کی لڑکی تھی بیچاری اسلئے ....."

شاہد میاں اُونگھ رہے تھے۔

"نواب صاحب بیچارے بھی سوچتے کہ کس سے اس کی شادی کریں"۔

خر خر خر خر .... شاہد میاں سو گئے تھے۔ چاند نے سینے تک دلائی کھینچ دی تھی۔

روزانہ اسی مقام پر آکر شاہد میاں کی آنکھ لگ جاتی ہے اور میری کہانی ہے بھی تو اتنی ہی۔ اگر ایک آدھ دِن ان کی آنکھ نہ لگے اور وہ پُوری کہانی سُننے پر تُل ہی جائیں تو اس کہانی کا انجام کیا کروں گی میں؟"

چھوٹے نواب کی راتوں کی نیند حرام ہوگئی۔ دن کا چین تو خیر اُڑ گیا تھا۔ چاند کے بارے میں انہیں پتہ چلا کہ ہے تو غریب کی بیٹی مگر غیرت کو یُوں لئے لئے پھرتی ہے کہ جیسے نازک آبگینہ ہو، دھکّا لگا اور گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہوا۔ چھوٹے نواب کا خیال تھا کہ غریبوں کی عزّت کوئی چیز نہیں ہوتی۔ اور یہ بھی کہ کم از کم ان کا کھا کر ان سے تو نمک حرامی نہ کرے کہ اپنے آپ کو چھُپاتی پھرے پھر چاند کے بارے میں تو انہوں نے یہ سُنا کہ پُٹھے پر ہاتھ نہیں دھرنے دیتی۔ یُوں سنبھل کر قدم اُٹھاتی ہے گویا کانچ کے محل میں چل پھر رہی ہو کہ ذرا زور سے پاؤں پڑا اور یہ محل ٹُوٹا۔ یہی وجہ ہے کہ اپنی پارسائی اور نیک نامی کی وجہ اماں حضور اور ابّا حضور کے دلوں پر چڑھی ہوئی ہے جہاں محل کی اور دوسری چھوکریاں معاشقے لڑاتی پھرتی ہیں۔ چاند کا یہ حال ہے کہ کسی مرد کی صُورت دیکھتے ہی ایسی حواس باختہ ہوتی ہے کہ پسینہ چھُوٹ جاتا ہے اور پھر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ہے کہ گھبرائے گی ضرور مگر ہمت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑے گی چھوٹے نواب کو اس سلسلہ میں یہ بھی پتہ چلا کہ اصطبل کے داروغہ نے ایکبار اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا تو چاند نے اس زور سے کاٹا تھا کہ مُنہ میں گوشت کا لُوتھڑا آگیا تھا۔

پھر یہ سونے کی چڑیا ہتھے کیسے چڑھے وہ کسمسائے مگر پھر بھی اپنے چچا کے بھتیجے نہیں اگر چاند کی ناک نہ گھسوا لی اپنے آگے —
اس دن کے بعد سے چھوٹے نواب کو ایک بار بھی تو چاند کی جھلک نہ دکھائی دی۔ انہیں آ جا کر سارا غصہ شاہد میاں پر ہی آتا تھا۔

"آخر یہ حرامی پلا ضد کیوں نہیں کرتا کہ مجھے باہر والے حوض پر لے چل" اور چاند کی شادی کی خبر سُن کر تو گویا دل پر سانپ ہی لوٹ گئے ——

"کس کا چاند —— اور چاندنی کس کے نصیبوں میں آئی" — ؟
انہوں نے اپنے لمبے چوڑے وجود کو دیکھا۔ ہائے ہائے چاند کا پھول ایسا جسم اور تڑپ کر رہ جائے ——

زنانے میں جانا قیامتِ صغرا سے تو کم نہ تھا۔ یہ بھی ایک عجیب مُصیبت تھی۔ اماں جان نے جو قاعدہ بنا رکھا تھا اس سے کوئی ایک اُنگل بھی اِدھر اُدھر نہ ہٹ سکتا تھا۔ قیامتِ صغرا چھوڑ قیامتِ کُبریٰ ہی کیوں نہ آ جائے مگر اب تو جانا ضرور تھا۔ پریشان حال، پریشان صُورت۔ بال بکھرائے ایکدم چک اُٹھائے ہوئے داخل — ! اماں جان الگ بدحواس پُوچھنے کی مُہلت نہ ملی کہ اے میاں یہ دِن دھاڑے زنانے میں کیوں گھُس آئے؟ ——

"میں نے سُنا ہے کہ آپ نے چاند کی بات پکّی کر لی ہے" — ؟؟
اماں جان بُوکھلائی ہوئی تھیں کیا جواب دیتیں ——
"مجھے تو آج پتہ چلا کہ کمبخت پرلے درجہ کا شرابی، آوارہ، تین تین عورتیں گھر گھُسا رکھی ہیں۔ چاند یتیم ہے، بے آسرا ہے، بیکس ہے، لاوارث ہے تو آپ پر اس کا یہی حق ہے کہ جان بُوجھ کر کوئیں میں ڈال دیں، ویسے اگر کنوئیں میں ڈالنا ہی ہوتا تو چنداں مُضائقہ نہ تھا مگر ..... اور ان کی آواز ان کے گلے میں گھُٹ کر رہ گئی ——

اماں جان پر آج اپنے بیٹے کی غربا پروری اور نرم دلی کی حقیقت کھُلی "یالی نوازیوں، باندی بندوڑیوں پر کیسے جی کڑھا رہا ہے میرا بچّہ"۔ شرمسار ہو کر آنکھیں جُھکا لینے کے سوا اور چارہ ہی کیا تھا ویسے یہ جھُوٹ مُوٹ ہی یہ پُوچھ بیٹھتیں کہ کس کے بارے میں کہہ رہا ہے تو جناب کو دُم دباتے ہی بن پڑتی مگر چھوٹے نواب کی صُورت پر وہی غم چھایا ہوا تھا جو کسی عزیز کی میّت کو کاندھا دینے کے بعد ہی پیدا ہو سکتا ہے ——

چاند پیک دان اُٹھائے چلی آ رہی تھی۔ نگاہیں اُٹھا کر ہی دیکھا تو سامنے ہی چھوٹے نواب یُوں پریشان حال اور غمزدہ صُورت بنائے بیٹھے تھے گویا چمپا کی موت کی خبر لے کر آئے ہوں۔ (چھوٹے نواب کو چمپا سے دیوانگی کی حد تک عشق تھا، ڈیوڑھی میں یہ بات بالکل عام تھی)
اماں جان نے محبت والی نظر سے چاند کو دیکھا اور چٹ چٹ بلائیں توڑیں۔
"ہے ہے میری بچّی کا نصیبہ ہی پھُوٹ گیا تھا۔ سمجھو وہ تو چھوٹے نواب ہوتے نہ بھدرہ پھُوٹتا" ——
چھوٹے نواب نے حیران ہو کر اماں جان کو دیکھا چاند کی اس طرح محبت کر رہی تھیں کہ کبھی گُل بانو کی بھی نہ کی ہو گی۔ چاند نے کچھ نہ سمجھ کر چھوٹے نواب کو دیکھا، ان کی آنکھوں میں وہی چمک اور وحشت نظر آئی۔ ایکدم بُوکھلا کر اُس نے خود کو دیکھا ——
"ڈوپٹہ میں اوڑھے ہوں، پھر یہ کیوں مجھے ایسی ایسی کوری نگاہوں سے تاک رہے ہیں" —— ؟؟
اُس رات چاند کو کہانی سُنانا بھی نہ سُوجھا بار بار رُک جاتی اور شاہد میاں اسے ٹھیلتے "ہاں آگے کیا ہوا؟" وہ بار بار چونک کر اپنے آپ کو دیکھتی۔ پانی سے بھیگا ہوا جسم، جسم سے چپکے ہوئے کپڑے کپڑوں سے ٹپکتی ہوئی بُوندیں۔ ڈوپٹہ حوض پر پڑا ہوا اور ایکدم، چھوٹے نواب کے ہاتھوں سے کبوتر اُڑ گیا ——
سطوتِ جہاں کے پاس سے جو کبوتر آیا تو چھوٹے نواب نے اس کی گردن مروڑ دی، اتنے دنوں کی پیغام رسانی کا اسے یہی صلہ ملنے والا تھا۔ محبت نامہ پڑا ہوا کے جھونکوں سے کانپتا رہا اور چھوٹے نواب غصہ میں ہاتھ ملتے رہے۔ چاند ایک جھلک دکھا کر چھُپ گئی تھی اور یہ اندھیرا ان سے برداشت نہیں ہو رہا تھا — اندھیرا دُور ہو تو کیسے؟ ذہن نئی نئی ترکیبیں لڑاتا مگر کچھ بس نہ چلتا۔ مگر تھے کس چچا کے بھتیجے؟ سلامت جنگ کے! جو کسی نے کہا ہے کہ گُلاب کے نیچے کی مٹی بھی خوشبو دار ہوتی ہے تو مٹی چھوڑ یہ تو خود ہی گلاب کا اپنا ایک حصہ تھے، سلامت جنگ نے کیا کیا عشق نہ کئے تھے۔ بھتیجے میں کچھ نہ کچھ تو خُو بُو آنی ہی چاہیئے تھی چچا کی ——
اس دن کا زنانے میں جانا ایسا مبارک لگا تھا کہ اماں جان کی ساری کی ساری پابندی دَھری کی دَھری ہی رہ گئی اور چھوٹے نواب

آندھرا پردیش

کھلے بندوں آنے جانے لگے، کہاں تو اماں جان کا وہ کڑک دار آواز سے چلّانا کہ زنانے میں کسی مردوئے نے قدم دھرا تو پاؤں کٹوا کر جلتے تیل میں ڈلوادوں گی اور اب کہاں یہ دن کہ چک اُٹھائی اور گھم سے اماں جان کے کمرے میں اور اماں جان کو شک بھی کیوں ہوتا سیدھے ان ہی کے کمرے میں تو آتے تھے وہ، کسی سے چھیڑ چھاڑ کی بات سُننے میں نہ آتی نہ کسی کو بڑی بڑی نظروں سے گھُورنے کی۔ یہ ضرور ہے کہ چھوٹے نواب کے کرتُوت ان سے چُھپے نہ تھے اگر چُھپے ہی ہوتے تو دُلہن شہزادی اپنی جان کو روتی اپنے جال دار کمرے میں اکیلی پڑی ایک بیٹے کے واسطے ترسا اور تڑپا نہ کرتیں اور ادھر چمپا صنوبر کے حمل نہ گرائے جاتے۔ دُلہن شہزادی کو بانجھ قرار دیا گیا اور وہ ایک چاند سا بچہ جُھلانے کی آرزو ہی کرتی رہتی تھیں۔ مگر اس وقت اماں جان کو شک کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہ تھی انہوں نے چھوٹے نواب کی آنکھوں میں وہ تڑپ اور بے چینی دیکھ لی تھی جو چاند کے سُکھ دُکھ سے متعلق تھی اور وہ اس دن تو خود پر نازاں ہو گئی تھیں جب چھوٹے نواب کی آنکھوں میں چاند کے پیام کی بات کرتے کرتے آنسُو چھلک آئے تھے کہ میری کُوکھ سے بھی کیسے بیٹے نے جنم لیا ہے۔

ہاں اِدھر اُدھر لڑکیوں بالیوں میں بہت چہ میگوئیاں تھیں سبھی کو یہ بات کھل رہی تھی کہ اماں جان نے آخر سب کو چھوڑ چھاڑ کر صرف بڑے بھائی پر سے ہی یہ پابندی کیوں ہٹالی۔ اماں جان کی آنکھیں بوڑھی ہونے سے دھندلا گئیں ہوں اور وہ دیکھ نہ سکی ہوں یہ بات اور ہے مگر دیکھنے والی آنکھیں سات پردوں کو چیر کر دُور کی خبر لاتی ہیں۔ چاند تو چھوٹے نواب کی دہشت زدہ آنکھوں سے ایسی خائف تھی کہ ایکبار گھبراہٹ میں شیشے کا وہ پیکدان ہی توڑ بیٹھی جسے بڑے حُضور دلی سے لائے تھے اور جس میں آئینہ لگا ہوا تھا کہ تھوک بھی دو اور صُورت بھی دیکھ لو چھوٹے موٹے چینی اور کانچ کے برتنوں کا ذکر کیا روزانہ شہید ہو رہے تھے۔ آنکھیں تو وہ بھی رکھتی تھی، کچھ بُوجھ بھی اچھی خاصی تھی اور پھر یہ تو وہ بھی دیکھتی تھی کہ چمپا اور صنوبر سارے زنانے میں کیوں ہدیۂ ملامت بنی ہوئی تھیں، مالن بی کیوں بلا الزام نوکری سے ہٹادی گئی تھیں اور یہ سارے کرتوت انہی چھوٹے نواب کے نہیں تو اور کس کے تھے ——؟؟

ایک ہاتھ سے بال برابر کرتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے چک اُٹھا کر اندر داخل ہوئے تو سامنے ہی چاند اماں جان کے بستر کی شکنیں صاف کر رہی تھی۔ بے تعلق سے بولے ——

"اماں جان کہاں ہیں؟"

چاند نے پلٹ کر دیکھا۔ چہرہ ایکدم سفید پڑ گیا۔ گھبرا کر اٹکتے اٹکتے بولی ——

"وہ ..... وہ بازو والے کمرے میں کپڑے بدل رہی ہیں"

چھوٹے نواب کو وہ جھنجھنے یاد آگئے جو وہ چمپا کے بچے کے لئے خرید کر لائے تھے اور جنہیں چمپا کا بچہ اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے اُلٹ پُلٹ کرتا۔ تو اس طرح اٹکتے اٹکتے جھن جھنلایا کرتے تھے۔ چھوٹے نواب بھی اس لمحہ ایک بچہ بن گئے ان کا دل چاہا پھر سے اس جھنجھنے کی جھنکار سُنیں ... بات چلانے کو بولے "تم اتنا کام کیوں کرتی ہو چاند" ——

چاند ہنس پڑی (چھوٹے نواب کو وہ چاندی کا جھنجھنا یاد آیا جو شاہد میاں اب سے تین برس پہلے بجاتے پھرتے تھے) مگر دوسرے لمحے ہی سہم سی گئی ——

"کام کیا کرتی ہوں میں۔ اماں حضور تو مجھے کرنے ہی نہیں دیتیں مجھے تو بیٹی بنالیا ہے انہوں نے" ——

"اماں حضور کرنے ہی نہیں دیتیں، میری سُنیں تب ناخود تیرے پاؤں میں تو چکر ہے بیٹھنا تو جانتی ہی نہیں"۔ اماں جان چک اُٹھا کر اندر داخل ہو چکی تھیں ——

چھوٹے نواب بوکھلا کر مڑے "اماں حضور" وہ جلدی جلدی بول گئے "میں آج اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ آپ سے کچھ کہہ سکوں یعنی چاند کے بارے میں کچھ کہہ سکوں" ——

"نہیں بیٹا نہیں میں اسے پسند نہیں کرتی، تمہارے ابا خود اسے ناپسند کر چکے ہیں میری چاند اُوپر کی نہیں آئی کچھ، اللہ کے ہاں بھی جواب دینا ہوگا کہ کسی یتیم کو پالا تھا تو اس کے ساتھ کیا برابری کی" —— ؟

وہ سمجھی تھیں کہ چاند کے بارے میں یہی کچھ کہا جائے گا مگر چھوٹے نواب ہنس پڑے "نہیں اماں حضور! وہ بھلا چاند کے لائق کیا ہوگا اس وقت لیکن میں اس بارے میں نہیں کہہ رہا تھا میں یہ کہہ رہا تھا کہ چاند کیلئے آپ اتنی پریشان ہو رہی ہیں لیکن اصل وجہ تو آپ کو معلوم ہی نہیں" ——

اماں جان نے لاعلمی سے مُنہ تکنا شروع کیا۔

"میرا مطلب یہ تھا کہ چاند حسین تو ہے پیسہ بھی آپ کی وجہ بہت مِل جائے گا بغدادی قاعدہ اور قرآن تو پڑھتی ہی ہوگی۔ انگریزی تھوڑی بہت پڑھا دی جائے تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ آپ کو بَر کے لئے اتنا پریشان

آندھرا پردیش

نہیں ہونا پڑے گا۔ آپ کو معلوم نہیں آجکل انگریزی کی کتنی قدر ہے"ـــــ

"مگر پڑھائے گا کون ؟" اماں جان ایکدم پوچھ بیٹھیں۔ کوئی غیر مرد آکر پڑھائے یہ خیال ہی جان لیوا تھا ـــــ

چھوٹے نواب نے ہنس کر سر جھکا لیا "جہاں آپ نے چاند کو اپنی بیٹی کی طرح پالا کہ لوگ گل بانو اور چاند میں فرق تک محسوس نہیں کرتے وہاں کیا میرا اتنا فرض نہیں کہ اسے تھوڑا بہت ہی پڑھا دوں' بچاری کی زندگی ہی سنور جائے گی اس سے خوشی کی بڑی بات اور کیا ہو سکتی ہے"ـــــ؟

اماں جان نے ایک لمبا سانس لیا اور چاند نے گھبرا کر دیکھا کہ چھوٹے نواب کی آنکھیں بُری طرح چمک رہی ہیں ـــــ

"اے۔ بی۔ سی۔ ڈی "ـــــ

چھوٹے نواب نے اپنے ہاتھ سے چاند کی انگلیوں میں قلم تھمایا اور چاند سر تاپا کانپ کر رہ گئی ـــــ

"آپ زمین پر رکھ دیجئے' میں اٹھا لوں گی "ـــــ

چھوٹے نواب نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا اور آگے پڑھانے لگے "سی سے کیٹ" (c سے Cat)

ایکدم چاند بول اٹھی "مگر مجھے انگریزی نہیں پڑھنا ہے' کیا کروں گی میں پڑھ کر "ـــــ

"چاند کو چاند جیسا دولہا ملے گا" چھوٹے نواب نے انگلی اس کے گال سے چھوا دی ـــــ

چاند بجلی کی سی تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی' چھوٹے نواب بے تعلق سے پڑھانے پر تلے ہوئے تھے ـــــ

ایم سے مون ... مون کے معنی جانتی ہو چاند تم چاند جیسی مون ہو"ـــــ

چاند خاموش ہی رہی ـــــ

"بیٹھ جاؤ "ـــــ

چاند انہیں گھورتی ہی رہی' چھوٹے نواب ہنس پڑے "اوہ غلطی میری ہی ہے' پوری تختی تو یاد ہی نہیں ہوئی تمہیں آگے ہی پڑھانا شروع کر دیا۔

"ارے تم کھڑی ہی ہو۔ میں اماں حضور سے کہدوں گا پڑھتی ہی نہیں بھاگ بھاگ جاتی ہے "ـــــ

چاند بیٹھ گئی "اے۔ بی۔ سی۔ ڈی" نظریں جھکا کر وہ پڑھنے لگی مگر ہر بار حروف اس کی آنکھوں کے آگے سے پھسل پڑتے۔

"مجھے یاد نہیں ہو رہا ہے' میں اماں جان سے کہہ دوں گی میں پڑھ نہیں سکتی !"ـــــ اور وہ ایکدم اٹھ کھڑی ہوئی اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ چھوٹے نواب اسے ایک لمحہ تک دیکھتے رہے پھر لپک کر اس کا ہاتھ تھام لیا "چاند" وہ اور کچھ نہ کہہ سکے۔

چاند کو ان کی آنکھوں میں ایسی وحشت نظر آئی کہ اس کے سامنے ایک ننھا سا بچہ ہی تو کھیلنے لگا وہ سلگ اٹھی ـــــ

"میں غریب ہوں تو کیا اس کا یہی مطلب ہے کہ آپ پڑھانے کے بہانے تنہا کمرے میں لا کر میرا ہاتھ پکڑ لیں"! اور اس نے ہاتھ چھڑانے کی ناکام کوشش کی۔

چھوٹے نواب ایک لمحہ کے لئے بوکھلا سے گئے مگر سنبھل کر بولے "غریبی کا اور مطلب ہی کیا ہے بڑی پارسا بنی پھرتی ہے اب بتاؤں گا پارسائی کیا ہوتی ہے"ـــــ

"اور میں بھی بتاؤں گی غریبی کا کیا مطلب ہوتا ہے' ہاتھ چھوڑ دو میرا" وہ پورے اعتماد سے بولی۔

چھوٹے نواب نے پوری مضبوطی سے ہاتھ پکڑ لیا۔

"چھوڑ دے کمبخت میرا ہاتھ" اور چاند نے پاس پڑی ہوئی تختی پوری طاقت سے نواب کے سر کھینچ ماری ـــــ

چھوٹے نواب نے سی کی آواز نکالی اور دوسرے لمحے چاند کمرے سے باہر تھی۔

"کہو بیٹا! چاند نے کچھ یاد بھی کیا ؟" اماں جان خوشی خوشی چھوٹے نواب سے پوچھ رہی تھیں۔

"بہت تیز ہے ماشاء اللہ، اتنی کم مدت میں بہت کچھ سیکھ گئی ہے" چھوٹے نواب نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "مگر ایک بات ہے اماں حضور، یہ پڑھتے پڑھتے دروازے کی طرف دیکھتی رہتی ہے۔ ہر آنے جانے والے پر نگاہ ڈالتی رہتی ہے۔ اس سے پڑھائی کا بہت نقصان ہوتا ہے"ـــــ

اماں جان ہنس پڑیں "اے ہے تو دروازہ بند کر لیا کرو، دروازہ ہی بند رہے گا تو کیا خاک دیکھے گی" اور انہوں نے پلٹ کر چاند کی طرف دیکھا جو اس ہدایت کو سن کر برف ہو گئی تھی۔ بمشکل وہ بولی "اماں حضور! میں ..... میں پڑھنا نہیں چاہتی آپ ....."

چھوٹے نواب نے اشاروں میں مطلب صاف کیا " جان جُراتی ہے مگر کب تک بچے گی اماں جان آپ مجھے اجازت دے دیجئے کہ اسے ٹھونک بجا کر پڑھاؤں تو چند ہی دنوں میں فرفر انگلش بولے گی اور ہاں آپ نے اس پیام کا کیا جواب دیا "۔ چاند نے اس لمحے ایسا محسوس کیا جیسے اس کی قسمت کا چاند گہن گیا ہو ـــــــ

ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے اور چھوٹے نواب زہریلی ہنسی ہنس رہے تھے "تچ تچ" انہوں نے نمک چھڑکا " ماروں گا نہیں مگر زیادہ گڑ بڑ کی تو کان ضرور کھینچوں گا "

چاند سلگ اُٹھی " آخر آپ چاہتے کیا ہیں ؟"

چھوٹے نواب شانے ہلا کر ہنسے " چاہوں گا کیا کچھ بھی نہیں بس تمہیں چاہتا ہوں اور کچھ نہیں "ـــــــ

چاند اُٹھ کھڑی ہوئی، چھوٹے نواب سامنے آ کھڑے ہوئے۔

" ارے بیٹھو بھی جاتی کہاں ہو۔ اس دن تو تختی سے اپنا بچاؤ کر گئیں مگر آج ... " انہوں نے قہقہہ لگایا " مگر بھئی چاند مانتے ہیں تمہیں! اتنی لڑکیاں ہم نے دیکھیں آج تک ایسی ضد ..... ایسی خودسری کسی میں نہیں پائی تم واقعی چاند ہو " اور انہوں نے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر اس کا منہ اُونچا کیا ـــــــ

وہ بپھر کر بولی " چھوٹے نواب اپنی حد سے آگے نہ بڑھو "ـــــــ

" ہماری حد کو پُوچھتی ہو ارے یہ ہمارے باپ کی ڈیوڑھی ہے یہ ہماری حد کیا ہوتی، کوئی حد نہیں، ہمیں کوئی ڈر نہیں "ـــــــ

" تم نے شراب تو نہیں پی رکھی ہے۔ میں تمہارا خُون پی جاؤں گی " وہ زخمی ناگن کی طرح پھنپھنائی۔

" ہا ہا ہا ہا " چھوٹے نواب ہنس پڑے بالکل دیوانوں کی طرح " پی جاؤ میرا خُون پی جاؤ، کوئی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، سمجھیں "ـــــــ

" میں چلا چلا کر پوری ڈیوڑھی کو اکٹھا کروں گی " چاند نے اپنی دانست میں اپنی مُدافعت کی ـــــــ

" ہونہہ! " وہ حقارت سے ہنسے " ذرا سی بچی کی عقل ہی کتنی، میں نے اوّل ہی دیواریں خُوب اُونچی کر لی ہیں تم چیخیں بھی تو اماں جان یہی سمجھیں گی کہ تمہیں ٹھونک بجا کر پڑھا رہا ہوں اور پھر چاند "..... انہوں نے دروازے کی طرف اشارہ کیا " اماں حضور نے پہلے ہی تاکید کر دی ہے کہ وقت پڑنے پر دروازہ بھی بند کر لیا کرو، میں یہ دروازہ بھی بند کر سکتا ہوں، سمجھ گئی نادان لڑکی ـــــــ " ؟؟

چاند نے تلملا کر ان کی طرف دیکھا " میں تمہاری بوٹیاں اُڑا دوں گی "ـــــــ

" تم سے پہلے میں تمہاری بُوٹیاں اُڑا دوں گا "۔ انہوں نے میز پر رکھی بندوق کی طرف اشارہ کیا " دیکھتی ہو یہ کیا ہے "؟ انہوں نے بندوق ہاتھ میں اُٹھالی " یہ سب گولیاں بھری ہیں اور یہ رہی لبلبی، اِدھر لبلبی دبائی اور ادھر گولی سینے کے پار۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ جیل ہو جائے گی، بہت ہوا تو پھانسی مگر ....".. چھوٹے نواب کا چہرہ کریہہ ہو گیا " مگر اس سے کیا ہوتا ہے ہم نواب ہیں، پیسے والے ہیں اس کی نوبت ہی کہاں آئے گی۔ ارے پیسے میں بڑی طاقت ہوتی ہے چاند رانی "ـــــ اور وہ بندوق رکھ کر دروازے کی طرف بڑھے، چاند کی طرف ان کی پیٹھ تھی۔ اِن کے مُنہ پھیرتے ہی چاند نے بندوق اُٹھالی اور نالی اپنے سینے سے لگالی۔

دھائیں.... دھائیں.... آواز گُونجی اور چھوٹے نواب کا ہاتھ چٹخنی پر سے پھسل پڑا، پیچھے پلٹ کر دیکھا تو چاند تڑپ رہی تھی، گرم گرم جوان خُون قالین پر پھیلتا جا رہا تھا۔ چھوٹے نواب کی آنکھیں پھیل گئیں

ایک لمحے کو تو ان کی سمجھ میں ہی نہ آنے پایا کہ یہ کیا ہو گیا ـــــ؟

اس ایک لمحے میں کھڑے ہی کھڑے کتنے ہی یُگ بیت گئے ـــــ اور جیسے رفتہ رفتہ ان کے حواس واپس آنے شروع ہوئے ـــــ

" تو چاند نے خودکشی کرلی ـــــ؟ خود کو گولی مار لی ـــــ؟؟ اپنی عزت اور ناموس کے بچاؤ کی خاطر ـــــ"!!

ان کا ذہن چیخ رہا تھا ـــــ" اور میں ـــــ میں نے کبھی یہ سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کہ عورت اتنی اُونچی ـــــ اتنی عظیم بھی ہو سکتی ہے میں تو سدا عصمتیں ہی لُوٹتا رہا ـــــ میں نے کب اتنی گہرائی سے سوچا ـ"؟

جیتا جیتا خُون قالین پر پھیلتا ہی جا رہا تھا ـــــ" یہ رنگین گُل بُوٹے میں نے ہی بنائے ہیں ـــــ میں نے ہی ـــــ میں نے ہی ـــــ"

چاند تڑپ تڑپ کر ٹھنڈی ہو رہی تھی ـــــ

ساری زندگی بھر کے گُناہوں نے یک لخت ان کے چہرے کو سیاہ کر دیا، ان کا سر گھُومنے لگا ـــــ اپنے وجود سے اتنی نفرت انہیں کبھی نہ ہوئی تھی ـــــ کانپتے ہوئے ہاتھوں سے بندوق اُٹھا کر انہوں نے اپنی کنپٹی سے لگالی ـــــ

قالین پر رنگین چمن در چمن کھِل اُٹھا ـــــ ٭٭٭

"آوارہ"

سر دکھائی

یہ رسالدار میجر بہادر اکرم خان کی عالی شان کوٹھی کا ڈرائنگ رُوم ہے، اور رسالدار صاحب کا اردلی بوائے سیفو اس کی صفائی میں جٹا ہوا ہے۔

سیفو۔ (گنگناتے میں) "ہمیں کیا جو ساون کے میلے رہے"۔ تان لے کر "ہمیں کیا جو ساون کے میلے رہے۔ میز ہو گئی۔ سوفے ہو گئے۔ اب کیا رہ گیا؟ پھول دان؟ تو صاحب وہ بھی لو"۔ پھو پھو کر کے گرد اُڑاتا ہے۔ "ساون کے میلے رہے"۔۔۔ مُنہ سے طبلہ بجا کر "ہمیں کیا ......"۔ اب کیا رہ گیا؟ یہ باجوں کے چچا میاں پیانو۔ چلوں اِن کی بھی خبر لے لُوں۔ پھر چھُٹی ۔۔ ارے ستار رہ گیا"۔۔۔ جھاڑن تاروں کو لگتے ہی آواز نکلتی ہے۔ "ہمیں کیا .... بولا نہ بے سُرا"۔ اُنگلی سے تار چھیڑ کر۔ "ابے یُوں نہیں یوں بول گن"۔ گنگناتا ہے "ہمیں کیا جو ساون ....."۔ یہیں تک کہنے پایا تھا جو رسالدار بہادر کی کڑک دار آواز آئی "سیفو" اور خود رسلدار نمودار ہو گئے۔

اکرم۔ (آتے ہوئے) "سیفو"۔

سیفو۔ "جی"

اکرم۔ "صفائی ہو گئی؟"۔

سیفو۔ "بالکل"

اکرم۔ "میز"؟

سیفو۔ "آئینہ"

اکرم۔ "کرسیاں"؟

سیفو۔ "دیکھ لیجئے"

اکرم۔ "پھول دان؟"

سیفو۔ "سجا دیئے"

اکرم۔ "پیانو؟"

سیفو۔ "وہی جھاڑ رہا تھا جو سرکار نے پکارا"۔

اکرم۔ "مطلب یہ کہ سب ٹھیک ٹھاک ہے؟"۔

سیفو۔ "تعریف نہیں ہو سکتی"۔

اکرم۔ "سیفو"۔

سیفو۔ "جی"۔

اکرم۔ "سنو اور کان کھول کر سنو۔ تھوڑی دیر بعد مسٹر آصف آئیں گے ہر چیز قرینے سے قاعدے کے اندر نہ ہوئی تو یاد رکھو گردن میں ہات دے کر کوٹھی سے باہر کرا دوں گا۔ اور ہاں اس کام چور شبلر کو جتا دینا کہ اب کے اس نے چائے کی ٹرے گرائی، اور نیا سٹ ٹوٹا کہ چمن میں لے جا کے اپنے ہات سے اُس کا سر کاٹ لوں گا۔ سُن لیا؟"۔

سیفو۔ "جی سرکار سُنا بھی اور سمجھا بھی۔ میں خود ہر کام کی دیکھ بھال کروں گا"۔

اکرم۔ "اور ایک بات ہے۔ آصف صاحب کو جانور پالنے کا بڑا شوق ہے"

سیفو۔ "بہت خُوب۔ نہایت مناسب"۔

اکرم۔ "چُپ رہو۔ بات مت کاٹو۔ ہاں تو اُن کے ساتھ کُتا، بلی، بندر گھوڑا، گدھا، لنگور، بن مانس وغیرہ جو بھی ہو ڈرائنگ رُوم میں آنے دو، روک ٹوک نہ ہو۔ اور ......"

سیفو۔ بات کاٹ کر۔ "اور جو حضور لنگور اور بن مانس میں کیا فرق ہوتا ہے میری سمجھ میں نہ آئے تو؟"۔

اکرم۔ "احمق کہیں کے۔ مطلب یہ کہ اُن کے ساتھ جیتا جاگتا کوئی بھی حیوان ہو اندر آنے دیا جائے سمجھ گئے؟"۔

سیفو۔ "سرکار اتنا سمجھ گیا کہ اب آگے کچھ بھی سمجھائیے ذرا نہ سمجھوں گا"۔

اکرم۔ "ہاں کہدیا ہے میں نے۔ جاؤ..... اور ہاں حمام تیار ہے؟"

سیفو۔ "ایک دم سرکار۔"

اِدھر یہ ہو رہا تھا، اُدھر دیکھئے کوٹھی کے زنانے حصّے میں کیا ہو رہا ہے۔ کسی نے دروازے پر دستک دے کر پُوچھا۔ "خالہ جان میں آسکتی ہوں؟" یہ ایک نوجوان خوش پوش لڑکی تھی۔ اندر سے جواب ملا۔ "کون لڑکی نجمہ؟ آؤ نہ بیٹی۔ اب تجھے بھی اجازت لینے کی ضرورت ہے؟"

یہ رسالدارنی تھیں سلیمہ بیگم۔ دنیا کا ایک بچا سا برتے ہوئے۔

نجمہ۔ "آداب خالہ جان"

سلیمہ۔ "جیو، عمر دراز، اچھی تو رہیں؟ آج کتنے دن بعد تمہاری شکل دکھائی دی ہے۔"

نجمہ۔ "جی ہاں آج کئی دن پیچھے آنا ہوا۔ امجد بھائی نے بی ایس سی کرلیا نہ۔ اب ڈاکٹری پڑھنے لندن جارہے ہیں۔ یہ پُورا ہفتہ اُن کے ساتھ شاپنگ کرتے گزرا کہتے ہیں نجمہ کا ٹیسٹ بہت اَپ ٹُو ڈیٹ ہے۔ دکان دکان ساتھ لئے گھُماگئے۔ اب ذرا فرصت ملی تو میں نے کہا چل کے خالہ جان کو سلام کر آؤں زہرہ کو بھی جی ہو رہا تھا۔ کہاں ہے؟"

سلیمہ۔ "اپنے کمرے میں ہوگی۔ جاؤ۔ اِدھر تو آج شاید ہی دکھائی دے۔"

نجمہ۔ "ہے ہے! یہ کیوں؟ زہرہ تو تِتلی کی طرح ہر وقت اُڑتی پھرتی ہے۔"

سلیمہ۔ "ہاں۔ پر آج ذرا اُس کے پر کتر دیئے گئے ہیں۔

نجمہ۔ "بھی نہیں خالہ جان"

سلیمہ۔ "بے شک نہیں سمجھی ہوگی۔ اپنے خالو کا کڑکڑا مزاج تو جانتی ہے نہ؟ بہتیرا کہا دو چار کنبے برادری والوں کو بلالو، نہیں مانے کہتے ہیں پہلے میں دیکھ بھال لوں تب کسی کو بلاؤں چلاؤں۔"

نجمہ۔ "بات پھر بھی پہیلی کی پہیلی رہی۔ کسے دیکھ لیں؟"

سلیمہ۔ "اُوئی لڑکی کتنی بھدّی عقل لے کے آئی ہے، کسے دیکھ لیں؟ تیری زہرہ کے ہونے والے......"

نجمہ۔ خوشی سے اُچھل کر۔ "مبارک خالہ جان! تو یُوں کہئے نہ۔ اوہو! کتنا اچھا ہوا کہ میں خود آگئی۔ دیکھئے گا اب خالو جان سے کیسا کیسا لڑتی ہوں۔ یہ چُپ چُپاتے انہوں نے کیا کیسے کرکو نہ سہی مجھے تو پتہ ہونا تھا۔ خیر۔ کون ہیں ہمارے دولھا بھائی؟ خالہ جان خدا کے لئے کسی دقیانوسی پُرانی چال کے صاحب زادے کا نام تو لیجئے گا نہیں۔ میں رو رو کے اپنا بُرا حال کرلوں گی، کہدیا ہے میں نے۔"

سلیمہ۔ ہنس کر۔ "نہیں لڑکی، اس کی ضرورت نہیں ہوگی۔ میری آنکھوں خاک، بڑے اُونچے گھرانے کا لڑکا ہے، برس بیس ایک کی جان، پڑھا لکھا۔ طوطی کی طرح بولتا ہوا۔ اللہ رکھے گا نوں، گراؤں کا مالک۔ اماں باوا کا اکلُوتا۔ صُورت کا شکل کا....."

نجمہ۔ بات کاٹتے ہوئے۔ "خالہ جان یہ آپ سُنی سُنائی کہہ رہی ہیں یا جانچ پڑتال کرلی ہے۔ کہیں میری زہرہ پتھر سے نہ مار دیجئے گا۔ ہیرا لڑکی ہے وہ ہیرا لڑکی۔"

سلیمہ۔ "لو اور سنو پگلی کی باتیں۔ تیرے خالو کہیں سُنی سُنائی پر دھیان دینے والی اسامی ہیں۔ بال کی کھال اُتارنا کوئی اُن سے سیکھے بات پُوری نہیں ہونے دی۔ دیوانی انہی سب باتوں کے لئے تو آج آصف میاں کو بُلایا گیا ہے۔ خالو تیرے جانو گھاٹ گھاٹ کا پانی پیئے ہوئے ایک ہی وہ ہیں۔ چار باتوں میں پرکھ لیں گے۔"

نجمہ۔ "یہ کہئے بر دکھائی ہے آج۔ چمن کے گیٹ میں داخل ہوتے ہی میں اتنا تو ضرور سمجھی تھی کہ آج معمول سے بڑھ کر کچھ چہل پہل ہے چمن کی صفائی بھی خوب ہوئی ہے۔ سامنے کا فوارہ بند پڑا تھا وہ بھی چھوٹا ہوا ہے۔ نوکر چاکر بھی لپک جھپک کام کر رہے ہیں۔ کوٹھی میں قدم رکھا تو یہی تیاری۔ میں سمجھی خالو جان دیتے ہی رہتے ہیں کسی کو بریک فسٹ یا لنچ دیا ہوگا۔ اندر آئی تو یہ پتہ چلا۔ کتنی دیر ہے آنے میں؟"

سلیمہ۔ "آدھا پون گھنٹہ ہوگا شاید"

نجمہ۔ "اچھا ہے۔ میں بھی لُک چُھپ کر دیکھ لوں گی بلکہ خالو جان..."

سلیمہ۔ "کہو کہو رُک کیوں گئیں؟"

نجمہ۔ "میں نے کہا شاید آپ ڈانٹ دیں۔ اب کہتی ہوں زہرہ بھی آصف میاں کو دیکھ لے تو کیا بُرائی ہے۔"

سلیمہ۔ "لڑکی تُو نے میرے مُنہ کی بات چھین لی۔ ضرور ضرور، تیرے خالو بھی چاہتے تھے، میری وجہ سے چُپ تھے۔"

نجمہ۔ "کچھ سُنا خالہ جان، آصف میاں کس چال چلن کے آدمی ہیں؟

دشمن پینے کھانے میں تو نہیں، رئیس کے بیٹے ہیں، ڈر ہی لگتا ہے۔

سلیمہ۔ "توبہ کر بچی۔ ان سب باتوں کی ٹوہ تیرے خالو پہلے ہی لے چکے ہیں۔ نوج، وہ اللہ کا بندہ کسی بُرے فعل میں ہو! ہاں ایک شوق البتہ ہے۔"

نجمہ۔ "ہے ہے! وہ کیسا خالہ جان؟"

سلیمہ۔ "بتاؤں تو جب تو بولنے بھی دے۔ گھبرانے کی بات نہیں۔ خدا نہ کرے جو کوئی ایسا ویسا شوق ہو۔ اتنا ہے کہ طرح طرح کے جانور، چڑیاں، ہری لال مچھلیاں اور ایسے ہی نہ جانے کیا کیا پال رکھے ہیں۔ سُنا ڈیوڑھی کیا خاصا چڑیا گھر ہے۔ نہ جانے کتنے نوکر چاکر ان کی دیکھ ریکھ کے لئے رکھ چھوڑے ہیں۔ آپ بھی دن بھر اُن کی ٹُک تاک میں لگا رہتا ہے۔ بس شوق میں شوق ہے تو یہ ہے۔"

نجمہ۔ "اب جا کے جی ٹھہرا۔ نہیں تو میں سمجھی تھی ....."

سلیمہ۔ "چل، اب یہی باتیں کرتی رہے گی، جا کے زہرہ سے مل آ۔ آصف میاں کوئی دم میں آیا چاہتے ہیں۔ تیرے خالو ایک صبح سے جو جھاڑ پونچھ، یہ دَھر، وہ اُٹھا میں لگے ہیں تو اب کپڑے بدلنے گئے ہیں۔"

نجمہ۔ "بہت اچھا، میں چلی۔ زہرہ کو لے کے ڈرائنگ رُوم کے برابر والے کمرے میں چھپ جاؤں گی، اور موقع ملا تو ایک نگاہ آصف میاں کو دیکھ لوں گی، اور زہرہ کو بھی دکھا دوں گی۔ لُٹے تو جیتے خبر ہی نہیں، دن رات، جب سنو وہ ہے اور پیانو۔"

نجمہ خالہ جان سے رخصت ہو کر چلی اور زہرہ کے کمرے کا رُخ کیا۔ وہاں ستار کی جھن جھناہٹ سے فضا گونج رہی تھی۔

نجمہ۔ "اللہ کوئی آسکتا ہے؟" جواب نہ پا کر۔ "میں نے کہا نجمہ باریاب ہو سکتی ہے؟"

زہرہ۔ ستار چھوڑ کر۔ "کون نجمہ؟ میں تو ڈر گئی۔ آؤ نہ۔ جی نہیں لگ رہا تھا۔ ایک نئی گیت سیکھی ہے۔ میں نے کہا لاؤ چار مضراب اسی پہ چھیڑ لوں۔ آؤ بیٹھو۔"

نجمہ۔ "اب بیٹھنے کا نہیں اُٹھنے کا وقت ہے۔ چلو میرے ساتھ آؤ۔"

زہرہ۔ "کہاں؟"

نجمہ۔ "جہاں ہم لے چلیں۔"

زہرہ۔ "کوئی بات بھی؟ آخر کہاں؟ آؤ بیٹھو، ہماری نئی گت سنو۔"

نجمہ۔ "گت وت ہم کچھ نہیں سنتے۔ تو اُٹھ تو سہی۔"

زہرہ۔ "اے واہ واہ! اچھی ضد ہے کہ اُٹھو چلو۔ یہ نہیں پوچھنے دیتیں کہاں چلوں۔"

نجمہ۔ "اصطبل میں بندھنے!"

زہرہ۔ "کوئی سنسر تو نہیں پھرا تیرا؟"

نجمہ۔ "نہ سہی۔ تو پنجرے میں بند ہونے۔"

زہرہ۔ "نجمہ۔ یہ آج تجھے کیا کھیلا پن سوجھا ہے؟"

نجمہ۔ "اچھا بھئی پنجرہ نہیں منظور تو کٹہرہ سہی۔"

زہرہ۔ "ہے ہے! سچ مچ آج تیرا دماغ چل گیا ہے۔"

نجمہ۔ "جبھی تو اس تپتی دھوپ میں مبارکباد دینے یہاں تک آئی ہوں۔"

زہرہ۔ "یہ اور نئی ہوئی، بھلا کس بات کی مبارکباد؟"

نجمہ۔ "اب ہم سے چندلا چندلا کے تو باتیں کیجئے نہیں، چلئے آپ کو اپنے دولھا بھائی دکھا لائیں۔"

زہرہ۔ "نجمہ، وہ دیکھو سامنے سنگار میز پر اُوڈی کلوں کی شیشی رکھی ہے۔ تھوڑا سا لے کر چندیا پہ ڈالو۔ ماتھے پہ رگڑو، پھر بات کرو کیسے دولھا بھائی؟ یو ایڈیٹ!"

نجمہ۔ "بھولی نہ بنو زہرہ بیگم۔ ایڈیٹ نہیں، مسٹر آصف! دنیا بھر کے کتے بلی، طوطا، مینا، گائے، بھینس، ہاتھی گھوڑوں کے داروغہ مسٹر آصف، شہر کے لکھ پتی رئیس زادے مسٹر آصف، اور کون، زہرہ بیگم صاحب کے ہونے والے شوہر مسٹر آصف۔ بر دکھائی کے لئے خالو جان کے پاس آرہے ہیں اور ہم سے بن بن کے پوچھا جارہا ہے، کیوں چلوں؟ کہاں چلوں؟ اب سمجھیں بی بنو! چلو ڈرائنگ رُوم کے برابر والے کمرے میں، ہم بھی دیکھیں تم بھی دیکھو۔"

زہرہ۔ ہنس کر۔ "بڑی تیز ہے تو نجمی، جانتی تو میں بھی تھی، پر آج تیرے ان دولھا بھائی صاحب کا آنا معلوم نہ تھا۔ اب رہا دیکھنا، تو وہ ایک نہیں کئی بار دیکھ چکی ہوں۔"

نجمہ۔ "ٹھہر تو جا زہرہ! اوہ ری بھیتری۔ ہم سے کبھی ذکر تک نہیں کیا۔"

زہرہ۔ "ہزار چیزیں دن رات نظر سے گذرتی ہیں، کوئی کہاں تک گنائے

نجمہ۔ "ارے یہ تو سب سے بڑی چیز ہے۔ بھلا کہاں دیکھا تھا؟"

زہرہ۔ "دو ایک بار تھیٹر میں۔ ایک آدھ دفعہ ریس کورس پر اور کہاں"

نجمہ۔ "بس تو آج بیگم صاحب ہمارے ساتھ خالو جان کے ڈرائنگ روم میں"۔

زہرہ۔ "بہت اچھے ہیں۔ دیکھنے والے کی آنکھوں میں کھب جاتے ہیں"۔

نجمہ۔ "کیوں نہیں صاحب کیوں نہیں۔ اور جو کسر رہ گئی ہے، وہ اب ہم پوری کرائے دیتے ہیں۔ بڑا مزہ ہوگا۔ ہم آیا کریں گے، بی زہرہ پنجرے میں اڈے پر بیٹھی ہلا کریں گی۔ نہیں تو اگاڑی پچھاڑی لگی، ہری دوب کھاتی کسی تھان پر۔ بچاری کے منہ پر دونوں وقت راتب کے چنوں کا توبڑا چڑھا کرے گا یا بھی......"

اچانک رسلدار میجر اکرم خان کی "سیفو، سیفو" سُن کر ہائے ہائے ہنسی ہنسی میں مارے گئے۔ وہ خالو جان سیفو سیفو کر رہے ہیں۔ جان پڑتا ہے آصف میاں کی کار آ رہی ہے چل بھئی خبردار! ہماری سانس بھی سننے نہ پائیں"۔

اکرم۔ "سیفو! سیفو! کدھر گیا؟"

سیفو۔ آتے ہوئے۔ "کہیں نہیں سرکار۔ پھاٹک پر نظر جمائے کھڑا تھا"۔

اکرم۔ "کان کدھر تھے؟"

سیفو۔ بتا کر۔ "یہ رہے دونوں۔ آنکھوں سے چار انگل ہٹ کے"۔

اکرم۔ جھلا کر۔ "اُفوہ! لیعنی کہ اُفوہ! پھر کیا سُنا؟"

سیفو۔ "حضور نے پہلے دیکھنے کو حکم دیا تھا۔ اس لئے کانوں سے کام نہیں لیا"۔

اکرم۔ "اب کیا سُنائی دے رہا ہے؟"

سیفو۔ "مالک سے پہلے میں سُنوں! کیا مجال"

اکرم۔ "تو سُن اور دیکھ۔ وہ آصف میاں کی کار دُھول اُڑاتی آ رہی ہے۔ وہ دُور کالی کالی۔ پھاٹک پر اُتریں، اور چمن میں ہوتے ہوئے کوٹھی کے چبوترے پر چڑھیں تو بڑھ کے سلام کرنا اور ڈرائنگ رُوم میں لے آنا۔ ہاں وہ ہماری بات یاد ہے نہ؟"

سیفو۔ "کیسے نہ یاد رہتی۔ نوکری جو کرنا ہے سرکار۔ حضور نے کہا تھا آصف میاں کے ساتھ ہاتھی گھوڑا، اونٹ بکری، گائے بھینس، بندر بھالو، شیر چیتا بن مانس جو بھی ہو اس کی روک ٹوک ہرگز نہ کی جائے۔ آئے تو ساتھ آنے دیا جائے"۔

اکرم۔ "ہاں اور کیا۔ اب ہم ڈرائنگ رُوم میں بیٹھتے ہیں"۔

اتنے میں ایک لیموزین کار کوٹھی کے پھاٹک پر رُکی۔ صبح کا رسمی سُوٹ پہنے ہوئے مسٹر آصف اُترے۔ کار کی کھڑکی میں چابی لگائی، اور خراماں خراماں چمن کی بہار دیکھتے ہوئے چبوترے کی طرف بڑھے۔

آصف۔ "کتنی شاندار کوٹھی ہے میری زہرہ کی"

اس سوچ میں چند ہی قدم آگے بڑھے ہوں گے جو پیچھے سے بکری کے ممیانے کی آواز آئی۔

آصف۔ "اہوہ! کتنی خوبصورت، بالکل ہرنی معلوم ہوتی ہے۔ اس ملک کی نہیں، پہاڑی نسل کی ہے"۔

بکری ممیاتی ہوئی پاس آ کر پیار کے تیوروں سے آصف کو دیکھنے لگی۔ "پُچ پُچ! آؤ، آؤ! کتنی ہلی ہوئی ہے اور...."

سیفو۔ بڑھ کر۔ "آداب عرض۔ ڈرائنگ رُوم میں تشریف لے چلئے سرکار رہ ہیں ہیں"۔ بکری کی ممیاہٹ پر "آؤ، آؤ، تم بھی آؤ۔ روکنے والا کون ہے"۔ (دھیرے سے) "اچھا ہی ہوا۔ بکری کے بدلے بن مانس یا کبھی کو ہاتھی آ جاتا تو ڈرائنگ روم کا دروازہ ہی ٹوٹتا یا سیفو کی پیٹھ پر سرکار کا سونٹا"

آصف۔ ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے "آداب عرض — آصف میرزا"۔

اکرم۔ "آؤ آؤ میاں جیتے رہو۔ اچھے تو رہے"

آصف۔ "بزرگوں کی دُعا ہے"۔ (بکری ممیاتی ہے)

اکرم۔ مُسکرا کر۔ اہوہ! یہ بھی آ گئیں؟"۔

آصف۔ "جی ہاں ساتھ ہی لگی چلی آ رہی ہے۔ آدمیوں میں رہتے رہتے وحشت بھول گئی۔ بچوں کی طرح ہل گئی ہے"۔

اکرم۔ "اس میں کیا شک۔ بہت اُونچی نایاب نسل کی ہے۔ ہاں بھئی میں نے تمہیں اس لئے تکلیف دی کہ دو چار ضروری باتیں پُوچھنا تھیں"۔

آصف ۔ "حاضر ہوں ۔ بسر و چشم ۔"

اکرم ۔ "میں تمہارے خاندان سے اچھی طرح واقف ہوں ۔ تمہارے مرحوم والد سے اکثر ملاقاتیں رہا کرتی تھیں ۔ پولو خوب کھیلتے تھے ۔ تمہارا لڑکپن بھی مجھے یاد ہے ۔ پھر تم تعلیم کے لئے ولایت بھیج دیئے گئے ، اور میں تم جانو فوج کا سپاہی ۔ آج اس چھاؤنی میں ، کل اس کیمپ میں ۔ تم واپس آ گئے ، یہاں تک کا تو پتہ ہے ۔ پھر ..."

آصف ۔ "قطع کلام معاف ۔ پھر ان ہی دنوں والد صاحب جنت نصیب ہوئے اور مجھے گھر کے بکھیڑوں میں اُلجھنا پڑا ۔ جناب کی خدمت میں سلام کی سعادت نہ ہو سکی ۔ (اچانک) وہ — وہ گدی کا غلاف چبائے لیتی ہے ۔"

اکرم ۔ نرمی سے "چباتی ہے تو چبانے دو ۔ (زیرلب) کم بخت نے مخمل کی نئی گدی کا غلاف ناس کر دیا ۔ ہاں بھئی ، اب تمہاری مالی حالت کیا ہے ؟"

آصف ۔ "جی غریب خانہ تو آپ کا دیکھا ہی ہوا ہے ۔ اس میں میرا کوئی شریک نہیں ۔ عمارت میں نے اور بڑھا لی ہے ....."

اکرم ۔ ہنس کر "چڑیا گھر کے لئے ۔"

آصف ۔ جھینپ کر ۔ "جی کیا عرض کروں ، یہی ایک شوق ہے ....."

اکرم ۔ "اور بہت اچھا ہے ۔"

آصف ۔ "کاغذ بنانے کی ایک فیکٹری کھول دی ہے ۔ مینجر کام کرتا ہے حساب کتاب میری نگرانی میں ہے ۔"

(کانچ کے برتن گرنے اور ٹوٹنے کا چھناکا) وہ پھول دان توڑ دیا (بکری کے ممیانے پر) اُوپر سے ممیاتی ہے ۔"

اکرم ۔ "کوئی حرج نہیں ۔ ٹوٹنا بدا ہی تھا ۔ اور یہ ممیانا گویا اپنی خطا کو تسلیم کرنا سمجھو ۔ (زیرلب) کتنا منحوس ہے یہ صاحبزادے کا شوق ۔ اس پھول دان کے جوڑ کے اب ملتے کہاں ہیں ۔ ہاں بھئی اس شوق کے پیچھے خرچ کیا ہوتا ہے ۔"

آصف ۔ "جی ، چوک کی دس بارہ دوکانوں کا کرایہ اس میں لگا دیا ہے ۔"

اکرم ۔ "بھئی بُرا نہ ماننا ۔ میں چاہتا تھا کہ تمہاری جائداد ، آمدنی اور خرچ وغیرہ کا حال ذرا تفصیل کے ساتھ معلوم ہو جاتا ۔ تم جانو رشتے کا معاملہ ہے ، لڑکی کی بات ہے ۔ ٹکے کی ہانڈی بھی ٹھونک بجا کر لیتے ہیں ۔"

آصف ۔ "آپ چاہیں تو کاغذات میرے ساتھ ہیں ملاحظہ فرما لئے جائیں ، کہئے تو چھوڑتا جاؤں ۔ کسی معتبر وکیل کو دکھا لئے جائیں ۔ شہر بڑا ہے نجی طور پر بھی پوچھ گچھ ہو سکتی ہے ۔"

اکرم ۔ "تمہاری سعادت مندی سے جی خوش ہوا ۔" (چینی کے برتن گرنے اور بکری کے ممیانے کی آواز سن کر) اُہ ۔ سچی چینی کا سیٹ تباہ ہو گیا ، خیر ۔"

آصف ۔ جگہ سے اُٹھتے ہوئے ۔ "میں اسے بھگائے دیتا ہوں ۔"

اکرم ۔ "نہیں نہیں میاں تم بیٹھو آرام سے ۔ میں خود چاہتا تھا کہ یہ پرانا سیٹ کسی طرح گھر سے نکلے ۔"

آصف ۔ ہنس کر ۔ "میری طرح آپ کو جانوروں کا بہت پیار ہے ۔"

اکرم ۔ "خاص کر یہ بکری تو بہت پیاری ہے ۔ ریشم کا گچھا ہے ریشم کا گچھا ۔ مجھے اس کا چلنا پھرنا بہت اچھا معلوم ہوتا ہے ۔"

نجمہ ۔ زہرہ کے کان میں ۔ "دیکھو اس بکری کے کرتوت ۔ اچھا شوق ہے آصف میاں کا ۔"

زہرہ ۔ "اور چچا جان کے ضبط کو تو دیکھو ۔ نہیں تو ذرا ذرا سی بات پر سیفو کو گولی سے اڑا دینے پر تیار رہتے ہیں ، اب کیسے چُپ چاپ بکری کی شرارت سراہی جا رہی ہے ۔"

نجمہ ۔ "کیوں نہ ہو ۔ لیلیٰ پیاری ہے تو ہے لیلیٰ کا کُتا پیارا ۔"

زہرہ ۔ "دیکھئے اُونٹ کس کل بیٹھتا ہے ۔"

ان دونوں کو اپنی سرگوشیوں میں چھوڑیئے ۔ اور ڈرائنگ روم میں واپس آ جایئے ۔ سُنئے پھر کھٹکا ہوا ۔

آصف ۔ "اوہ ! میز پر چڑھ گئی ۔ بلیرڈ ٹیبل کی بانات میں کھروچے نہ لگ جائیں ۔"

اکرم ۔ "واہ میاں ۔ جانوروں کا اتنا شوق رکھتے ہوئے بھی تم ان کی فطرت نہیں جانتے ۔ بکری تو خاص کر اونچے پر چڑھنا اُترنا پسند کرتی ہے ۔ یہاں تک کہ ایسے ایسے ڈھلانوں پر چل پھر لیتی ہے کہ انسان کا خیال پہنچے تو پھسل پڑے ۔"

آصف ۔ "جی اتنا نقصان کر چکی کہیں کچھ اور نہ توڑے ۔"

اکرم ۔ "پروا نہ کرو ۔ کچھ ٹوٹے پھوٹے گا نیا آ جائے گا ۔"

آصف ۔ دل میں : "بڑے میاں کی عقل چرنے گئی ہے شاید" ۔ (بہ آواز) جی وہ میں نے اس لئے کہا کہ میز پر جو فلاور بول رکھا ہے ، وہ

بہت قیمتی بلور کا ہے۔ دیکھئے دیکھئے، وہ اُس نے پھول چبالئے
اور فلاور بول لڑھک گیا۔" فلاور بول لڑھک کر زمین پر گرا اور
ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔

اکرم۔ "اِس میں گھبراہٹ کی کیا بات۔ چمن میں پھولوں کی کمی ہے کیا۔
رہا فلاور بول۔ دوسرا رکھوا دوں گا۔" (دل میں) ساری سینری
گندی کردی بدتمیز نے۔ ایسے شوق پر پھٹکار۔" بات کا رُخ بدل کر
"ہاں بھئی، تو وکیل کی ضرورت نہیں۔ کاغذات پر میں خود ہی ایک
نظر ڈال لوں گا۔"

آصف۔ "بہت خوب!" (ایک ساتھ) "قبلہ اب مجھ سے نہیں دیکھا جاتا۔
وہ پردے کی ریشمی جھالر جارہی ہے، لیجئے وہ بالشت بھر
اُس نے نوچ بھی ڈالی۔"

اکرم۔ "ارے بھئی پُرانی جھالر کا افسوس ہی کیا، پردے تو بدلوانا ہی
ہیں۔" (دل میں) "او کم بخت! دیکھو، دیکھو۔" کھسیانی ہنسی سے
"کس غور سے آئینے کے سامنے کھڑی اپنا سراپا دیکھ رہی ہے
لو، اپنا سایہ دیکھ کر اگلے کھُروں پر کھڑی ہوگئی۔" آئینہ گرتا ہے
"آخر گرا ہی دیا نا! خیر اور آجائے گا۔ (دل میں) خداوندا آج
کس مُصیبت میں پھنس گیا۔ اچھا بُلایا میں نے صاحب زادے کو
بُر دکھائی کے لئے۔" بکری کی ممیاہٹ سُن کر۔ "اس کے حلق پر
بجلی گرے۔" کُرسی گرنے کی صدا پر۔ "ہائے ہائے کتنی نازک اور
قیمتی کُرسی تھی۔ ایک پایہ ہی الگ ہوگیا۔ اب مجھ سے نہیں
رہا جاتا۔"

آصف۔ "قصور معاف۔ میں جانتا تھا کہ جانوروں کے پیچھے میں ہی دیوانہ
ہوں۔ آپ تو قبلہ مجھ سے بڑھ کر نکلے، اتنا نقصان تو شاید
کوئی اپنی اولاد کے ہاتھوں بھی گوارا نہ کرتا۔"

اکرم۔ "نہیں نہیں وہ بات ہی کیا ہوئی جسے اتنا بڑھایا چڑھایا جائے
گرستی میں ٹوٹ پھوٹ تو ہوتی ہی رہتی ہے۔ پھر جانور کو سزا
بھی کیا دی جاسکتی ہے۔ اچھا میاں تمہیں زحمت تو ہوگی میں ذرا اندر
ہو آؤں۔ تمہارا منہ میٹھا کرنے کا انتظام کیا ہے۔ دیکھوں اس میں
کیا دیر ہے۔"

آصف۔ "بسم اللہ۔ میں اتنی دیر میں ڈرائنگ رُوم کی اِن ٹرافیز کی سیر
کرلوں۔ آپ نے آرائش کی کیسی کیسی نادر چیزیں جمع کر رکھی ہیں۔"

اکرم۔ "ہاں ہاں، شوق سے دیکھو، میں ابھی آیا۔"

اِدھر اکرم خاں صاحب زنانے کی طرف چلے، اُدھر نجمہ نے زہرہ
کو ٹھوکا دیا۔

نجمہ۔ "بھاگ زہرہ بھاگ یہاں سے، خالو جان آرہے ہیں، چل خالہ جان
کے پاس بیٹھیں۔"

زہرہ۔ "چلو۔" سہمے ہوئے۔ "کچھ اور بھی دیکھا، چچا جان کا چہرہ مارے
غصّے کے لال بھبوکا ہو رہا ہے۔ ضبط نہ ہوسکا تو اُتارنے کو
اندر آرہے ہیں۔ خدا خیر کرے۔ سُن لے چچی پر برس رہے ہیں۔"

سلمہ۔ "کہو اللہ رکھے لڑکے کو کیسا پایا؟" جواب نہ پاکر۔ "اُوئی تم تو
جیسے بھرے چلے آرہے ہو۔"

اکرم۔ گرج کر۔ "کیسا پایا کیسا پایا!!"

سلمہ۔ "کچھ کہو گے بھی یا ۔ ۔ ۔ ۔"

اکرم۔ "نالائق۔ جاہل، جانور۔ میرے بھرے ڈرائنگ رُوم کو کھنڈر
کر دیا۔"

سلمہ۔ "کیا مطلب۔ کوئی بات ہوگئی؟"

اکرم۔ "بات کیا ہوتی۔ صاحبزادے تشریف لاتے ہیں بات ٹھیرانے
ساتھ لاتے ہیں اپنی چہیتی بکری کو، میں لحاظ و مُروّت کے
مارے کچھ نہیں کہہ سکتا "

سلمہ۔ بات کاٹ کر۔ "اے وہ نگوڑی بھی ساتھ آگئی تو کیا قیامت
ہوئی۔ ہلی ہوگی بہت۔ کار میں بٹھالایا ہوگا۔ لڑکا تو ہے ہی۔"

اکرم۔ چُپ رہو۔ لڑکا تو ہے ہی، لڑکا تو ہے ہی۔ یہی تمیز تہذیب
سیکھ کر آیا ہے ولایت سے کہ غیر کے گھر جائیے تو بکری بھی ساتھ
لگی رہے۔ کم بخت نے دو پھول دان توڑے۔ گدی کا پھُندنا
چبا گئی، ریشمی پردے کی جھالر نوچ ڈالی، بلیرڈ ٹیبل کا ناس کر دیا
اب بانات بدلواؤں تو پھر مٹّھی روپئوں کے ماتھے جائے۔ پھر پھر
اتنا قیمتی آئینہ گرا کے چکنا چُور کر دیا۔"

سلمہ۔ "اے بھئی اتنا گلا کیوں پھاڑ رہے ہو۔ برابر کے کمرے میں مہمان
بیٹھا ہے، اور یہیں کہیں زہرہ اور نجمہ بھی ہوگی، یہ لوگ سُنیں گے
تو کیا کہیں گے اپنے جی میں۔ رشتے کی بات ایسے تو نہیں ہوا کرتی اللہ بنا ہی۔"

اکرم ۔ "کیا خوب ۔ وہ نالائق بکری کی بچی اتنا کچھ نقصان کر ڈالے اور آپ بیٹھی ہیں مجھے بہلانے پھسلانے ۔"

اکرم خان صاحب یوں ہی گرج برس رہے تھے جو نجمہ آئی ۔

نجمہ ۔ "خالو جان آداب ۔ میں سن رہی تھی ۔ خدا کے لئے غصہ تھوکئے اب جو ہوا سو ہوا ۔ ایسا نہ ہو، آصف میاں کوئی ہمارے ذلیل نہیں جوانی کا چڑھتا خون ہے ۔ جوش میں آکے کچھ نا کر بیٹھے ۔ سب مل جائے گا ایسا اچھا بر زہرہ کو نہ ملے گا ۔"

اکرم ۔ "ہوں ۔ اب آپ تشریف لائیں وعظ فرمانے ۔ چپ رہا تو کیا کیا میں نے ۔ اتنا چپ رہا، اتنا ضبط کیا میں نے، قریب تھا دم گھٹ کے نکل جائے ۔ وہ بکری، شیطان کی جنی بکری ۔ ۔ ۔ ۔"

نجمہ ۔ بن کر ۔ "کیسی بکری ۔ کس کی بکری ؟"

اکرم ۔ "جی وہ ہمارے ہونے والے بھتیج داماد صاحب میاں آصف کی بکری، فرماتے ہیں، بڑی اونچی نسل کی، نہایت سیدھی بکری ہے یہ لڑکا پاگل ہے ۔ ڈرائنگ روم تباہ ہو گیا ۔ وہ کیا ہیں برباد ہو گیا ۔ کچھ ٹوٹا تو صاحبزادے مسکراتے ہیں، کچھ گرا تو بکری کی شان میں قصیدے فرماتے ہیں ۔" ڈرائنگ روم میں پھر کچھ گرنے کی آواز سن کر ۔ "وہ کچھ اور توڑا ۔ ہائے ہائے، سن لیا اب تو آپ نے اپنے کانوں سے ؟"

نجمہ ۔ "خالو جان، یہ دورا ور تو ہوتے سے رہا ۔ آج آصف میاں پہلی بار آئے ہیں، اتفاق کی بات ہے کہ ان کی بکری بھی ساتھ چلی آئی ۔ نقصان ہوا تو پورا بھی ہو سکتا ہے ۔ کچھ تجیئے زہرہ کے خاوند سے بُرا ۔"

زہرہ ۔ (دھیرے سے) "Well said Najma" ۔ ڈرائنگ روم سے بڑے گرنے کی آواز ۔

اکرم ۔ "لو وہ بھی گرائی ۔ ارے وہ تو تحفے میں آئی تھی ۔" ٹہلنے لگتے ہیں ۔ "اب نہیں ٹھہر سکتا ۔ جاکے سر پہ ٹھنڈا پانی ڈالتا ہوں مارے طیش کے بھیجا پگھلنے لگا ۔" جاتے ہیں ۔

سلمہ ۔ "اے اللہ اب میں کیا کروں ۔ نہ جانے کس کی غلطی ہے ۔ میں نے تو سنا تھا لڑکا بڑے عقل ہوش کا ہے، یہ بکری کیوں لایا ؟"

زہرہ ۔ "چچی جان وہ ایک نہیں لاکھ بکری پالیں، سب سیدھے ہو جائیں گے اس وقت تو جیسے بنے چچا جان کے غصے کو ٹھنڈا کیجئے ۔ آپ کچھ کہتے جھجکیں تو بے حیائی لاد کے خود میں بولوں ۔"

سلمہ ۔ "ٹھیرو ۔ جب تک تمہارے چچا ہاتھ سے نکلیں، میں خود جا کے دیکھتی ہوں، لڑکا اپنے جی میں کیا کہتا ہوگا ۔"

یہ کہہ کر دوپٹہ سنبھالتی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں، آصف اکیلے بیٹھے ہوئے بکری کا تماشہ دیکھ رہے تھے ۔

آصف ۔ چونک کر ۔ "آپ ! آپ !!" ؟

سلمہ ۔ "زہرہ کی چچی سلمہ ۔"

آصف ۔ "اوہ ! آداب عرض ۔ تشریف لائیے ۔ آپ نے کیوں تکلیف فرمائی ۔ قبلہ کہاں ہیں ؟"

سلمہ ۔ "جیتے رہو، عمر دراز ۔ ابھی آتے ہیں ۔"

اتنے میں بکری کو جگالی کرتے کرتے نہ جانے کیا خیال آیا کہ آپ ہی آپ کلیل کرتی اس گوشے میں جا پہنچی جہاں ستار رکھا تھا ۔ پہلے سونگھا پھر کھر سے پوچھا ۔

آصف ۔ "دیکھئے ستار سے بھی شوق ہے "

سلمہ ۔ "ہاں زہرہ کے چچا بجاتے ہیں ۔" بات کا پہلو بدل کر ۔ "یہ کہاں رہ گئے ؟" جانے لگتی ہے ۔

آصف ۔ "ارے آپ تشریف لے چلیں ۔"

سلمہ ۔ "ہاں میاں، دیکھنے آئی تھی کہ تم اکیلے میں گھبرا تو نہیں اٹھے ۔"

آصف ۔ "جی نہیں، بالکل نہیں ۔ اس بکری کے کھیل جو ہیں جی بہلانے کو ۔"

سلمہ ۔ "انہیں بھیجتی ہوں جاکے ۔"

ادھر سلمہ اور آصف میں یہ باتیں ہو رہی تھیں ادھر چچا بھتیجی اور نجمہ میں ۔

اکرم ۔ "زہرہ یہ شخص پاگل ہے، بالکل پاگل، میں تجھے اس کے گلے نہیں منڈھوں گا ۔"

نجمہ ۔ "دخل در معقولات معاف ۔ اس کا جواب میں دوں گی خالو جان آصف میاں کے دشمن پاگل ہوں ۔ وہ آزما رہے ہیں کہ ہونے والے بھتیج داماد کے ناز اس گھر میں کہاں تک اٹھائے جاتے ہیں ۔"

اکرم ۔ "چل، دور یہاں سے ۔ بڑی آئی وہاں سے آصف میاں کی وکالت کرنے، آزاد کہیں کی ۔ دیکھئے تو کیسی نئی گڑھی ہے سنو تم لوگ ۔ صبر اور ضبط کی بھی ایک حد ہوتی ہے ۔ دادا جان

کے دقتوں کی میسز کا ناس پیٹا، کتنا قیمتی حلبی آئینہ ٹوٹا۔ تم بتاؤ اگر میں آصف کے گھر جاؤں اور ایک گدھا ساتھ لے جاؤں جو گھر بھر میں گند پھیلائے اور رینک رینک کے آسمان سر پہ اُٹھائے تو .....“

نجمہ۔ ”خالو جان گدھے اور بکری میں بڑا فرق ہے۔ خالہ جان ڈرائنگ رُوم میں جا کے اپنی آنکھ سے دیکھ آئی ہیں، وہ تو بڑی سیدھی معصوم بکری ہے۔ نہ جانے کیا سُوجھا جو یہ حرکتیں کر بیٹھی۔“

اکرم۔ ”اور اِنہی حرکتوں پہ مجھ سے کہا جاتا ہے کہ زہرہ کو ایسے گھر میں دے دُوں۔“

نجمہ۔ ”اب تو خالو جان ناک ڈال لیجئے اِن سب باتوں پر۔ اور جا کے آصف میاں سے بات کیجئے اطمینان ہو جائے تو ہاں کہہ کر ہماری مبارکباد لیجئے۔“

سلمہ۔ ”میں ڈرائنگ رُوم میں گئی تو بچاری مُنہ باندھے کھڑی تھی۔ بھُولے سے کچھ ٹُوٹ پھُوٹ گیا تو اس پہ رشتہ توڑ دیا گیا؟“

اکرم۔ اچھا جاتا ہوں۔ اب اُس نابکار کی بچّی نے کوئی چیز چھُوئی بھی تو قسم ہے گولی مار دوں گا۔“

آصف۔ ”تشریف لائیے۔“

اکرم۔ ”ادھر اُدھر دیکھ کر۔“ این، لاحول ولاقوت۔ توبہ توبہ اتنی دیر میں ساری کتابیں بھی تتر بتر کر دیں۔“؟

آصف۔ ”میں نے ڈانٹنا بھی چاہا مگر.....“

اکرم۔ ”نہیں ڈانٹا۔“

آصف۔ ”جی ہاں۔ اتنا نقصان کرنے پر بھی اسے مارتے پیٹتے جی کڑھتا ہے۔“

اکرم۔ ”سُبحان اللہ آج ڈرائنگ رُوم کی سجاوٹ دیکھنے کی ہے۔“

آصف۔ ”جی ہاں جانور کو جیسی عادت ڈلوا دیجئے۔ کسی دن غریب خانہ میں تشریف لا کے دیکھئے میں نے جانوروں کو کیسا سُدھایا ہے کہوں تو اُٹھیں، کہوں تو بیٹھیں۔“

اکرم۔ ”کیوں نہیں، آپ کی ٹریننگ کا نمونہ جو سامنے ہے۔“

آصف۔ ”میرا نہیں، یہ تو جناب کا ہے۔“

اکرم۔ ”کیا کہا؟“

آصف۔ ”میں نے عرض کیا یہ آپ کی پرورش کا نتیجہ ہے۔“

اکرم۔ ”کیا معنی میری پرورش کے؟“

آصف۔ ”تو آپ کا مطلب ہے کہ یہ بکری شروع ہی سے ایسی ہے؟“

اکرم۔ ”میں کیا جانوں، یہ تم جانو تمہاری بکری جانے۔“

آصف۔ اُچھل کر۔ ”تمہاری؟ آپ کا مطلب ہے کہ یہ بکری میری ہے؟“

اکرم۔ ”نہیں تو کیا میری؟“

سیفو داخل ہوتا ہے۔

سیفو۔ ”سرکار وہ جُمن کُمہار حاضر ہے۔ کہتا ہے، پاؤں پڑتا ہوں، ذرا سی پالی تھی۔ چھوٹے سے دُودھ پلا پلا کر۔ چھُوٹ کے کوٹھی میں آ گئی۔ سرکار معاف کر دیں، خطا ہوئی۔“

اکرم۔ ”یہ تو ۔۔۔۔ بڑا ۔۔۔۔ بڑا ۔۔۔ یہ کیا ہوا۔“ دفعتاً سلمہ اور نجمہ آتی ہیں

نجمہ۔ ”خالو جان یُوں کہئے کہ رشتہ ہو گیا۔ خالو جان، آصف میاں مبارک۔“

”لمبی مسافت“

ماں (فخریہ انداز میں): ”جی ہاں۔ ابھی وہ صرف ایک سال ہی کا ہوا ہے اور آٹھ ماہ کا تھا جب سے (پاؤں) چل رہا ہے۔“
مہمان (اُکتا کر) ”سچ! پھر تو وہ بہت تھک گیا ہوگا۔“

اقبال متین

شرمیلا

"بیوی بناؤں گا تو اُسی کو ورنہ پھر عمر بھر کنوارا ہی رہوں گا۔"

ایسی کوئی بات واجد میاں نے اپنے ماں باپ سے نہیں کی — بس شرمائے جاتے اور کسی کو چاہے جاتے ——۔ بتی جلتی ہے تو اطراف میں اُجالے بھی بھینکتی ہے لیکن واجد میاں جس کے لئے جل رہے تھے اُس کے حصے میں بھی روشنی کی ایک کرن تک نہ آئی جو وہ اپنا راستہ پا سکتی۔ وہ بے چاری بھی گھور اندھیروں میں بھٹکتی رہ گئی —— جہاں ذرا سی جگنو کی چمک نظر آئی اور دوڑی پیچھے ۔ ایسے میں بھلا کیا ہاتھ لگ سکتا تھا اور اگر جگنو ہی ہاتھ لگ جاتا تو بھی ایسا کیا ہو جاتا ۔ یہی نا کہ وہ چمک بھی مٹ جاتی جو اندھیروں کا احساس بڑھا دیتی ہے ۔

اب طاہرہ کے لئے واجد میاں سناٹے میں پٹتا ہوا تاشہ نہ رہے تھے ۔ اب تو سب جا چکے صرف سناٹے رہ گئے تھے ۔ اور بس. خاندان بھر میں باتیں ہوئیں ، گھر گھر میں چرچا ہوا ۔ جس کسی نے سُنا واجد میاں کی تعریف کی ۔ بھوری بیگم کی قسمت کو سراہا —— انہیں تو آنکھ بند کر کے اپنی لاڈلی کا ہاتھ واجد میاں کے ہاتھ میں تھما دینا چاہیئے ۔ کرنے ہیرے جڑے ہیں طاہرہ میں ۔ پھر لڑکا بھی واجد میاں جیسا کمائی پوت جو دریا کے سینے سے سیپ نکال لائے اور سیپ کے سینے سے موتی ۔

اور جب تک واجد میاں دامادی کی اُمید میں بھوری بیگم کے گھر کے طواف کرتے رہے ، بھوری بیگم کے دن اچھے ہی گذرے ، اچھا کھاتیں ، اچھا پہنتیں اور طاہرہ کو تو جیسے کسی چیز کی کمی ہی نہ تھی ۔

ویسے بھی بھوری بیگم مزاج کی بڑی نرم تھیں ۔ واجد میاں پسند نہ بھی ہوتے تو طاہرہ کی خاطر وہ سب کچھ سہہ لیتیں ۔ لیکن یہاں تو معاملہ ہی دوسرا تھا ۔ واجد میاں نہ صرف بھوری بیگم کو پسند تھے بلکہ سارے خاندان کے ایک ایک فرد نے ان کی طرفداری میں اپنا ووٹ دیدیا تھا اور بات بالکل طے تھی کہ بھوری کو بڑا اچھا داماد مل رہا ہے جو پتھر کا کلیجہ چیر کر لعل نکال لاتا ہے اور اسی لعل کی روشنی سے بھوری کا گھر منور ہے۔

واجد میاں یوں بھی بھوری بیگم کے لئے غیر تو تھے نہیں انہیں کے دیور کے لڑکے تھے اور شہر بھر میں بھوری بیگم کے دیور کا دلالی کا کاروبار بڑے ٹھسے سے چل رہا تھا —— بس کھڑے کھڑے ہزاروں کی کوٹھیاں مکانات، باغات ، زمینیں نیلام کروا دیتے تھے ۔ کمیشن ملتا سو الگ ، سازباز ہوتی سو جدا ۔ دولت بٹوری سو الگ ، نام کمایا سو جدا — اور ایسے دیور کے واجد میاں اکلوتے بیٹے تھے ۔ اسطرح یہ گھر بھی واجد میاں ہی کا گھر تھا ۔ لیکن بات دراصل یہ تھی کہ دونوں گھروں کے آپس میں تعلقات کچھ کشیدہ تھے —— خون کا رشتہ عدالت کی دنیا میں بہت کچھ ہوتا ہو تو ہوتا ہو دل کی نگری میں تو بس پیار کا جادو چلتا ہے —— بھائی بھائی سے ملتا نہ تھا لیکن واجد میاں اپنی بنت عم سے بَر ملا ملتے ۔ اب اُن کے پاس تو دونوں نعمتیں تھیں ، خون کا رشتہ بھی پیار کا جادو بھی ۔ لیکن ان کی ماں اس پیار کی لہلہاتی کھیتی پر ٹڈی دل کی طرح کسی وقت بھی یلغار کر سکتی تھیں اور یہی وسوسہ واجد میاں کی مسکراہٹوں پر پہرے بٹھائے رکھتا ۔

یہی خوف بھوری بیگم کو بھی کھُل کر ہنسنے سے روکتا رہتا ۔

لیکن خاندان کی وہ عورتیں جنہیں واجد میاں کی خوشنودی منظور

ہوتی، کچھ اس قسم کی باتیں کرتیں۔

"اوئی وہ دل راضی تو کیا کرے گا قاضی"

وہ عورتیں جنہیں بھوری بیگم سے قرب خاطر تھا انہیں بھی تسلی دیتیں۔

"ہاں بہن بڑا نیک لڑکا ہے"

"لیکن ماں کے آگے لب سِل جاتے ہیں اس کے" —— بھوری بیگم اتنے دُکھ سے کہتیں جیسے اس کی نیکی کا ماتم کر رہی ہوں اور بعض اوقات واقعی اُن کی آنکھیں بھیگ جاتیں۔

"چلو جی تم تو کمال کرتی ہو بھوری۔ — واجد بچہ تو ہے نہیں جو اپنا بُرا بھلا نہ سمجھتا ہو —— ظلم حد سے سوا ہوتا ہے تو مرتا کیا نہیں کرتا"۔

ماں' ماں نہ ہوگی تو اولاد' اولاد کیوں ہونے چلی —— بھوری بیگم کی ہمدرد عورتیں تسلیاں دیتیں۔

واجد میاں اپنی چچی کے گھر وجو میاں پکارے جانے لگے۔ سبھوں نے انہیں اپنایا اور اُن کی منزلت کی۔ خود وجو میاں میں چاہے جانے کے بڑے ڈھنگ تھے۔ خاندان بھر کو اپنا لینے کا ایک ایسا طریقہ انہوں نے ایجاد کیا تھا جو آج تک اُن کے اجداد میں کسی کے بس کا روگ نہ ہوا واقعی وجو میاں کا اعجاز تھا۔ عقلیں حیران رہ جاتی تھیں۔ زبانیں گُنگ لوگ ٹکر ٹکر مُنہ تکتے رہ جاتے اور واجد میاں پھُولے نہ سماتے۔

بھئی ایف، ڈی خان کے پاس سے ہم نے کنٹرول ریٹ پر دو روپے پونے چھ آنے گز سے خریدا تھا۔

"وجو بھائی کتنی قیمت میں لے آئے امی؟"

"ایک روپیہ چار آنے سے لے آیا ہے بٹیا۔ صرف ایک روپیہ چار آنے گز"

"آدھے کو آدھا فرق امی؟"

"ہاں بٹیا ہاں —— بلا کا ہوشیار ہے یہ لڑکا۔ مٹی سے سونا اُگائے ہے"

"اللہ وجو بھائی آپ کتنے اچھے ہیں —— طاہرہ آپا تو بس ٹھاٹھ کریں گی امی"

اور واجد میاں اپنی تعریف و توصیف سُن سُن کر چھوئی مُوئی کی طرح لجاتے، بہت انکساری سے اس راز کا افشا کر دیتے کہ اُنہیں اتنے کم داموں ہر کپڑا کس طرح دستیاب ہو جاتا ہے۔

خالہ امی بات دراصل یہ ہے کہ کپڑے کا جو سب سے بڑا ٹھوک بیوپاری ہے نا سوہن لال اُس سے میری زمانے سے ملاقات ہے بلکہ آپ دوستی سمجھئے —— بلکہ —— بلکہ اب میں آپ سے کیا چھپاؤں بے چارہ معمولی سا آدمی تھا۔ اپنی کمپنی سے ابا کو کہہ کر میں نے اس کو قرض دلوایا۔ بس اُسی پیسوں سے اُس نے کپڑوں کا دھندہ شروع کیا اور دیکھتے کے دیکھتے آج شہر کا بڑا بیوپاری بن بیٹھا ہے۔ مجھے وہ سارا کپڑا مل کے بھاؤ سے دیتا ہے۔ ایک پیسہ بھی منافع نہیں لیتا۔

تم سے بھلا کیسے منافع لے گا میاں۔ تمہاری جوتیوں ہی کا تو طفیل ہے جو آج وہ سیٹھ بن بیٹھا ہے۔ خالہ بھی واجد میاں کی تعریفوں کے پُل باندھتیں اور بھوری بیگم پھُولوں نہ سماتیں۔

پھر خاندان بھر میں واجد میاں کے اس کارنامے نے پلک جھپکنے تک وہ شہرت پائی کہ کیا صاحبزادے گگارن اور کیا میاں نیوٹن نے دُنیا بھر میں پائی ہوگی۔

بھوری بیگم کے ہر چاہنے والے نے واجد میاں کو زحمت دی۔ اور واجد میاں خوشی خوشی ہر قسم کا کپڑا بازار کے آدھے داموں مل کے ریٹ سے خاندان بھر کے لئے فراہم کرتے رہے۔ عمدہ سے عمدہ ساریاں کم سے کم داموں دلائیں۔ اچھی سے اچھی شرٹنگ اونے پونے لا دی —— وہ تو خریداروں کی قوتِ خرید نے ہی جواب دے دیا۔ اب بھلا لوگ کھانا پینا سب کچھ چھوڑ کر صرف کپڑا ہی خریدنے سے تو رہے۔ جس سے جتنا ہو سکتا تھا اُس سے بڑھ چڑھ کر اس نے لیا اور واجد میاں خدمت خلق نہیں خدمت عزیز و اقارب سے خوش ہوتے رہے۔

واقعی واجد میاں کو اس کام میں ملکہ تھا۔ آئے دن مختلف قسم کے بیوپاریوں سے ملنا جُلنا، اُٹھنا بیٹھنا پھر مال کے ایسے پارکھ کے کبھی نہ چُوکتے۔ زندگی کی ہر چھوٹی بڑی ضرورت ایسی قیمت میں فراہم کر دیتے جس کا حُصول کسی دوسری کے لئے اِن داموں میں ممکن ہی نہ ہوتا۔

چھوٹی ممانی بھی بھوری بیگم کی کچھ مخالف تھیں۔ واجد میاں کا طاہرہ سے ناطہ انہیں ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ اس معاشقہ کی انہوں نے بڑی تشہیر بھی کی تھی۔ واجد میاں اُن کے ہاں کم ہی جاتے تھے۔ ایک دن واجد میاں کی امی نے کام سے اپنے بھائی کے گھر واجد میاں کو بھیجا۔ بادلِ ناخواستہ سہی تعمیلِ حکم میں وہ چلے گئے۔ ماموں تک امی کا پیام پہنچایا۔ لوٹنے لگے تو ماموں نے چائے کے لئے روکا۔ ممانی اپنے نئے ٹی سٹ کی نمائش کے موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے بھی واجد میاں کی مدارات میں کسی اخلاص کا مظاہرہ

نہیں کیا۔ لیکن واجد میاں تو بس کسی بھی اچھی چیز کے رسیلے تھے ——— ٹی سیٹ انہیں بے اندازہ پسند آیا۔ اور انہوں نے دل کھول کر ممانی سے اس کی تعریف کی۔ جب قیمت پوچھی تو ممانی نے چھبیس روپے بتلائی۔

واجد میاں پر بس ہی تو گر گئی۔ جیسے اُن کے ماموں کو کسی نے ہزاروں میں ٹھگ لیا ہو۔

"کیا قیمت بتائی ممانی جان آپ نے؟" انہوں نے جیسے اپنی جگہ سے اُچھل کر پوچھا۔

"بیس پر چھ روپے میاں۔"

"سچ! ——— بہت قیمت دے دی آپ نے۔"

ممانی نے کچھ چیں بجبیں ہو کر کہا ——— "تو کیا میں تم سے جھُوٹ کہوں گی۔"

واجد میاں سنبھلے۔ "نہیں یہ بات نہیں۔ آپ نے کسی ملازم سے تو نہیں منگوایا ہے؟"

"نہیں بھئی ——— میں خود آج ہی لے آیا ہوں۔" ماموں بیچ میں بول اُٹھے۔

"آج ہی خریدا ہے آپ نے؟" واجد میاں نے مزید تصدیق چاہی۔

"آج ہی نہیں بلکہ ابھی ابھی لائے ہیں یہ۔" ممانی نے تصدیق کی۔

"تو پھر فوری واپس کر دیجئے۔" واجد میاں نے بہ اصرار کہا۔

"آخر کیوں بھئی؟" ماموں نے کچھ بے کل ہو کر پوچھا۔

"میں یہی ٹی سٹ صرف سترہ روپے میں آج ہی لا دوں گا۔" واجد میاں بولے۔

"سچ!" ———

جی ہاں، بھلا آپ سے جھُوٹ کہہ سکتا ہوں۔"

"میں کہتی ہوں نا ——— تمہیں ڈھنگ سے کوئی چیز خریدنی ہی نہیں آتی۔ ٹھگ لیا بے ایمان نے تمہیں۔ پُورے نو روپے زیادہ لے لئے پاجی نے۔ جاؤ بھی اب۔ لوٹا آؤ جلدی سے۔ ممانی نے ایک ہی سانس میں اتنی ساری باتیں اپنے شوہر سے مخاطب ہو کر کہہ دیں۔

ماموں نے ٹی سیٹ ڈبے میں پیک کر لیا ——— تو واجد میاں کہنے لگے۔ چلئے میں بھی ساتھ ہی چلتا ہوں۔ آپ سے پیسے وہیں لے لوں گا اور آج رات بالکل یہی ٹی سیٹ خدمت میں پہونچا دوں گا۔ میں ابھی آپ کو دلا دیتا۔ لیکن جس دوکان سے مجھے لینا ہے وہ بہت دُور ہے اور مجھے دوسرے کام بھی ہیں اس وقت۔

ماموں نے ٹی سیٹ واپس کر کے واجد میاں کو سترہ روپے دے دیئے اور نو روپے گھر آ کر بیوی کے ہاتھ میں رکھا تو وہ خوش ہو گئیں کہنے لگیں۔ واجد بڑا سمجھدار اور پیارا لڑکا ہے۔ بڑا کاروباری۔ بڑا کال بیلی۔ میں اپنی نند سے کہوں گی طاہرہ کو جھٹ پٹ اپنی بیٹی بنا لیں۔

ادھر بجلی کے سُوئچ آن ہوئے ہی تھے کہ واجد میاں مُسکراتے ہوئے پہنچے۔

بالکل وہی ٹی سیٹ۔ ساتھ میں سترہ روپے کی باضابطہ رسید۔

ممانی نے گلے لگا کر پیشانی چُوم لی ——— میاں، اب میں جو بھی خریدوں گی۔ تمہارے مشورے سے خریدوں گی۔ یہ تمہارے ماموں تو بس سر کو کیچڑ ہی لگا دیں گے۔

اور واجد میاں بیٹھے لجاتے اور مُسکراتے رہے۔

لوگ کہتے ہیں شرم و حیا لڑکیوں کا زیور ہے۔ لیکن واجد میاں نے بڑے چاؤ سے یہی زیور خود پہن رکھا تھا۔ شرم ان کا مزاج تھی تو حیا ان کی فطرت۔ اب شرم و حیا کے ان پردوں سے باہر نکل کر طاہرہ تک ایک جست میں پہنچ جانا اُن کی فطرت کے مغائر تھا ان کے مزاج کے منافی۔

لیکن محبت بھی کوئی ایسا درخت تو ہے نہیں جو کسی بنجر زمین میں لق و دق صحرا میں آپ سے آپ پھلتا پھُولتا رہے۔ اور ادھر اس ننھے سے پودے کی آبیاری کرنے والے ہاتھ خود اگر اتنے نازک نازک ہوں کہ ہوا کا [illegible] ردگرم جھونکا اُن سے مَس ہو کر اُنہیں چھُوئی مُوئی کی طرح مُرجھا دے تو محبت کا پروان چڑھنا معلوم ..... آخر ہوا بھی یہی۔

طاہرہ کی سہیلیوں نے خود اپنے کانوں سے سُنا کہ طاہرہ مسکین بھائی سے کہہ رہی تھی ——— اللہ واجد بھائی کا نام لے کر آپ مجھے کیوں چھیڑتے ہیں ——— وہ تو میرے سگے بھائی ہیں۔ سگے سے بھائی ———

اور مسکین بھائی کے چہرے پہ کلیاں سی کھِل گئی تھیں۔

مسکین بھائی چار پانچ محبتوں کی اچھی بُری یادیں زادِ سفر کے طور پر اپنے ساتھ لے آئے تھے۔ اس فن میں انہیں یدِطولیٰ حاصل تھا تجربہ کار کھلاڑی تھے۔ طاہرہ جیسی لڑکی جو ہر جگنو کی چمک کو اُجالوں کا پیام سمجھ بیٹھتی تھی مسکین میاں کی سرچ لائٹ میں ہوش و حواس کھو بیٹھی آنکھیں ایسی خیرہ ہوئیں جیسے پٹی پڑ گئی ہو۔

اللہ وجو بھیا تو میرے سگ گے (سگے) بھائی ہیں۔
اللہ واجد بھائی تو میرے سگے بھائی ہیں۔
ایک بار تو ایسا بھی ہوا کہ واجد میاں کو طاہرہ کے پاس بیٹھا ہوا دیکھ کر مسکین میاں نے آتے کے آتے طاہرہ کو چھیڑا۔ مبارک مبارک۔
" اُوئی۔ وجو بھیا تو میرا سگا بھائی ہے "
" کیوں تو ہے نا میرا سگا بھائی؟"
اور واجد میاں کے پیروں کے نیچے ساری دھرتی ڈول کر رہ گئی
یا اللہ یہ کیا ہو گیا طاہرہ کو؟۔
پھر یہ دھرتی خاندان بھر کے قدموں کے نیچے ڈول گئی
کسی نے طاہرہ سے ہمدردی کی۔ کسی نے بے دنا ٹھہرایا۔
سُنتے ہو بھئی ــــ بھوری بیگم کی لاڈلی کے کرتوت ــــ
واجد میاں کو سگا بھائی کہنے لگی ہے اور وہ بھلے جا رہا ہے کہ آج تک اپنے سینے میں الاؤ سلگائے خاندان بھر کا کوڑا کرکٹ اسی الاؤ کے لئے چُنتا پھر رہا ہے۔
کیا کرے گی بھلا ــــ انتظار میں کوئی عمر تپانے سے تو رہا۔
واجد میاں الاؤ جلائے رکھیں یا آتش فشاں سینے میں بسالیں۔ طاہرہ خود بھی تو ایک جلتی ہوئی بھٹی ہے ــــ الاؤ کی آنچ آنکھوں سے چھپی تو نہیں رہتی۔ آتش فشاں پھٹ بھی تو پڑتا ہے۔ لیکن اس جلتی ہوئی بھٹی کا کیا ہوگا جس کے شعلے اپنے ہی دھویں میں چُھپ جاتے ہیں۔
مسکین میاں نے اس بھٹی پر پیار کی اتنی بارش کی کہ آخر شش کونپلیں پھوٹ آئیں۔
بھوری بیگم بس ٹک ٹک دیکھتی ہی رہ گئیں۔
مسکین میاں اُمڈے ہوئے بادل کی طرح چھائے۔ ٹوٹ ٹوٹ کر برسے اور بادل چھٹے تو کھیتی لہلہا رہی تھی۔ یہ سب کچھ اسقدر تیزی سے ہوا کہ بھوری بیگم کیا سب کے سب دیکھتے کہ دیکھتے رہ گئے۔
خاندان بھر کے چہیتے واجد میاں بھوری بیگم کے داماد نہ بن سکے
ان کی پیار کی لہلہاتی کھیتی پر واجد میاں کی ماں نے کھُلے بندوں ٹڈی دل کی طرح یلغار بھی نہیں کیا ــــ لیکن اُن کی نظرت میں شرم دحیا کا لبادہ اوڑھ کر جو بزدلی چھپی بیٹھی تھی وہ بھی تو واجد میاں کی ماں ہی نے اُن کے سینے میں چھپا دی تھی۔ جس کا احساس واجد میاں کو اس وقت ہوا جب طاہرہ نے اُن سے پوچھا۔

کیوں رے تو ہے نا میرا سگا بھائی۔
لیکن یہ خلش بھوری بیگم کے دل میں جیسے جاگزیں ہو کر رہ گئی۔
کیسا کمائی پوت داماد ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ خاندان بھر میں جسکی ہوشیاری سے زیادہ جسکے کاروبار کی دُھوم تھی۔ جس نے ہر اُس شخص کو چاہا تھا جس کو بھوری بیگم نے اپنا سمجھا۔ خاندان بھر کی ضروریات اس نے آدھی قیمتوں میں فراہم کیں۔ جس گھر میں نکل جاتا ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا۔ کیسا خاموش شرمیلا سا۔
بھوری بیگم کانپ کر رہ جاتیں۔ اس کی ہائے نہ لگ جائے کہیں طاہرہ کے بسے بسائے گھر کو۔
طاہرہ کے بسے بسائے گھر کو تو ہائے وائے لگی نہیں ــ ہاں واجد میاں اندر ہی اندر ایسے بیٹھنے لگے۔ جیسے مٹی کا گھروندا پانی پڑتے ہی ڈھے جاتا ہے۔
ایک دن وہ بھوری بیگم سے ملنے آئے تو طاہرہ نے اپنی نئی ساری انہیں تبلائی ــ جو وہ پہنے ہوئے تھی۔
وجو بھیا یہ مسکین نے میرے لئے چھتیس روپے میں لائی ہے۔
وجو میاں ساری دیکھ ہی رہے تھے کہ چھوٹے ماموں آدھمکے۔
آداب سلام کے بعد سب اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے تو واجد میاں نے ساری کا پلّو ہاتھ میں لے کر بغور دیکھا۔ بہت تعریف کی ــ پھر آہستہ سے کہا ــ بھئی چھتیس روپے بہت دے دیئے مسکین نے۔ بائیس چوبیس سے زیادہ کی نہیں ہے۔
" تو لوٹا دوں اسے " طاہرہ نے پوچھا۔
" بالکل لوٹا دو بھئی " ــ واجد میاں بولے۔
" تو لادے گا نا بھیا مجھے بائیس روپے میں " ــ طاہرہ نے مزید اطمینان کرنا چاہا۔
" ہاں بھئی لادوں گا " ــــ
ماموں بیچ میں بول اُٹھے ــــ " بھئی مسکین میاں جہاں سے لائے ہیں اُس دوکان کا پتہ بتلا کر انہیں کو دیدو نا۔ یہ اس ساری کو لوٹا بھی دیں گے اور ایسی ہی دوسری لا بھی دیں گے "
" ٹھیک ہے، ٹھیک ہے " ــ واجد میاں بولے ــــ
ماموں کہنے لگے ــــ " وجو! تمہیں یاد ہے نا ہماری سیٹ لوٹا کر تم نے نو روپے بچائے تھے " واجد میاں نے شرما کر نظریں جھکالیں۔

پھر اس طرح تڑپ کر ماموں کو دیکھا جیسے کچھ کہہ دینا چاہتے ہوں۔ لیکن کچھ بھی نہ کہہ سکے ـــــ یہ بھی نہ کہہ سکے کہ میں اپنے ہی گھر میں لوٹ لیا گیا ماموں لیکن مجھے نہ آپ نے بچایا نہ بھوری چچی نے۔

طاہرہ نے ساری بدل کر نئی ساری لادی تو وہ ہاتھ میں لے کر لُٹے اور چھپاکے سے باہر نکل گئے۔

ماموں نے کہا "بھوری' دیکھا تم نے، وہ آب دیدہ ہو کر بھاگا ہے یہاں سے ـــــ بڑا بے زبان سا لڑکا ہے۔ عجیب عجیب حرکتیں کرتا ہے۔ خاندان بھر میں چاہے جانے کی خاطر اس نے کیا کیا نہیں کیا" ـــــ اور ماموں نے ذرا سا جھک کر بھوری کے کان میں کہا ـــــ "یہ سب کچھ غریب نے طاہرہ کو حاصل کرنے کے لئے کیا تھا!"

"ہمیں بھی سنائیے نا ماموں"۔ طاہرہ نے پوچھا

"کچھ نہیں بیٹی۔ میں کہہ رہا تھا عجیب احمق سا لڑکا ہے ـــــ ایک بار میں نے ایک ٹی سیٹ چھبیس روپے میں خریدا تھا۔ اس نے کہا بہت مہنگا لیا ہے، سترہ روپے میں ملتا ہے۔ بس اتنا سننا تھا کہ تمہاری ممانی گلے کا ہار ہو گئیں کہ جاؤ ابھی لوٹا آؤ نوری ـــ میں وجو میاں کے ساتھ ہی جا کر وہ ٹی سیٹ لوٹا آیا اور سترہ روپے انہیں دیدیئے کہ وہ ایسا ہی لادیں اسی روز واجد میاں نے ٹی سیٹ ہمیں لادیا۔ یہ سیٹ انہوں نے پھر اسی قیمت میں اسی دکان سے خرید لیا اور کمی کے پیسے اپنی جیب سے خود پورے کردیئے ـــــ مجھے یہ بات کچھ دن بعد اُسی دوکان والے نے بتلائی کہ وہ ٹی سیٹ وہی صاحب خرید لے گئے جو لوٹاتے وقت آپ کے ساتھ تھے اور میں بس ششدر رہ گیا۔

"ایسا کیوں کیا ماموں" ـــــ طاہرہ نے سوال کیا۔

"تعریف نکلتی ہے نا بھئی ـــــ وہ کام جو کوئی نہیں کرسکتا وہ انہوں نے یوں کر دکھایا۔"

"ہائے اللہ"۔ طاہرہ کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"تو امی انہوں نے جو کپڑے کم داموں میں" ـــــ طاہرہ، بھوری بیگم سے مخاطب ہی ہوئی تھی کہ ماموں نے بیچ ہی میں بات کاٹ دی۔

"ہاں بھئی سب کے سب اسی طرح سستے داموں میں خرید لائے تھے اس نے۔"

طاہرہ نے دل ہی دل میں سوچا، کتنے مہنگے داموں مجھے حاصل کرنے چلے تھے وجو بھیا اور کتنے سستے داموں اپنی ہی بزدلی کے ہاتھوں مجھے بیچ دیا۔

پھر وہ کھل کھلا کر ہنس پڑی۔ ـــــ "اللہ وجو بھیا بیچارے"۔

ماموں بھی ہنس پڑے اور بھوری بیگم بھی۔

"ری۔ لے" (Relay)

موٹا آدمی: (فلم دیکھتے ہوئے اپنے پیچھے بیٹھے ہوئے ایک بچے سے مخاطب ہوتا ہے)

"کیا تمہیں دکھائی نہیں دے رہا ہے؟"۔

بچہ: "نہیں۔ کچھ بھی نہیں"

موٹا آدمی: "تو پھر تم بس دیکھتے رہو، جب میں ہنس دوں تم بھی ہنس دینا اور جب میں روؤں تو تم بھی رونا شروع کردینا!"

رجنی کانت مشرا

کالج کے دن

(گھنٹی بجنے کی آواز اور لڑکے لڑکیوں کے جلدی جلدی آنے جانے اور بات چیت کرنے کا شور و غل، دو لڑکیوں کی پیچھے سے آنے کی آواز)

اندو :- پربھا! آج ہم لوگ کالج دیر سے پہنچ رہے ہیں۔ گھنٹی بج گئی معلوم ہوتی ہے اور پہلا پیریڈ ہے آج ہمارے شیر خان کا!۔

پربھا :- باپ رے باپ! آج شیر خان کا پہلا پیریڈ ہے؟ مجھے تو یاد ہی نہ رہا، نہیں تو سویرے اتنی دیر تک سوتی کیوں رہتی؟

اندو :- اور ہمارے شیر خاں صاحب کبھی دیر سے بھی نہیں آتے۔ پربھا! کیا کرو گی بتاؤ تو؟

پربھا :- اونہہ! کریں گے کیا؟ چپ چاپ نیچا سر کرتے جا کے بیٹھ جائیں گے۔

اندو :- اور شیر خاں صاحب جب ریمارکس پاس کریں گے اور ساری کلاس جب ٹھہاکا لگائے گی تب؟

پربھا :- ریمارکس تو وہ ضرور پاس کریں گے پر وہ تو ہر روز کسی نہ کسی پر کرتے ہی ہیں، ہم لوگوں پر آج نئے تھوڑے ہی کریں گے؟ (تھوڑا رک کر) سوچتی کیا ہو؟ اب جلدی جلدی پیر بڑھاؤ۔

اندو :- نہیں جی! دیر زیادہ ہو گئی ہے۔ چلو ہم لوگ آج اس پیریڈ میں کلاس میں ہی نہ جائیں۔

پربھا :- پر شیر خان کا پیریڈ مس کرنا آسان نہیں ہے اندو!۔
(ایک اور تیز قدموں کی آواز)
ارے لو! وہ دیکھو۔ دویدی بھی اب آ رہا ہے!۔

اندو :- تو دویدی کو تم سمجھتی کیا ہو؟ وہ تو جناب ہم لوگوں سے ایک ہاتھ آگے ہی رہتا ہے، پیچھے نہیں!۔

دویدی :- (پاس آ کر) نمستے! آپ لوگوں کو بھی آج دیر ہو گئی؟

اندو :- ہاں! دیر بھی ہو گئی اور ہمارے شیر خاں صاحب کلاس میں بھی پہنچ گئے۔

دویدی :- شیر خاں! یہ شیر خاں کون ہے؟

پربھا :- ارے! آپ نہیں جانتے؟ ہمارے پرم پوجیہ ایک سو آٹھ، شری شیر خاں صاحب کو؟

دویدی :- کون سوبرامنیم صاحب تو نہیں؟

پربھا :- ہیں تو آپ ودوان! اس میں شک نہیں، آپ کو اس بار فرسٹ کلاس ضرور ملنے والا ہے۔

دویدی :- ارے فرسٹ کلاس تو آپ لوگوں کے لئے ریزروڈ ہے بھئی! ہم جیسے غریب لوگ وہاں تک کیسے پہنچ سکیں گے۔ پر یہ تو بتائیے کیا آج کلاس مس کرنے کا ارادہ ہے؟

اندو :- ہاں وچار تو ایسا ہی کچھ کر رہے ہیں۔ جا کر فائدہ بھی کیا ہے سوبرامنیم صاحب کیا بولتے ہیں کچھ سمجھ میں بھی تو نہیں آتا۔

دویدی :- اچھا آپ لوگوں کی بھی سمجھ میں نہیں آتی اُن کی بات؟ ہم تو سمجھے تھے کہ ہم ہی لوگ ایسے ابھاگے ہیں۔

پربھا :- سمجھیں گے کیسے بتلائیے؟ اُن کے گرے ہوئے دانتوں کی خالی جگہ میں سے آواز کچھ ایسے چکر کھا کر نکلتی ہے کہ ہم سنتے ہی رہ جاتے ہیں سمجھ کچھ بھی نہیں پاتے!۔

دویدی :- تب کیوں نہ ہم لوگ ایک کام کریں؟۔

اندو :- کیا؟

آندھرا پردیش

دویدی:۔ بات ذرا بڑی ہے ۔ اور یہاں راستہ میں کھڑے رہنا بھی ٹھیک نہیں ۔ اگر پرنسپل صاحب آ گئے تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے ۔

پربھا:۔ تب چلو اندو! ہم لوگ لیڈیز رُوم میں چل کر بیٹھیں ۔

اندو:۔ اور آپ؟

پربھا:۔ آپ شاید کلاس میں جا رہے ہیں!۔

دویدی:۔ نہیں نہیں! اب کلاس میں کیسے جا سکتا ہوں؟ وہ دیکھئے پیچھے والی بنچ جو دروازہ کے قریب ہے وہ بھی تو خالی نہیں، جو دھیرے سے جا کر بیٹھ جاؤں ۔

اندو:۔ تب بتائیے نا! آپ کیا کرنے کی بات کہہ رہے تھے؟

دویدی:۔ کہہ رہا تھا بات ذرا بڑی ہے ۔

پربھا:۔ ارے بھئی بتا بھی ڈالئے؟ آپ بات کی اہمیت ہی سمجھاتے رہیں گے اور پیچھے سے پرنسپل صاحب آ گئے تو بس ــــ

دویدی:۔ جب آپ نہیں مانتیں تو سُنئے ۔ میں سوچ رہا تھا کیوں نہ لڑکے و لڑکیاں مل کر ایک ڈیپوٹیشن لے جائیں؟

اندو:۔ کس کے پاس؟

دویدی:۔ ارے ان ہی سوبرامنیم عرف شیر خاں صاحب کے پاس ۔

پربھا:۔ کس بات کے لئے؟

دویدی:۔ یہی کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے مہا وِدوان ودیارتھی آپ کے عالمانہ لیکچر سے فائدہ اُٹھائیں تو ــــ

پربھا:۔ تو کیا؟

دویدی:۔ تو آپ اپنے رہے سہے دانت بھی اُکھڑا دیجئے ۔

(پربھا و اندو کی زور سے ہنسی کی آواز)

اندو:۔ (ہنستے ہوئے) واہ بھئی واہ! پر تب تو اور بھی سمجھ میں نہ آئے گی اُن کی بات ۔

دویدی:۔ آپ لوگ پوری بات تو سُنتیں ہی نہیں ۔

اندو:۔ ابھی کچھ اور بھی باقی ہے کیا؟

دویدی:۔ مکھیہ بات تو ابھی باقی ہی ہے ۔

پربھا:۔ وہ کیا؟۔

دویدی:۔ آگے ہم لوگ کہیں گے کہ اس کے بعد ایک نئی شاندار بتیسی لگوا لیجئے ۔

پربھا:۔ ہاں! تب تو ٹھیک رہے گا ۔

دویدی:۔ اور اتنا اور جوڑ دیں گے کہ اس میں جو کچھ خرچ آئے گا وہ ہم آپ کے احسان مند طالب علم آپ کے دانت فنڈ کے نام سے اکٹھا کر کے آپ کو دے دیں گے ۔

اندو:۔ بات تو آپ نے بڑے پتے کی کہی ہے! لیکن وہ دیکھئے پرنسپل صاحب آ رہے ہیں ۔ اب ہم لوگوں کو جلد ہی کھسکنا چاہئے ۔ نمستے!۔

(تینوں کی دو طرف جلد جلد جانے کی آواز)

وقفہ ۔۔۔۔ ۷

(ہلکا سا ساز)

پربھا:۔ اندو! آج ڈرامے کی پریکٹس کے لئے نہیں چلو گی کیا؟

اندو:۔ چلوں گی کیوں نہیں؟ پر ذرا ٹھیرو پربھا ۔ یہ نوٹس کچھ باقی رہ گئے ہیں انہیں لکھ لوں پھر چلتی ہوں ۔

پربھا:۔ ارے رہنے بھی دو نوٹس ۔ وہاں راجکماری نینیکا کے بنا سب سُونا پڑا ہوگا اور آپ بیٹھی ہیں نوٹس لکھنے!۔

اندو:۔ ارے بھئی راجکماری نینیکا بن جانے سے اگر امتحان میں بھی پاس ہو جاتی تو نوٹس لکھنے کی بات کون کہے ۔ سچ کہتی ہوں ان کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھتی! پر تم تو جانتی ہی ہو راجکماری نینیکا کا جادو بہت تھوڑے ہی دن ٹکے گا تب ان نوٹس کی شرن جانا ہی پڑے گا پربھا!۔

پربھا:۔ نہیں نینیکا رانی! تمہارا جادو اتنا ہلکا اور بے اثر نہیں ہے اطمینان رکھو ۔ کل جب تم پانچویں سین میں گانا گا کر اندر چلی گئی تھیں تب میں نے بہتوں کو کہتے سُنا تھا ۔

اندو:۔ کیا سُنا تھا؟

پربھا:۔ کہ ابھی تک تو ہم سمجھتے تھے کہ اندو پڑھنے لکھنے میں ہی ہوشیار ہے پر یہ تو ہمیں اب معلوم پڑا کہ وہ ڈرامہ بھی اتنا سُندر کھیلتی ہیں ۔

اندو:۔ کون کہہ رہا تھا بھلا بتاؤ تو؟

پربھا:۔ کِسے کِسے بتاؤں اندو؟ سبھی تو کہہ رہے تھے! پر دیکھو کہیں بھُول مت جانا!

اندو:۔ ہشت! پگلی کہیں کی! کیا میں ایسی بیوقوف ہوں؟

پربھا:۔ نہیں بھئی! مگر تعریف سُن کر بھُول جانا فطری بات ہے اور جب تعریف کا ایک نشہ سا چڑھ جاتا ہے تب آدمی کبھی کبھی

ایسا بھی کام کر ڈالتا ہے جو اُسے کبھی نہ کرنا چاہیئے تعریف کرنے والی آنکھوں میں ایک مدیرا ہوتی ہے۔ اندو! اور تمہیں اسی سے بچے رہنے کے لئے میں ساودھان کرتی ہوں۔

اندو:۔ تمہیں ہو کیا گیا ہے پربھا؟

پربھا:۔ کچھ نہیں! اب تم یہ سب نوٹس اڈٹس اُٹھا کر رکھدو۔ نہیں تو مجھے چھیننا پڑے گا۔

اندو:۔ اچھا لو بھئی رکھ دیا! چلو اٹھو!

پربھا:۔ نہیں، ابھی نہیں! پہلے وہ گانا تو ایک بار سنا دو؟

اندو:۔ اب وہیں سُن لینا نا چل کر، اتنی بھی کیا جلدی پڑی ہے؟

پربھا:۔ نہیں اندو۔ مجھے وہ گیت بہت پسند ہے۔ ایک بار سُنا دو اور بالکل اُسی طرح سُنانا، جیسے اسٹیج پر گاتی ہو۔

اندو:۔ پربھا گانا وانا مجھے بالکل ہی نہیں آتا اور نہ ایکٹنگ کرنے میں ہی ماہر ہوں۔ پر ایک بات ضرور ہے۔ جب میں اسٹیج پر جاتی ہوں تب لگتا ہے جیسے سچ مچ میں راجکماری ہوں۔ بی ٹی کالج میں پڑھنے والی ایک معمولی لڑکی تب نہ جانے کہاں کھو جاتی ہے۔

پربھا:۔ یہی سپھلتا کی کنجی ہے اندو! اور اسی لئے تم اپنے پارٹ میں اتنی زیادہ کامیاب ہوتی ہو اور میں ــــ میں چاہ کر بھی اپنے کو نہیں بھول سکتی۔ اسی لئے میرا پارٹ نیچا رہ جاتا ہے۔

اندو:۔ ایسی بات نہیں ہے پربھا! مجھے تو تمہارا پارٹ ہی بہت اچھا لگتا ہے۔

پربھا:۔ اُونہہ! یہ تو تم مجھے بہلانے کے لئے کہہ رہی ہو۔ خیر جانے دو، میری کمزوری مجھے اچھی طرح معلوم ہے۔ اب تم اپنا وہ گانا تو سُناؤ؟

اندو:۔ پر ریہرسل کو جانے کے لئے دیر جو ہو رہی ہے۔؟

پربھا:۔ ارے کچھ نہیں ہو رہی ہے۔ گانے میں گھنٹے لگے گا کہ دو؟ (گھنٹے)

اندو:۔ مجھے کیا! میں سُنائے دیتی ہوں۔ ابھی تو تمہیں جلد مچا رہی تھیں۔

پربھا:۔ اچھا اچھا سُناؤ۔

اندو:۔ لو سنو!

گیت

تُو لیکا لے سوچتی ہوں چتر پَٹ پر کیسا بناؤں
رنگ بھی ہے انگ بھی ہے پر کہاں سے پران لاؤں
پھول کو دُوں واس، سَرتیا کو پراواہ پر دان کر دُوں
کنتو سَو رَبھ چپل گتی کل ناد مَیں کس بھانتی پاؤں
سرشٹی ست رنگے وسن میں چتر شالا سی سجی ہے
چترِ مَے سنسار میں مَیں چترہی کیوں بن نہ جاؤں

پربھا:۔ واہ! کتنا سُندر گیت ہے! جبکہ ابھی تم نے اتنا اچھا نہیں گایا جیسے اسٹیج پر گاتی ہو۔

اندو:۔ شاید مداحوں کی آنکھوں کی مدیرا نہیں ملی اسی سے!

پربھا:۔ ضرور یہی بات ہے!

اندو:۔ اچھا چلو مہارانی! اب اُٹھو بھی نہیں تو وہاں جاکر پروفیسر صاحب کی پھٹکار سُننی پڑے گی۔

پربھا:۔ چلو۔!

(کرسی۔ میز ہٹانے کی آواز اور دونوں کے جلدی جلدی جانے کی آواز)

وقفہ

(غمگین لے میں ساز۔ پربھا اور اندو کا باتیں کرتے ہوئے آنا)

اندو:۔ تو آخر ہو گیا ہمارا ڈرامہ۔ اتنے دنوں سے کیا طوفان مچا تھا ڈرامہ۔ ڈرامہ، ہو گیا آج ڈرامہ ختم۔

پربھا:۔ ڈرامہ ابھی ختم کہاں ہوا اندو! تم نے سُنا نہیں۔ ہمارے پروفیسر صاحب کہہ رہے تھے کہ ہمارا یہ ناٹک اتنا اَدھک پسند کیا گیا ہے کہ ہم اسے چترا ٹاکیز کے اسٹیج پر لگاتار تین دن تک اور کھیلیں گے اور اس بار پبلک کے لئے کھیلیں گے

اندو:۔ اچھا۔

پربھا:۔ ہاں! اور تمہارا پارٹ تو اتنا پسند کیا گیا کہ کچھ حد نہیں۔ لوگ کہتے ہیں اتنا اچھا ناٹک اس کالج میں کبھی نہیں کھیلا گیا۔

(قدموں کی آواز)

دویدی:۔ بدھائی! بدھائی اندو جی! پربھا جی! آپ لوگوں نے تو آج کمال کر دیا۔ دیکھنے والوں کو آپ لوگوں نے اس طرح مسحور کر رکھا تھا کہ دو گھنٹے تک لوگ یہ بھی بھول گئے کہ ہم کون ہیں اور کہاں ہیں؟۔

اندو :- دھنیہ واد دویدی جی! لیکن ناٹک کی کامیابی کا سہرا ہمارے سر نہ باندھیے۔ کیونکہ اگر ہم ہی دونوں مل کر ناٹک کھیلتے تو یقین جانیئے ناٹک اتنا زیادہ کامیاب کبھی نہ ہوتا۔

پربھا :- اور دویدی مجھے تو بدھائی دے کر تم اور بھی شرمندہ کر رہے ہو میں تو آج اتنی زیادہ نروس ہو گئی تھی۔

دویدی :- نہیں! نہیں! آپ کا پارٹ تو بڑا اچھا رہا۔ آپ بیکار ہی ایسا محسوس کر رہی ہیں۔ کیا آپ نروس ہو گئی تھیں؟ اور اندو جی کا تو سچ مچ بے مثال رہا۔ سچ پوچھئے تو ہم لوگوں نے آپ کے بارے میں کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ آپ اتنا اچھا ایکٹنگ بھی کر سکتی ہیں۔

اندو :- آپ کی تو عادت ہے رائی کا پربت بنا لینے کی۔ پر اب آپ میری تعریف کر کے مجھے اور ادھک شرمندہ نہ کیجئے۔

دویدی :- اچھی بات ہے! کان پکڑتا ہوں، جو اب آپ کی تعریف کروں، پر یہ تو بتایئے اتنی رات کو آپ ہاسٹل کیسے جائیں گی۔ چلئے آپ کو وہاں تک پہنچا آتا ہوں۔

پربھا :- دھنیہ واد دویدی جی! ابھی تو ایسی رات نہیں ہوئی ہے۔ صرف دس ہی بجا ہے اور رات بھی چاندنی ہے پھر بنارس کی ان گلیوں میں کبھی بھی کسی طرح کی ڈرنے کی کوئی بات ہی نہیں ہے ہم لوگ چلی جائیں گی۔ آپ حیران کیوں ہوتے ہیں۔ لیجئے آپ کا ہاسٹل بھی آ گیا۔

دویدی :- اچھا تو نمسکار!

پربھا اور اندو :- نمستے!

وقفہ

اندو :- بڑی چپ ہو پربھا!

پربھا :- چپ تو تم ہی ہو اندو!

اندو :- میں سوچ رہی ہوں پربھا! کالج کا جیون کتنا سکھی ہوتا ہے سپنے کے جیسا سندر! ہر ایسا سپنا جو کیوں ایک بار ہی دیکھا جاتا ہے اور پھر زندگی میں کبھی دیکھنے کو نہیں ملتا۔

پربھا :- آج بڑی جذباتی ہو رہی ہو اندو!

اندو :- جذباتی تو میں ہمیشہ سے ہوں! پر تمہیں بتاؤ کیا تم اس طرح کبھی نہیں سوچتیں۔ جب سے ہم لوگ یہاں آئے ہیں تب سے کیا کبھی ہم نے یہ محسوس کیا کہ اب ہم بڑے ہو گئے ہیں بچے نہیں رہے۔

پربھا :- نہیں!

اندو :- ہم کتنے نشچنت ہیں کتنے بے فکر! کتنے سکھی! کھانا، سونا اور آنند منانا یہی تو ہمارا کام ہے یہاں۔ گھر سے پیسے آ جاتے ہیں۔ پکا پکایا کھانا مل جاتا ہے اس سے بھی جب سنتوش نہیں ہوا تو دشاشومیدھ پہنچ کر چاٹ اڑاتے ہیں اور اب جب اپریل میں امتحان دے کر اور کالج کے اس جیون کو سدا کے لئے نمسکار کر کے چلے جائیں گے تب ــــ کیا تب بھی اس زندگی کا نشچنتا کا ناتا ہم سے رہ جائے گا؟

پربھا :- نہیں جی! تب تو پھر وہی پرانا چرخا شروع ہو جائے گا۔ آج گھر میں دال نہیں ہے، آج نوکر نے چھٹی لے لی ہے۔ آج گھر میں کوئی بیمار ہے اور بس ساری زندگی ایسے ہی بیت جائیگی۔

اندو :- خیر! اب رہنے بھی دو ان باتوں کو! سمئے کو ہم پکڑ نہیں سکتے۔ بھاگیہ کو ہم پلٹ نہیں سکتے۔ جب یہ کچھ نہیں کر سکتے تو اپنے کو ہی کیوں دکھی کریں۔ ابھی تو ہم کالج کے اسٹوڈنٹس ہیں ابھی تو ہمارے چار مہینے، بارہ گھنٹے دن اور بارہ گھنٹے رات والے چار مہینے باقی ہیں۔ پھر جو کچھ ہو گا دیکھا جائے گا۔ اب چلو شروع کرو تو وہ بچپن والا گیت۔

گیت

آج ملا ہے اوسر تب پھر کیوں نہ چھلکیں جی بھر ہالا
آج ملا ہے اوسر تب پھر کیوں ڈھال نہ لیں جی بھر پیالا
چھیڑ چھاڑ اپنے ساقی سے آج نہ کیوں جی بھر کر لیں
ایک بار ہی تو ملنی ہے جیون کی یہ مدھوشالا

÷ ÷ ÷

شکیل

گیت

کس نے چھیڑا دیپ راگ یہ، ساتھی سانجھ ڈھلے
آج اُما کے من میں تک ہیں منگل دیپ جلے

کیسا تھا وہ پنیہ، جسے چھو، بدلا روپ اما کا
جس پر سو سو بار نچھاور، مدھر شرد کی راکا
کن کن میں اُلاس، راگ کی مدر لہر سور سور میں
پھول کھلے ہیں، دیپ جلے ہیں، ہر ویران نظر میں
مسکانوں کی تیز دھوپ میں، دکھ ہم کھنڈ گلے

راگی، کنتو نہ جیوتی جگی، اب تک انسان کے من میں
پریم ستیہ کی کرن چھپی ہے، اب تک سوارتھ وجن میں
سڑکیں، محل، اٹاری جگ مگ من کالک سے کالے
بول نہ ابھریں من کے ایسے پڑے روح پر تالے
جیون کی چنگاری چھپے تم کی راکھ تلے

سوارتھ شنی نے مانو من کو، آ کر جب سے گھیرا
اس جیون میں گھا تمر نے ڈال دیا ہے ڈیرا
حال یہ ہوا، اب خود کو پہچان نہیں پاتا ہے
لے امرت کی چاہ، گرل پینے میں سکھ پاتا ہے
پھول جھڑیں ادھروں سے، سانسوں میں انگار پلے

بڑھا راگ کی لو، کہ جیوتی پھر جن من تک لے جائیں
سلگی تانوں سے جیون کی، جڑتا کو پگھلائیں
ایک رام، کا پنیہ جگا، تو جلے دیپ گھر گھر میں
ہم چالیس کروڑ، جیوتی پھیلا دیں دنیا بھر میں
سلگا دیں وہ دیپ یا نت جو یگ یگ ست چلے

... راکھ ہوتی ہے ... اندھیرا ... گہرا اندھیرا ... زہر

سُمت پرکاش شوق
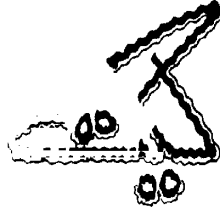
آج پھر تم یاد آئے

سونا پنگھٹ بات کوئی ہولے ہولے کہہ رہا ہے
رات کی آنکھوں سے کاجل دھیرے دھیرے بہہ رہا ہے

آس بیٹھی رو رہی ہے پاؤں میں پائل سجائے
آج پھر تم یاد آئے

کون جانے سُونے پن نے کتنے افسانے بُنے ہیں
پھول کتنے سوپن کی سندر پٹاری سے چُنے ہیں

کامنا در پر کھڑی ہے ہاتھ میں مہندی رچائے
آج پھر تم یاد آئے

سانجھ کی پلکیں جھکیں تو چاہتوں نے دیپ بالے
سوچ کی لہروں پہ بہتے کچھ اندھیرے کچھ اُجالے

مجھ کو تاروں نے بتایا رات تم بھی سو نہ پائے
آج پھر تم یاد آئے

آندھرا پردیش

رفعت سروش

حریمِ ناز

قدم قدم پہ بپا تھے خرد کے ہنگامے
نفس نفس کے جلو میں ہزار تعزیریں
تمام دن غمِ ہستی کی چھاؤں میں گزرا
کہ ایک لغزشِ پا اور لاکھ زنجیریں

تھکن سے چُور بدن سو گیا شبستاں میں
بکھر گیا غم و ہوش و خرد کا شیرازہ
حریمِ ناز میں پہونچا دیا جُنوں نے مجھے
کھُلا ہوا تھا تصور کا چور دروازہ

میں اجنبی ہوں جو گھبرا کے اوڑھ لی چادر
ذرا تو خود کو سنبھالو، عرق عرق ہے جبیں
تمہاری شمعِ شبستاں بتا رہی ہے مجھے
کہ اتنی رات گئے کِس کے، اِنتظار میں تھیں

میں بے نیازِ مذاقِ دل و نظر! تسلیم،
میں بے وفا ہی سہی پھر بھی لوٹ آیا ہوں،
کچھ اپنا سوزِ درُوں، کچھ تمہاری یاد کے پھُول
پسند ہو تو یہ گیتوں کا ہار لایا ہوں

ٹھٹک رہا ہے پہاڑوں کی گود میں وہ چاند
وہ چاند جس کی نگاہوں سے پیار ہے تم کو
مچل رہا ہے وہ دل اب بھی میرے سینہ میں
وہ دل کہ جس کی خطاؤں سے پیار ہے تم کو

بکھیر دو کوئی نغمہ، اٹھاؤ سازِ بہار
یہ وقت یُوں نہ گنواؤ کہ رات جاتی ہے
یہ اشک! ٹوُٹ نہ جائیں کہیں مہہ و انجم
ذرا نظر تو اُٹھاؤ کہ رات جاتی ہے

مجھے پُکار نہ لیں پھر خرد کے ہنگامے
فضا کے بطن میں پھر صُبح کُلبلاتی ہے

بس ایک جرعۂ کیفیتِ بہارِ چمن
کہ انتشار میں ہوگا تھکن سے چُور بدن،

شہاب جعفری

زمانہ

تم کو کچھ یاد ہے؟ — اس پیڑ کی چھاؤں تلے
اب جہاں اتنی اداسی ہے کہ ہم تم چپ ہیں
سوچ میں گم ہیں کہ ہم کون ہیں، کیا ہیں، جو یہاں
دشت در دشت کڑی دھوپ میں چل کر اب بھی
بے تعلق سے چلے آتے ہیں، ہر شام ڈھلے
کبھی ہم نے ہی بتائی ہیں ملن کی صدیاں؟

شوقِ بیدار کی ایثار کی صدیاں، جن میں
کتنی ہی بار تو نکلی ہے خلا سے یہ زمین
گردشِ رقص میں نغمات کا بدلا موسم
موسمِ نغمہ میں لمحات کی پھوٹی کونپل
نت نئے رنگ کی اس پیڑ نے بدلی پوشاک،
چشمِ بے خواب کے آئینوں میں اک عکس لئے
ہم نہاں خانۂ دل چھوڑ کے باہر آئے

دشتِ احساس سے آگے تھا ابھی اپنا وجود
منزلِ شام پہ ٹھیرے یہ مسافر سائے

اور اب! سوچ رہے ہیں، یہ ملن کیسا تھا؟
دکھ سے بھرپور تغیر پہ جمی ہیں نظریں
شاخ سے ہو کے جدا غنچے یہ دیتے ہیں صدا
منزلِ قرب سے آگے بھی ہے دشتِ احساس!
ہائے پھر ہمسفری کا یہ چلن کیسا تھا؟

ہم کوئی درد ہیں اس دور کی تنہائی کا
کھو گئی ہے کششِ غم، تو ہیں سہمے سہمے
تنگ دل بے حس و بدخواہ زمانے کی یہ چھاؤں
وہ سکوں بخش فسوں ہے کہ کسی کو بے درد!
حالِ بے مائگیِ دل نہیں کہنے دیتی!!

★

عزیز قیسی

پیکرِ ناہید

نغمہ ہے یا پیکرِ سیمیں لچکیلا لچکیلا سا
تان ہے یا کوئی قامتِ موزوں لہریلا لہریلا سا
سُر ہے یا کوئی خطِ بدن ہے شرمیلا شرمیلا سا
مُرکی ہے یا اک خمِ نازک، کافر سخت سجیلا سا
ساز کی جُنبش سے میں نے تفسیرِ نگاہِ ناز سُنی
آوازوں کے چہرے دیکھے چہروں کی آواز سُنی

اختر راہی

عکس

ذہن ہے ایک آئینہ خانہ
جس میں ہیں لاکھوں تصویریں
بے گنتی انجانے چہرے
گریاں گریاں آنکھوں والے
حیراں حیراں صورت والے
یُوں مجھ کو دیکھا کرتے ہیں
جیسے یہ سب میرے گھر کے
بوڑھے، بچے اور جواں ہیں
بے گنتی انجانے چہرے
چُپ چُپ گریاں گریاں آنکھیں
کیسے موتی رول رہی ہیں
جانے کیا کچھ بول رہی ہیں
نادانوں نے جانے کیا کیا
ہم لوگوں کے نام تراشے

لو، ہم یہ سب لوٹاتے ہیں
اب یہ ہمارے نام نہیں ہیں
انساں ہیں تو بس "انساں" ہی
اب سے ہمارا نام رہے گا
ہم بھی دُکھی ہیں، تم بھی دُکھی ہو
دونوں کے دُکھ بے درماں ہیں
دونوں کے دُکھڑے یکساں ہیں
سچ پوچھو تو اس نسبت سے
ایک ہی گھر کے ہم انساں ہیں!

شمیم تمنائی

خود فریب

کون سی رات تری یاد سے ضَو ریز نہیں
پھوٹتی پَو ہے ترے ذکر کی تمہیدِ حسیں
ماورائے سحر و شام ہُوا جاتا ہے
وہ تصوّر جو مری رُوح میں ہے پَردہ نشیں

تیرگی بڑھتی ہے اُمڈے ہوئے طُوفاں کی طرح
اور میں پلکوں میں تارے سے پُرو دیتا ہوں
آنچ آتی ہے ترے عارض ولب کی جس دم
آگ سی آگ مناظر میں سمو دیتا ہوں

میری مجبوریٔ ہجراں کا تقاضا ہے یہی
تو تصوّر میں نظر آئے تو رو دیتا ہوں
میں کہ ہر عشرتِ امروز بہ فکرِ فردا
اپنے اشکوں کی روانی میں ڈبو دیتا ہوں
ترے الطاف و محبت کی کھنکتی صُبحیں
شامِ فرقت کے تصوّر ہی سے کھو دیتا ہوں
رات اِک پہلوئے بے تاب رہی ہے کہ جو تھی
زندگی دیدۂ بے خواب رہی ہے کہ جو تھی

منظور الامین

شہرِ تنہائی

بجھتی جاتی ہے چاند کی قندیل
ہر طرف ایک خامشی کی فصیل
کتنی پُر پیچ اور کتنی طویل

بام و در پر ہیں پہرہ ہائے سکوت
شور اور غل کا اُٹھ چکا تابوت
محوِ حیرت ہے عالمِ ناسوت

خامشی، خامشی سے محوِ کلام
ہو چکا کام ناطقے کا تمام
رُک گئی آج گردشِ ایام

شب کے پچھلے پہر میں تنہائی
اک کمیں گاہ سے نکل آئی
بن گیا شہر خود تماشائی

راہیں مبہوت، سرنگوں اشجار
گلشنوں میں نہ رنگ و بو کا فشار
زیست بوجھل، کٹھن، گراں، دشوار

دھول اُڑتی ہوئی سی وحشت کی
دور سناٹے نے صدا سی دی
غم نے پھر دل میں ایک کروٹ لی

ہو چکا ہے سکونِ دل تاراج
حیف غم کا نہیں ہے کوئی علاج
کوئی ساتھی نہ غم گسار ہے آج

وا ہوئے حلقہ ہائے دار و رسن
نہ تو آہیں نہ نالہ و شیون
چاک ہے زندگی کا پیراہن!

رایزدیش

قتیل شفائی

غزل

دم بہ دم تیرے قدم چوم رہی ہے دُنیا
اپنے محور پہ ابھی گھوم رہی ہے دُنیا

جانے کیا رنگ بکھیرا ہے اُفق پر تُو نے
رقص کرتی ہے فضا جھوم رہی ہے دُنیا

پُرنشاں دیکھ کے مہتاب کی جانب تجھ کو
آج کچھ دیر تو مغموم رہی ہے دُنیا

بارہا آیا عناصر کو بغاوت کا خیال
پھر بھی انسان کی محکوم رہی ہے دُنیا

ہوں مبارک تجھے عقبیٰ کی بہاریں زاہد
میرے ماتھے پہ تو مرقوم رہی ہے دُنیا

کیا مرے دین میں آیا ہے کوئی نقص اُس سے
مجھ کو دیکھو مرا مقسوم رہی ہے دُنیا

اتنی آباد مگر پھر بھی ہے سنسان قتیل
جانے کس چیز سے محروم رہی ہے دُنیا

غزل

کوئی سمجھا رموزِ دلبری کم
وہ ظالم اجنبی اور اجنبی کم

ابھی کچھ کہتے کہتے رُک گئے وہ
کلی جیسے کھلی لیکن کھلی کم

یہ کیا ہے اے خدائے عشق جانسوز
محبت دی زیادہ زندگی کم

گُلوں کی مُسکراہٹ پر نہ جانا
ہنسی ہے یاں بہت لیکن خوشی کم

یہ دیوانہ بھی کچھ خود دار سا ہے
اُسی در پر رہا آواز دی کم

نشانہ تک نہ پہونچا تیر کوئی
کمانِ زندگی ھم سے کھچی کم

یہ توبہ اور یہ تبلیغ توبہ
غرورِ بندگی ہے بندگی کم

یہی حاصل ہے اس دَور الم کا
محبت کم، خوشی کم، زندگی کم

حیاتِ رنگ و بُو کے مرحلوں میں
ہجوم آدمی اور آدمی کم

نشورؔ اس دَور کا فن بھی الگ ہے
سخن سازی زیادہ شاعری کم

جگن ناتھ آزاد

غزل

دھوپ میں بادِ صبا یاد آئی — تری محفل کی فضا یاد آئی

شورِ دل نے جو پریشان کیا — تری خاموش نوا یاد آئی

یاد آئی یہ مرے دل میں تری — کہ سلیماں کو سبا یاد آئی

ہائے یہ جورِ زمانہ کی تپش — تری زلفوں کی گھٹا یاد آئی

تجھ کو پھر دیکھ کے خاموش و اداس — پھر مجھے اپنی خطا یاد آئی

مجھ کو گلمرگ کے فردوس میں بھی — اے دکن! تیری ہوا یاد آئی

جس کو میں نام کوئی دے نہ سکوں

پھر وہی تیری ادا یاد آئی

خورشید احمد جامی

غزل

نگاہوں میں لئے کتنے ہی افسانوں کا افسانہ
کہاں سے ہو کے آیا ہے نہ جانے شوقِ دیوانہ

نہ وہ چہرے نہ وہ دھوکے نہ وہ یادیں نہ وہ شعلے
شبِ غم ہو چلی ہے زندگی اپنوں سے بیگانہ

دیا ہے ہر قدم پر وقت کی سنگین راہوں نے
مرے فن کے اُجالوں کو نئے زخموں کا نذرانہ

یہ جلتے روز و شب یہ تلخیٔ دوراں یہ ہنگامے
کہاں تک تشنگی کا ساتھ دیتی یادِ میخانہ

اندھیروں میں بھٹکتے جا رہے ہیں پھول تاروں کے
تعاقب کر رہا ہے اُن حسین آنکھوں کا افسانہ

لئے پھرتی ہے کتنے میکدوں کا بانکپن اب بھی
دیارِ آرزو میں غمزدوں کی وضع رندانہ

جب آدھی رات کو اُس یاد کا سورج نکلتا ہے
تو جیسے بول اُٹھتا ہے تخیل کا صنم خانہ

بہار آئی تو ہے لیکن ابھی اُس کی نگاہوں میں
وہی جلتی چتائیں ہیں وہی بے خواب ویرانہ

سنا ہے روشنی کی آرزو میں پھر کہیں جامی
درِ ظلمت پہ دستک دے رہا تھا کوئی دیوانہ

فنا نظامی

غزل

دن گذر گیا اعتبار میں ۔۔۔ رات کٹ گئی انتظار میں
میرے قبضہ میں کائنات ہے ۔۔۔ میں ہوں آپ کے اختیار میں
آنکھ تو اُٹھی پھول کی طرف ۔۔۔ دل اُلجھ گیا حُسنِ خار میں
کیسا میکدہ دیر و کعبہ کیا ۔۔۔ ہر مقام ہے کوئے یار میں
فکرِ آشیاں ہر خزاں میں کی ۔۔۔ آشیاں جلا ہر بہار میں
بام توڑ کر دیکھ محتسب ۔۔۔ کتنا ظرف ہے بادہ خوار میں
آج ہو گئی شرحِ زندگی ۔۔۔ لُطف آگیا جشنِ دار میں
کوئے عاشقی معتبر سہی ۔۔۔ ہم تو لُٹ گئے اس دیار میں
عشق اور ہوس دونوں ہیں حسیں ۔۔۔ امتیاز کر نور و نار میں

اے فنا نہ ڈر مرگِ عشق سے
کارواں نہ ہو اس غبار میں

شاہ جہاں بیگم یاد

غزل

ہم زخمِ قلب و زخمِ جگر دیکھتے رہے
ان آئینوں میں تیری نظر دیکھتے رہے

ہم اپنے ذوقِ دید سے کب مطمئن نہ تھے
جلوے ترے بقیدِ نظر دیکھتے رہے

ہم خود تماشہ گاہِ جہاں میں تماشہ تھے
کیا دیکھتے کسی کو مگر دیکھتے رہے

کیا جانے کیا خیال تھا وقتِ سفر انہیں
پہروں نقوشِ راہگذر دیکھتے رہے

ہم اپنی لغزشوں کے سہارے سنور گئے
حیرت سے ہم کو آئینہ گر دیکھتے رہے

سنتے ہیں ایک منظرِ دلکش گذر گیا
اے یادؔ ہم نہ جانے کدھر دیکھتے رہے

شہریارِ پرواز

غزل

حسرت نہیں کہ فطرتِ بے مدعا نہیں ۔۔۔ تیرے کرم سے دامنِ خالی میں کیا نہیں

ہر موجِ تند جانتی ہے ناخدائیاں ۔۔۔ طوفاں تو میرے ساتھ ہے گر ناخدا نہیں

جب تک تھا اپنا ہوش وہ رہتے تھے دور دور ۔۔۔ اب آ گئے قریب تو اپنا پتا نہیں

طوفاں سے کھیلتا ہوا دریا کو پار کر ۔۔۔ مقصود ہے عبور ترا ڈوبنا نہیں

کیا طاعتِ مدام کا انعام ہے یہی ۔۔۔ یوں جی رہے ہیں جیسے ہمارا خدا نہیں

اک خواہشِ مدام پہ ہے عشق کا مدار ۔۔۔ یہ بھی ہے مدعا کہ کوئی مدعا نہیں

اپنی نگاہِ شوق کی بیچارگی سے پوچھ

آوازِ بازگشت ہے یہ التجا نہیں

غزل

اپنی مجبوریوں کی کسے کیا خبر کیا سناؤں تمھیں داستاں دوستو
آج تک ہے اسی چاہ سے منتظر وہ نگاہ رہِ دلبراں دوستو

کیا ہوا آج سستا ہے اپنا لہو گر چھلکتے رہیں یونہی جام و سبو
اور پیدا ہوا اک عالمِ رنگ و بو اس میں کاہے کا سود زیاں دوستو

ہر کنواری تمنا کا دم گھٹ گیا پھول کھلنے نہ پائے چمن لٹ گیا
ایک اک کر کے ہر ہمسفر چھٹ گیا زیست یونہی نہیں خونفشاں دوستو

داستانِ لب و چشم جاری رہے غمگساری رہے بادہ خواری رہے
شوقِ منزل جواں بیقراری رہے یونہی چلتا رہے کارواں دوستو

جگمگانے لگے آج دشت و دمن مسکرانے لگی روحِ اہلِ چمن
کھل گئے چارسو سوسن و نسترن کون لیتا ہے انگڑائیاں دوستو

آج نرمل نہ جانے یہ کیا کہہ گیا اک زمانہ یہی سوچتا رہ گیا
روپ لیکر غمِ آرزو سے نیا زندگی ہو گئی جاوداں دوستو

مرزا شکور بیگ ایم اے ورنگل

غزل

دل میں تیرا ہی دھیان ہے پیارے
منہ میں سگریٹ پان ہے پیارے

حشر کے دن رزلٹ (RESULT) نکلے گا
زندگی امتحان ہے پیارے

تصفیہ کس طرح ہو آپس میں
جب کہ تو درمیان ہے پیارے

آ بھی جا انتظار میں تیرے
فقط آنکھوں میں جان ہے پیارے

شائبہ تک نہ جس میں ہو سچ کا
وہی حلفی بیان ہے پیارے

جس کو ٹوکا وہ پھر نہیں پنپا
تیری "کالی" زبان ہے پیارے

وقت بدلا تو پھیر لی آنکھیں
تو بڑا بے ایمان ہے پیارے

منہ میں ہیں دانت اور نہ پیٹ میں آنت
کیسا بانکا جوان ہے پیارے

بعد پنشن کے یوں ہوا محسوس
تیر غائب کمان ہے پیارے

جو کہا وہ نہیں کیا مرزا
کیا تری آن بان ہے پیارے

آندھرا پردیش

فرخ سہیل

اِس نظم میں

رفتگاں

دروازے اُداس اور گُم سُم
دہلیز کو چُپ سی لگ گئی ہے
کیوں دُور سے اُن کے قہقہوں کی
آتی نہیں آج کوئی آواز
اب کوئی نہ انگلیوں کی جھنکار
نے قدموں کی کوئی راگنی ہے

کس حال میں ہیں یہ کون جانے
سب اپنے ہم سبق، وہ ساتھی
کہہ کر تو گئے تھے پھر ملیں گے
کیا جانے کہ اُن پہ کیسی بیتی
آوارہ ہے اب بھی کون پھرتا
راس آگئی کس کو گھر گرہستی
آتے ہیں بہت سے آنے والے
کچھ اجنبی، کچھ رفیق و ہمدم
لیکن کئی سال مجھ پہ گذرے
سُننے کے لئے ترس گیا ہوں
دستک کہ جواب بھی جانتی ہے
وہ نام جو میرا پیار کا ہے

آندھرا پردیش

سنہ ۴۷ء کے بعد جن شاعروں نے اپنی لَے بلند کی اُن میں خلیل الرحمن اعظمی اپنی گھائل اور جیٹھلی آواز کی بنا، پر بڑی اہمیت کے مالک ہیں۔ اِن کی شاعری کا لہو ترنگ جن عناصرِ ترکیبی سے عبارت ہے ان میں یادوں کو بڑا دخل ہے۔ یہ یادیں طرح طرح کے پھول ہیں جنہیں اعظمی نے اپنے شعری گلدان میں سجا لیا ہے۔ ان کی مہک میں بچپن کی معصومیت، مکتب کا تقدس اور پُرانے دوستوں کے چہروں کے دلآویز خطوط اس طرح رس بس گئے ہیں کہ اعظمی کی فکر اِرم آفریں بن گئی ہے۔

"رفتگاں" ایک گمبھیر اور سناٹا پیدا کرنے والی نظم ہے۔ یہ نظم اپنے قاری کو آدابِ قرأت سکھاتی ہے۔ لفظ اور بحر ایسے سکوت ساز ہیں کہ قاری انہیں تھم تھم کر پڑھنے پر مجبور ہے گویا یہ نظم انجمن کے لئے نہیں ہے بلکہ تنہائی کی غمگسار ہے۔

اس نظم کے مُطالعہ کے بعد میرا سب سے پہلا تاثر یہ تھا کہ شاعر نے سناٹے کی گُونج میں اپنی فکر کو آواز بنایا ہے۔ اس کے بعد میرے ذہن نے ایک فضا کی تخلیق کی جو شائد شاعر کے ذہن سے بعید نہ ہو یعنی میں سوچتا ہوں کہ اِس نظم کا شاعر کسی ایسے مقام پر فروکش ہے جہاں بالکلیہ تنہائی بھی نہیں بلکہ اچھی خاصی آبادی ہے۔ لوگ بھی خاصے معقول ہیں لیکن ان میں کوئی یارِ دیرینہ نہیں ہے جس سے دھول دھپّہ تک روا رہتا ہے۔ نظم کی دھوپ چھاؤں کچھ اور باتیں بھی سوچنے پر مجبور کرتی ہے۔ اگر ہم یہ فرض کریں کہ نظم کا خالق تازہ گریجویٹ ہے اور جس نے ابھی ابھی یونیورسٹی

چھوڑ دی ہے اور بہ سلسلہ ملازمت اس جگہ چلا آیا ہے۔ ہمیں اپنے جواز میں کچھ اور بھی ثبوت مل جاتے ہیں۔ شاعر نظم کے دوسرے بند میں "ہم سبق" دوستوں کا ذکر کرتا ہے، اُن کے وعدہ وپیماں کو یاد کرتا ہے، ان کی آوارگی کے بارے میں سوچتا ہے کیا یہ باتیں ہمیں یہ سوچنے پر مجبور نہیں کرتیں کہ شاعر اپنے دورِ طالب علمی کے شب و روز کی یادوں میں کھویا ہوا ہے۔ اسی بند کے ذریعہ ہمارا یہ قیاس بھی درست ثابت ہو سکتا ہے کہ یہ شاعر ایک یار باش سیلانی اور انٹلکچول نوجوان ہے جو ذہین بھی ہے اور متین بھی۔ متین اس طرح کہ اُس کے گھر اجنبی بھی آتے ہیں، رفیق بھی اور ہمدم بھی لیکن ان سب سے اس کے مراسم ایک دلکش احتیاط کے ساتھ جاری ہیں۔ نظم کا لب و لہجہ ہمیں یہ بھی فرض کرنے پر مجبور کرتا ہے اس نوجوان کے دل میں جس قدر رہا ہے کا جذبہ کروٹیں لے رہا ہے اُسی قدر رہا ہے جانے کی تڑپ بھی۔ بے قرار ہے نظم کے آخری مصرعے دیکھئے

لیکن کئی سال مجھ پہ گذرے
سُننے کے لئے ترس گیا ہوں
دستک کہ جواب بھی جانتی ہے
وہ نام جو میرا پیار کا ہے

ایک طرف شاعر بار بار دلنواز کی یاد میں تڑپ رہا ہے اور اس اضطراب کے نیچھے رہی جا رہے جانے کی لگن کارفرما ہے کہ وہ یار تک اور شاعر کو اس نام سے پکارے جو دیرینہ مراسم کی بنا پر اُسی کے منہ سے بھلا لگتا ہے۔ یہ نام خلیل الرحمن اعظمی نہیں ہوگا بلکہ خلیلے ہو سکتا ہے یا کوئی اور اسی طرح کا نام فرض کر لیجئے جو پیار میں ڈوبا ہوا ہے۔ یہ پیار کے نام سے پکارے جانے کی خواہش بجائے خود ایک طویل داستان ہے جو شیریں بھی ہے اور ولولہ انگیز بھی۔

اس نظم کی مدھم رفتار کے ذریعہ ہم شاعر کی ذہنی نفسیات کا سُراغ لگا سکتے ہیں۔ شاعر نے اس خیال کو جس بحر کے سانچے میں ڈھالا ہے وہ بڑی سُبک خرام اور گُم سُم سی ہے۔ یہ بحر عام طور پر کلاسیکل شاعری میں مثنوی کے لئے استعمال کی گئی ہے لیکن میری رائے میں اس بحر کو ان باتوں کے لئے استعمال کرنا چاہیئے جن کے بارے میں فراق نے کہا ہے ؏

"جو بھولتیں بھی نہیں یاد بھی نہیں آتیں"

اعظمی نے اس بحر سے جس طرح فائدہ اُٹھایا ہے اس کی داد دینا اپنے ذوقِ سلیم کی داد کے مُترادف ہے۔

آخر میں دو ایک باتیں نظم کی ظاہری ساخت کے بارے میں بھی عرض کرتا چلوں۔ یہ نظم Formless Form کی مثال ہے، یُوں تو ہم اسے بلینک ورس ہی کہیں گے لیکن شاعر نے کہیں کہیں قوافی کی چاشنی بھی دیدی ہے مگر اس نے التزام نہیں برتا ہے جو شاید بعض فن پرستاروں کو بھلا نہ معلوم ہو۔ پہلے بند کا دوسرا مصرعہ اور آخری مصرعہ ہم قافیہ ہیں یعنی "رہ گئی" اور "راگنی"۔ دوسرے بند میں شاعر نے صوت سے فائدہ اُٹھا کر قوافی تراش لیئے ہیں "ساتھی" "بیتی" اور "گرہستی" لیکن تیسرا بند قافیہ سے یکسر خالی ہے۔ یہ کوئی عیب نہیں ہے۔ لیکن کانوں کا یہ مطالبہ جسے گُذارش کہہ لیجئے یقیناً قابلِ غور ہے کہ ان مقامات پر اگر قوافی جھنکار پیدا کرتے تو لُطف دوبالا ہو جاتا۔

اتنی رواں اور نکھری ہوئی نظم میں دو مصرعے اکھڑے اکھڑے بھی نظر آتے ہیں ؏

کیا جانے کہ اُن پہ کیسی بیتی
آوارہ ہے اب بھی کون پھرتا ؏

پہلے مصرع میں "کیا" ہوتا تو زیادہ اچھا لگتا اور دوسرے مصرعے کی تعقید بُری طرح کھل رہی ہے۔

میں چونکہ اعظمی کی اس نظم کو چھٹکی ہوئی چاندنی کی طرح سمجھتا ہوں لہذا میرا اس کے نکتوں کے خلاف احتجاج کرنا فطری بھی ہے اور فطرت پرستی کے قرینِ مصلحت بھی۔

اِک جگہ بیٹھ کے پی لوں مرا دستور نہیں
میکدہ تنگ بنا دوں مجھے منظور نہیں (جگرؔ)

شاذ تمکنت

★

اِک پھول کا مضمون

تبصرے کے لئے دو جلدیں آنی چاہئیں

پاسِ گریباں — از — سلیمان اریب

قیمت : — دو روپے پچاس نئے پیسے

ناشر : — انجمن ترقی اُردو حیدرآباد

سُلیمان اریب حیدرآباد کے مشہور شاعر ہیں۔ ان کا پہلا مجموعہ کلام
پاسِ گریباں" کے خوبصورت نام سے ابھی ابھی شائع ہوا ہے۔ انجمن ترقی
ردو حیدرآباد کی یہ پیشکش اپنی صُوری اور معنوی خوبیوں کی وجہ سے ایک قابلِ
حاظ تحفہ ہے۔

"پاسِ گریباں" اریب کی اٹھارہ انیس سالہ شعری زندگی کا نچوڑ
ہے۔ اٹھارہ انیس برس کی طویل مُدت کا لحاظ کرتے ہوئے یہ مجموعہ کلام اپنی
ضخامت کے اعتبار سے حد درجہ مختصر ہے۔ اس اختصار کی وجہ شاعر کی کم گوئی
ں ہوسکتی ہے جو یقیناً تو فنوں کی بات ہے۔ کم گوئی واقعی ایک دانشمندانہ فعل
ہے لیکن اریب کی کم گوئی اور دیر خوابی نے انہیں نقصان پہنچایا ہے۔ دیر خوابی
س طرح کہ انہیں اپنا مجموعہ کلام آج سے دس برس پہلے پیش کرنا چاہیے تھا لیکن
ہوں نے اس دل کی لگی کو آج تک کے لئے اُٹھا رکھا جبکہ یہ نظمیں کوئی نیا پیغام
یا درس دینے کی بجائے قارئین کے لئے آموختہ بن کر رہ گئی ہیں۔ آج جب کہ
یہ شاعری Melting Pot سے گذر کر صُورت پکڑ رہی ہے اریب کی
نظمیں دیکھ کر یُوں لگتا ہے کہ خواب بہت دیر میں بیدار ہوا ہے۔

"پاسِ گریباں" کے مطالعہ سے اریب کے شعری مزاج کا اندازہ
لگایا جاسکتا ہے۔ میں نے اریب کی شاعری کو تین ادوار میں تقسیم کیا ہے جو کی
میل آگے آئے گی۔

میرا ذاتی تاثر یہ ہے کہ اریب کچھ چنگاریاں لے کر چلے تھے جو شعلہ
بننے سے پہلے کُملا گئیں۔ اس کُملاہٹ میں وہی ان کی دیر خوابی اور سُست روی
کو دخل ہے جس کا ذکر میں نے اُوپر کہیں کیا ہے۔

اریب اپنی شاعری کے دورِ اوّل میں ایک پُرے رُومانی حُسن پرست
کے رُوپ میں سامنے آتے ہیں۔ یہ حُسن پرست اپنا ایک زاویۂ نگاہ رکھتا ہے۔ یُوں
محسوس ہوتا ہے جیسے شاعر حُسن کے مُشاہدہ میں ڈُوب گیا ہے اور کچھ انوکھی سی
بات کہنا چاہتا ہے اور یہ شاعر انوکھی بات کہنے میں کامیاب بھی ہوتا ہے ؎

جانے کب تک تجھے اللہ نے شاعر بن کر،
شعرِ نازک کی طرح ذہن میں سوچا ہوگا!
جب کہیں دہر کے دیوانِ مصوّر میں تجھے،
گُنگُناتے ہوئے گاتے ہوئے لکھا ہوگا! (پیشکش)

دوسری نظم "تشبیب" بھی اس ضمن میں قابلِ ذکر ہے۔ اس نظم
میں بھی شاعر کا احساسِ جمال بڑی حد تک نکھرا نکھرا سا محسوس ہوتا ہے۔
"چشمِ مخمور کی خیام نوازی" اور "ماہِ دو ہفتہ کے چراغ" جیسی تازہ اور خوشبودار
باتیں بھی شاعر کے قلم سے نکلتی ہیں۔ "دکن کی سانولی" کے آخری شعر میں بھی
یہی تازہ دَمی اور نئے پن کا احساس کارفرما نظر آتا ہے۔ یہ سب کچھ وہی خوب تر
کی جُستجو ہے جس کا میں نے ذکر کیا ہے لیکن آگے چل کر یہ شاعر اُونگھنے لگتا
ہے اور کہی سُنی باتوں کو نظم کرتا چلا جاتا ہے اور ہم آخری صفحہ تک مایوس ہوتے ہیں۔

اریب کی شاعری کا دوسرا دَور سیاسی ہے۔ اس میں دو چار بڑے

سخت مقام آتے ہیں جہاں بڑے بڑوں کی سانس اُکھڑ جاتی ہے۔ یہ سخت مقامات تجربہ کی گہرائی، نگاہ کی بلندی اور مزاج کی تہ داری کا مُطالبہ کرتے ہیں۔ بدقسمتی سے یہ اثاثہ اریب کے ہاں کیا اُن کے معاصرین کے پاس بھی تقدیر بادام تھا چنانچہ سیاست اور نعرہ بازی کا یہ پلیٹ فارم بہت جلد شاعری کا مقتل بن کر رہ گیا جہاں سادہ لوحوں کے سر کٹ گئے اور دھڑ رہ گئے۔

اریب بھی انہیں قتیلانِ سیاست میں تھے جنھوں نے خلوص کے ساتھ نعرے لگائے لیکن شعر تال کے فقدان نے انہیں گُم کردہ راہ کر دیا۔ ان کی نظمیں "طرحِ نو" "پہلی کرن" "صبح ہوتی ہے" "مُسلمان جن کے چہرے" اور "زمیں کا درد" چند رائج الوقت مفروضات کی منظوم تفسیر ہیں۔ ان نظموں میں کہیں کہیں اریب، مخدوم اور پروفیسر شور کے لب و لہجہ پر للچا اُٹھے ہیں۔ "نیا پرچم" تو کلیتہً مجاز کے اس شعر کی ناکام توضیح بن گئی ہے ؎

ترے ماتھے پہ یہ آنچل بہت ہی خوب ہے لیکن
تو اس آنچل سے اِک پرچم بنا لیتی تو اچھا تھا (مجاز)

اریب کہتے ہیں ؎

ٹپکتا ہے پُرانے پرچموں سے خُوں انساں کا
ترے گُلنار آنچل سے نیا پرچم بنانا ہے (اریب)

اریب کی شاعری کی تیسری منزل غزل گوئی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اریب نے راہِ فرار کے طور پر غزل سے دوستی کی آج تک نباہے جا رہے ہیں۔ غزل میں بڑی مامتا ہے وہ ہر شاعر کو سینے سے لگا سکتی ہے چنانچہ اریب بھی اسی سائبان کے نیچے دوزانو ہو کر بیٹھ رہے۔ اریب کی غزل کے دو اہم رُجحانات ہیں جو صحت مند کم اور مُہلک زیادہ ہیں۔ پہلا رُجحان عدم اعتمادی کا رُجحان ہے۔ یہاں دوستوں کے گلے شکوے اور ان کی ذات سے بدگمانی محبوب موضوع رہا ہے۔ یُوں لگتا ہے جیسے ان کا اعتبار اُٹھ چلا ہے۔ شائد شاعر کے ماضی کے تلخ تجربات نے اسے ڈھلمل اور بے یقین کر دیا ہے۔ بہرحال اسباب کچھ ہوں، یہ کیفیت ان پر حاوی ہو گئی ہے۔ چند شعر مُلاحظہ ہوں ؎

دوستی کے پردے میں دشمنی بھی دیکھی ہے
دل کتنا مُخلص ہے یہ بھی ہم سمجھتے ہیں

جس نے ہر ایک دوست کو دشمن بنا دیا
اُس چشمِ التفات کا مارا ہوا ہوں میں

آندھرا پردیش

دوسرا اہم رُجحان شراب کا ذکر ہے۔ خمریات کے نشتروں سے اُردو شاعری کے دواوین بھرے پڑے ہیں جہاں شراب کا ذکر کم اور نشہ کی کیفیت زیادہ ہے لیکن اریب کے ہاں یہ معاملہ برعکس ہے یُوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ اپنی کمزوری کو طاقت سمجھ رہے ہیں ؎

شکلِ واعظ کی بنا کر ہی نہ کیوں آئے مگر
رندِ بدنام سلیمان اریب آج بھی ہے

مئے کی جتنی عظمت ہے اُس سے کم سمجھتے ہیں
جامِ مئے کو دیوانے جامِ جم سمجھتے ہیں

ستارے ڈُوب چکے ماہتاب باقی ہے
مرے گلاس میں تھوڑی شراب باقی ہے

شراب و شعر کا باہمی روایتی تعلق تسلیم، لیکن کیا کیجئے کہ دورِ جدید میں یہ روایت بھی کچھ بیش پا افتادہ سی ہو چلی ہے۔

اریب مصرع کی تراش خراش کی طرف زیادہ توجہ نہیں دیتے جس سے اچھے بھلے شعر میں لُکنت سی آ جاتی ہے۔ چند مصرعے مُلاحظہ ہوں ع

اور ابھی دُور بہت دُور تھا ہم کو جانا (خونناب)

غالب آتا چلا جاتا ہے گراں بارِ سکوت

ظلمت ظلمت چیخنے والو جھلمل جھلمل تارے دیکھو

شہ نشینوں سے ہوس جھانکتی بیٹھی ہے ابھی

خط کشیدہ ٹکڑے ٹاٹ کے پیوند کی طرح نظر آتے ہیں۔ تعجب ہے اریب نے ان مصرعوں کو کس طرح قبول کر لیا۔ ناہموار ڈکشن کی ایک اور مثال "جیل اور شاعر" میں ملتی ہے۔ نظم بڑی نرمی اور خواب ناک انداز سے شروع ہوتی ہے ع دُودھ کی سی ہے چاندنی چھٹکی وغیرہ وغیرہ لیکن ذرا دُور چل کر نظم یکلخت مصنوعی غم و غصّہ کا شکار ہو جاتی ہے اور اس قسم کے مصرعے شروع ہو جاتے ہیں۔

دوست لیکن ہم انقلابی جواں
یُونہی محبوس نہیں رہ سکتے، وغیرہ وغیرہ

ان معمولی فرو گذاشتوں سے قطع نظر آریب کے ہاں ایسے اچھے شعر بھی مل جاتے ہیں ؎

کون و مکاں کی وسعتیں زنجیر بن گئیں
حدِ تعیّنات کا مارا ہوا ہوں میں

ہٹ گئے جس کے لئے نام تک اُس کا نہ لیا
کاش اس بات کی اُس کو بھی خبر ہو جاتی

میں تری زُلف کی آیت سے جب گُذرنے لگا
کہا یہ رُخ نے کہ پُوری کتاب باقی ہے

غضب تو یہ ہے کہ تجھ کو بھی کچھ خبر نہ ہوئی
ہوس کا سلسلہ کب ترے پیار تک پہنچا

مُسکراتے ہوئے آنسو بھی نکل آتے ہیں
دیکھ اے ضبط کہیں آنکھ نہ بھر آئی ہو

اِن منتخب اشعار کے مُطالعہ کے بعد بھی ہم آریب کے لب و لہجہ کو متعیّن کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ اگر اِن اشعار کو دوسرے سینکڑوں اچھے اشعار میں گُم کر دیں تو شائد خود شاعر بھی اپنے اشعار چُنتے ہوئے دِقّت محسوس کرے۔

مختصر یہ کہ ہم سلیمان آریب کے اِس مجموعہ کلام کا استقبال خلوصِ دل کے ساتھ کرتے ہیں کہ انہوں نے ہمیں ایک ادبی دعوتِ شیراز دی ہے اور اپنے دسترخوان پر وہ سب کچھ چُن دیا ہے جو اُن کے اِمکان میں تھا۔

ایک مشہور ادیب نے اپنے شاگرد کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ "دیکھو اگر ایک کتاب سے نقل کی جائے تو وہ نقل ہی کہلائے گی لیکن —"

"لیکن کیا؟" شاگرد نے بیتابی سے پوچھا

"لیکن یہ کہ تین چار کتابوں سے اگر نقل کی جائے تو اسے "تحقیق" کہا جائے گا۔" استاد نے متانت سے جواب دیا۔

ڈی ۔ سنجیویا

آندھرا پردیش کی پانچ سالہ ترقی

آندھرا پردیش کے ابتدائی پانچ سال کا دور ہمہ جہتی ترقی کا دور رہا ہے یہ دور تاریخی اہمیت رکھنے والے واقعات اور سرگرمیوں سے مملو ہے مسلسل منصوبہ بند کوششوں کی بدولت پچھلا جمود ٹوٹ چکا ہے اور ریاست کی معیشت میں ایک نئی جان اور سرگرمی آ گئی ہے۔ آندھرا پردیش کے پہلے پانچ برس کی کہانی ایک طرح سے دوسرے پانچ سالہ منصوبے کی کہانی ہے۔ اس مدت میں ریاست نے جو کامیابیاں حاصل کی ہیں ان کا کچھ ذکر میں یہاں کرنا چاہتا ہوں ۔

زرعی پیداوار :

دوسرے منصوبہ میں زرعی پروگراموں کا مقصد یہ تھا کہ بڑھتی ہوئی آبادی کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے غذائی پیداوار میں معقول اضافہ کر لیا جائے اور ترقی پذیر معیشت کے لیئے درکار کچا مال بھی خاطر خواہ مقدار میں حاصل کر لیا جائے اور برآمد کے قابل زرعی اجناس کی بھی بڑھتی چڑھتی فاضل مقدار میں حاصل ہو سکیں یہ محسوس کیا گیا کہ منصوبہ بند زرعی ترقی کا مقصد کاشتکاروں کی انفرادی پیداوار کی سطح بلند کرنا ہی نہیں بلکہ ایسی جامع کوشش ہونی چاہیے جس کی بدولت فی رقبہ میں پیداوار کی شرح کا عام اوسط بڑھ جائے۔ ان اغراض و مقاصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے زرعی ترقی کے پروگرام مرتب کیے گئے ہیں اور ان کی عمل آوری کیلئے (۴۸۴۸٫۶۰) لاکھ روپے کی گنجائش رکھی گئی۔ دوسرے منصوبے کے دوران میں توقع کی جاتی تھی کہ غذائی پیداوار میں (۱۶٫۳۴) لاکھ ٹن کا اضافہ کر لیا جا سکے گا۔ جس کے بعد ریاست کی مجموعی غذائی پیداوار (۷۰٫۴۶) لاکھ ٹن تک پہنچ سکتی تھی منصوبے کی مدت کے اختتام تک کھادوں اور کیمیائی کھادوں کے استعمال کے نتیجے میں غذائی پیداوار میں متوقع اضافہ (۲۴٫۲۴) لاکھ ٹن کا اور فصلوں کی حفاظتی

تدبیروں کی بدولت (۱٫۵۵) لاکھ ٹن اور زراعت کے ترقی یافتہ طریقوں سے دھان کی کاشت کے جاپانی طریقے کی بدولت (۳٫۹۹) لاکھ ٹن کا مزید اضافہ ہو سکے گا ۔

جن لوگوں کی اہم غذا چاول ہے ان کی خوراک کی تقویت کے لیے مقوی غذاؤں میں مچھلی کو زبردست اہمیت حاصل ہے۔ حقیقت میں آندھرا پردیش کو خود ریاست کے اندر اور سمندر پر ماہی گیری کے زبردست ذرائع اور وسیلے حاصل ہیں۔ دوسرے منصوبے کے دوران میں ماہی گیری کی ترقی کے لیئے (۷۰٫۲۸) لاکھ روپے کی گنجائش مہیا کی گئی۔ ریاستی حکومت نے سمندری اور علاقائی ماہی گیری کی ترقی اور مچھیروں کے طبقے کی سماجی فلاح و بہبود کے لیے مختلف تدبیریں اختیار کیں دوسرے منصوبے کے پہلے چار برس کے دوران میں ایک اہم ترقی یہ رہی کہ ماہی گیری کی کشتیوں کے (۱۰۰) انجن خریدے گئے اور مچھیروں کو (۲۴۰۰۳) پونڈ نائیلان کے جال امدادی قیمتوں پر سربراہ کئے گئے۔ (۸۰) مچھیروں کو ماہی گیری کے ترقی یافتہ طریقوں کی تربیت دی گئی۔ مچھلی کے تحفظ کے لیئے حیدرآباد میں ایک سرد خانہ اور نظام ساگر میں برف کا سرد خانہ قائم کیا گیا۔ اور ماہی گیری کے مرکزوں سے صارفین کے مرکزوں تک مچھلی کی تیز تر منتقلی کے لیئے تین گاڑیاں خریدی گئیں ۔

مویشی اور مرغبانی کی ترقی :

قوم کی فلاح و بہبود میں مویشی اور مرغبانی بھی ایک اہم عنصر ہے۔ جو غذائی پیداوار کے مسئلے پر اثر انداز ہوتا ہے۔ گلہ بانی کی ترقی صرف اسی وقت ممکن ہو سکتی ہے جبکہ بیمار جانوروں کے علاج، ان کی متعدی بیماریوں کے انسداد اور ملک میں اعلیٰ درجے کے مویشی پیدا کرنے کے لیے عملی تدبیریں اختیار کی جاتی رہیں۔

محکمہ نگہداشت جانوران جو اہم کام انجام دیتا ہے وہ اعلیٰ نسل کے جانوروں کی افزائش و ترقی اور بیماریوں کے علاج معالجے سے متعلق ہے۔ اندرونی علاقوں کے دیہات میں بھی علاج حیوانات کی سہولتیں مہیا کرنے اور عام طور پر اعلیٰ نسل کے جانوروں کی افزائش کے لیے دوسرے منصوبے میں (۲۴۲.۶۷) لاکھ روپے کے خرچ کے تخمینے کے ساتھ کئی اسکیمیں شامل کی گئی ہیں۔ اس منصوبے کی مدت میں جو ٹارگٹ مقرر کیے گئے تھے وہ یہ تھے کہ علاج حیوانات کے (۱۵) دواخانے قائم کیے جائیں۔ (۹۰) چھوٹے دواخانے، (۱۵) سفری دواخانے، (۱۰۴) پہلی طبی امداد کے مرکز (۳۴)، کلیدی دیہی مراکز، (۲۶) مرغبانی کے توسیعی مرکز، (۴۲) بھیڑوں اور اون کے توسیعی مرکز اور (۷) ڈسٹرکٹ پولٹری فارم قائم کیے جائیں، دوسرے منصوبے کی مدت میں لام، مہانندی، چنتالادیوی اور پالم نیر کے سرکاری مویشی مزرعوں کو بھی ترقی دی گئی۔

آبپاشی :

آبپاشی گویا زراعت کی روح رواں ہے غذائی پیداوار میں اضافہ کرنے اور کاشتکاروں کو خشک سالی کے نقصان رساں اثرات سے بچانے کے لیے ریاستی حکومت آبپاشی کی سہولتوں کی ترقی پر مسلسل توجہ کرتی آرہی ہے۔

ناگارجن ساگر پروجکٹ جو ہندستان کے بڑے ہمہ مقصدی ندی گھاٹی پروجکٹوں میں شامل ہے ۱۹۵۵-۵۶ء میں سابق ریاست حیدرآباد اور ریاست آندھرا کی مشترکہ مہم کی حیثیت سے شروع کیا گیا۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ دریائے کرشنا کے نچلے طاس میں اس دریا کے پانی کو آبپاشی کے اغراض کے لیے استعمال کر لیا جائے۔ دوسرے منصوبے میں بند اور نہروں کی تعمیر کے لیے (۳۹.۰۱) کروڑ روپے کی گنجائش مہیا کی گئی تھی۔ اس پروجکٹ پر کام کی رفتار مقررہ پروگرام سے بھی آگے بڑھی ہوئی ہے۔ بعض دوسرے پروجکٹوں سے فائدے حاصل ہونے لگے ہیں۔ اور بہت سے دوسرے پروجکٹوں پر کام اچھی رفتار کے ساتھ جاری ہے۔

دوسرے منصوبے کے تحت آبپاشی کے بڑے اور اوسط درجے کے پروجکٹوں کے ذریعے (۷.۵) لاکھ ایکڑ زمینات کو سیراب کرنے کا ٹارگٹ مقرر کیا گیا تھا

برقی قوت :

متمدن زندگی میں برقی قوت، ترقی کی امتیازی علامت ہے برقی قوت سے چلنے والے آلات صنعتی ترقی کی لازمی بنیادی ضرورت سمجھے جاتے ہیں۔ برقی قوت کا استعمال، جو کسی ملک کے عوام کے معیار زندگی اور ان کی قوت پیداوار سے براہ راست ربط قائم کرتا ہے۔ قومی ترقی اور خوشحالی کی مسلسل رفتار کو ظاہر کرتا ہے۔

دوسرے پانچ سالہ منصوبے کے دوران (۳۲۸۵.۶۷) لاکھ روپے کے مجموعی خرچ سے برقی قوت کی ترقی کی (۱۲) اسکیمیں شروع کی گئیں۔ ان میں مچکنڈ ہائیڈرو الکٹرک اسکیم، تنگبھدرا ہائیڈرو الکٹرک اسکیم، اپر سلیرو ہائیڈرو الکٹرک اسکیم اور تلنگانہ تھرمل اسکیم اہم اسکیمیں تھیں۔ دوسرے منصوبے کی مدت کے اختتام تک برقابی اور حراری قوت گھروں پر برقی کی پیدائش (۹۸۹۰۰) کیلو واٹ سے بڑھ کر (۲۲۸۴۷۰) کیلو واٹ تک پہنچ گئی۔ برقی قوت سے مستفید ہونے والے گاؤں کی تعداد (۷۰۰) سے بڑھ کر (۳۲۱۳) ہو گئی اور برقی کے صارفین کی تعداد بھی (۱۴۹۰۰۰) سے بڑھ کر (۲۹۱۰۰۰) تک پہنچی۔ اور زرعی خدمات کی تعداد (۴۳۰۰) سے بڑھ کر (۱۵۰۰۰) ہو گئی۔ برقی قوت سے مستفید ہونے والی آبادی (۶۷۴۰۰۰) سے بڑھ کر (۸۶۴۶۰۰۰) اور بڑی صنعتوں کی تعداد (۱۵۰) سے بڑھ کر (۳۵۲) رہی۔ برقی کا فی کس صرفہ جو دوسرے منصوبے کے آغاز پر (۷) یونٹ تھا منصوبے کے اختتام تک بڑھ کر فی کس (۱۵) یونٹ تک پہنچ گیا۔ پچھلے پانچ برسوں میں سال بہ سال اور خاص طور پر دیہی علاقوں میں برقی قوت کی سربراہی کے سلسلے میں جو ترقی ہو رہی ہے وہ حد درجہ اطمینان بخش ہے۔

شاہراہیں :

اگر مواصلات کے ذریعے اطمینان بخش حالت میں نہ ہوں تو قوم کی معاشی زندگی تباہ ہو سکتی ہے۔ اس لیے ریاستی حکومت نے موجودہ سڑکوں کی درستگی و بہتری اور جدید سڑکوں کی تعمیر کے ذریعے شاہراہوں کے نظام کی جامع ترقی کا پروگرام بنایا۔ سڑکوں کی تعمیر کے خرچ میں مسلسل اضافہ ہوتا آرہا ہے۔

دوسرے منصوبے میں سڑکوں اور سڑکوں کے ذریعے حمل و نقل کی ترقی کیلئے (۵۹۳) لاکھ روپے کی گنجائش مہیا کی گئی۔ اس مدت میں (۳۴۲) میل لمبی نئی سڑکیں تعمیر کر لی گئیں (۷۳۱) میل لمبی سڑکوں پر ڈامبر بچھایا گیا اور پانچ بڑے پل تعمیر کر لیے گئے۔

ریاستی حکومت نے روڈ ٹرانسپورٹ پر بھی مناسب توجہ کی ہے، مسافروں کو زیادہ سے زیادہ سہولتیں پہنچانے اور حمل و نقل کے نظم و نسق کو منظم بنیادوں پر قائم کرنے کے لیے حکومت نے بہت سی تدبیریں اختیار کیں۔ ان تدابیر میں

ٹھیک نمایاں اقدام یہ تھا کہ بس ٹرانسپورٹ کے قومیانے کے عمل کو آندھرا علاقے کے بھی تین ضلعوں تک وسعت دی گئی ۔

صحت :

قوم کی صحت اور معقول طبی سہولتوں کی فراہمی، جس سے ہر فرد استفادہ کرسکے، بنیادی اہمیت رکھنے والے مسئلے ہیں۔ صحت کے شعبے میں ریاستی حکومت نے عام پالیسی اختیار کر رکھی ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ ریاست کے مستقبل کے شہری صحت مند اور مضبوط پیدا ہوں، بیماریوں کے انسداد اور علاج کے ذریعے تمام شہریوں کا بیماری سے بچاؤ کیا جائے اور اپنی صحت کی برقراری اور بہتری میں ان کی مدد کی جائے ۔

میزانیے میں جو گنجائش مہیا کی گئی ہے وہ طبی اور فنی عملے کی تربیت، تعلقوں اور ضلعوں کے ہسپتالوں میں طبی سہولتوں میں اضافے اور دیہات میں مزید طبی سہولتوں کی فراہمی میں صرف کی جا رہی ہے۔ دیسی طب کی ہمت افزائی کی جا رہی ہے۔ چھوت بیماریوں کے علاج کے لیے کلینک قایم کیے جا رہے ہیں اور وبائی بیماریوں کے انسداد کی مہمیں چلائی جا رہی ہیں۔

دوسرے پانچ سالہ منصوبے کے دوران میں طبی اسکیموں کو روبہ عمل لانے کے لیے (۵۴۴٫۱۱) لاکھ روپے کی گنجائش مہیا کی گئی تھی۔ طبی اداروں میں سالانہ داخلوں کی تعداد (۲۹۰) سے بڑھ کر (۵۳۰) تک پہنچ گئی، اور خانگی انتظام کے تحت مزید دو میڈیکل کالجوں کے قیام کے لیے بھی سہولتیں پہنچائی، جن میں سے ہر کالج میں ایک سو امیدواروں کو داخلہ مل سکیگا۔ اس مدت کے دوران صحت کے (۲۳۳) ابتدائی مراکز کے قیام کی تجویز تھی تعلقوں کے منتقروں پر لوکل فنڈ کے جو شفاخانے تھے وہ سب ریاست کے تحت لے لئے گئے ہیں اندازہ لگایا گیا ہے کہ ریاست کے ہسپتالوں جن میں خانگی اور لوکل فنڈ کے ادارے بھی شامل ہیں، بستروں کی مجموعی تعداد آج (۱۷۵۰۰) ہے

دوسرے منصوبے میں صحت عامہ کی اسکیموں کے معین مقاصد یہ تھے ۔

۱ ـ ایسے اداروں کی سہولتیں مہیا کرنا جو مقامی طور پر اور آس پاس رقبوں میں بھی عوام کو طبی سہولتوں کی فراہمی کے لیے مرکزوں کا کام دے سکیں۔

۲ ـ مناسب تربیتی پروگراموں کے ذریعے فنی عملے کی فراہمی اور تربیت یافتہ افراد کا تقرر ۔

۳ ـ ایسے متعدی امراض کی روک تھام کے لیے، جو کسی طبقے میں عام طور پر پھیلے ہوئے ہوں، ضروری تدبیریں اختیار کرنا

۴ ـ ماحول کی صحت و صفائی کے لئے عملی مہم کا آغاز

۵ ـ عوام کی صحت کا معیار بڑھانے کے لئے خاندانی منصوبہ بندی اور دوسرے معاون پروگراموں کا آغاز ۔

ان قومی مقاصد کو پورا کرنے کی غرض سے صحت عامہ سے متعلق مختلف پروگرام مرتب کئے گئے جن کی عمل آوری کے لئے ریاست کے دوسرے پانچسالہ منصوبے میں (۱۸۵٫۳۶۳) روپے کی گنجائش مہیا کی گئی ۔

آندھرا علاقے میں دوسرے پانچ سالہ منصوبے کے دوران میں ملیریا کے انسداد کے مزید دو یونٹ قایم کئے گئے جو ان دو یونٹوں کے علاوہ ہیں جو پہلے منصوبے کے دوران میں قایم ہو چکے تھے۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ ملیریا سے (۴۰) لاکھ آبادی کا بچاؤ ہو سکے جو اس بیماری کی زد میں ہے ۔ بی، سی، جی ٹیکہ اندازی کے ذریعے دق کے انسداد کے پروگرام کو چلانے کے لیے سنٹرل ایڈمنسٹریٹو یونٹ اور چھ فیلڈ ٹیموں کو، جو پہلے منصوبے کے دوران میں قایم کی گئی تھیں، برقرار رکھا گیا ہے ایسی مزید چھ ٹیمیں ان کے علاوہ ہیں۔ مرض بیری بیری کی تحقیقاتی اسکیم جو پہلے منصوبے کے دوران میں قایم کی گئی تھی۔ وساکھاپٹنم سے کنور منتقل کی گئی اور اسے دوسرے منصوبے کے دوران میں بھی برقرار رکھا گیا۔ پبلک ہلت انجینیرنگ کا ایک مرکزی بنیادی ادارہ، جو پہلے منصوبے کے دوران میں قایم کیا گیا تھا دوسرے منصوبے کے دوران میں بھی برقرار رکھا گیا تاکہ ماحول کی صحت و صفائی کے لیے موزوں خاکے بنائے ۔ ملیریا کے انسداد کے قومی پروگرام کے تحت کام جاری رکھنے کی غرض سے فیلریا کنٹرول یونٹ کو دوسرے منصوبے کے دوران میں برقرار رکھا گیا ۔ ریاست میں انسداد ملیریا کی اسکیموں کے تحت مامور عملے کی تربیت کے لیے ایک سنٹرل ملیریا لیبوریٹری کا قیام بھی عمل میں آیا۔ دوسرے منصوبے کے اختتام تک دیہی رقبوں میں خاندانی منصوبہ بندی کے (۱۲۲) مرکز قایم ہو چکے ہوں گے ۔

تلنگانہ علاقے کے دور دراز گاؤں میں طبی امداد کی سہولتیں پہنچانے کی غرض سے دیہی طبی صندوقوں کی خریدی نیز پرانے دیہی صندوقوں کو دوا دلاسے لیس کرنے کی غرض سے گنجائش مہیا کی گئی۔ تلنگانہ علاقے میں پہلے منصوبے کے دوران میں جو تین ملیریا کنٹرول یونٹ قایم کیے گئے تھے وہ دوسرے منصوبے کے دوران میں بھی برقرار رکھے گئے۔ دیہی علاقوں کے عوام میں صحت کا شعور پیدا کرنے کی غرض سے ۵۷-۵۸ء کے دوران میں چھ طبی گاڑیاں خریدی گئیں

اور انہیں تلنگانہ کے ایسے چھ ضلعوں کو الاٹ کیا گیا۔ جہاں صحت کے پرچار کے لئے کوئی فلمی گاڑیاں موجود نہیں تھیں۔ دوسرے منصوبے کے اختتام تک تلنگانہ علاقے میں خاندانی منصوبہ بندی کے مزید (۱۴۵) مرکز قایم ہو چکے ہوں گے۔

صنعتی ترقی :

ریاست نے پچھلے پانچ سال کے دوران تیز تر صنعتی ترقی کے لیے زبردست اقدامات کیئے۔ بڑے اوسط اور چھوٹے پیمانے کی صنعتوں اور دیہی صنعتوں کی ترقی کیلئے (۱۲) کروڑ روپے کا تخمینہ تھا، جو خرچ کر دیئے گئے۔ صنعتی ترقی، چھوٹے پیمانے کی صنعتوں کی ترقی اور معدنیات کی ترقی کے لیے تین کارپوریشنوں کے قیام سے ریاست میں صنعتی ارتقاء کے لیے ایک سازگار فضا پیدا ہو گئی ہے۔ آٹھ صنعتی اسٹیٹوں سے جو، صنعت نگر، ساحل کوٹ، ورنگل، وجے واڑہ، وساکھاپٹنم، نندیال، کڑپہ اور حیدرآباد میں (۱۴۹) لاکھ روپے کے خرچ پر قایم کی گئی تھیں۔ (۲۰۲) صنعتی اداروں کو سہولتیں حاصل ہوئیں۔ امدادی صنعتی اسٹیٹوں کے قیام کی ایک نئی تحریک نے اس پروگرام میں مزید تیزی پیدا کر دی ہے۔

تعلیم :

ریاست میں (۳) یونیورسٹیاں، (۱۳۴) کالج، (۱۰۸۰) ہائی اسکول اور (۱۴۰۱) مڈل اسکول قایم ہیں۔

ریاست کے دوسرے پانچ سالہ منصوبے کی مجموعی گنجائش میں سے تعلیم کے لیے، جن میں فنی تعلیم بھی شامل ہے (۱۲.۸۰) کروڑ روپے کی گنجائش مہیا کی گئی۔ جو مجموعی گنجائش کا (۱۳.۷) فیصد ہے۔ اس میں سے عام تعلیم کے لیے (۱۰۴۳.۳۱) لاکھ روپے مختص کئے گئے۔ سنہ ۱۹۵۵-۵۶ء میں ابتدائی اسکولوں کی تعداد (۲۸۵۲۷) تھی جو دوسرے منصوبے کے اختتام تک بڑھ کر (۳۴۳۰۷) تک پہنچ گئی اور مڈل اسکولوں کی تعداد (۲۸۱) سے بڑھ کر (۱۴۰۱) ہو گئی۔ مقامی مجالس کے اسکولوں اور امدادی اسکولوں کی ہمہ جہتی ترقی کے لیئے رقمی امدادیں دی گئیں۔ مثلاً سنہ ۱۹۵۹-۶۰ء میں مقامی مجالس کے (۶۷) ہائی اسکولوں کو تجربہ خانوں کی تعمیر کے لیے تیس تیس ہزار روپے کے عطیئے دیئے گئے۔

کمیونٹی ڈیولپمنٹ پروگرام کے آغاز سے مارچ سنہ ۱۹۶۰ء تک سماجی تعلیم پر (۱۷) لاکھ روپے خرچ کئے گئے۔ سنہ ۱۹۵۹-۶۰ء کے دوران میں ریاست میں تعلیم بالغان کے تقریباً (۷۵۰۰) مرکز کام کر رہے تھے۔ دوسرے پانچ سالہ منصوبے کے دوران میں تلنگانہ علاقے میں (۹)، ڈسٹرکٹ سنٹرل لائبریریاں (۲۷)، برانچ لائبریریاں اور ان کے علاوہ سکندرآباد میں ایک سٹی سنٹرل لائبریری بھی قایم کی گئی۔ آندھرا علاقے کے پورے (۱۱) ضلعوں کے مستقروں پر بچوں کی لائبریریاں بھی قایم کی گئیں۔

۶ تا ۱۱ سال کی عمر والے بچوں کے لیے عام مفت لازمی تعلیم کی اسکیم ساری ریاست میں جون سنہ ۱۹۶۱ء سے نافذ کی گئی۔

پنچایت راج :

آندھرا پردیش کو یہ فخر و امتیاز حاصل ہے، یہ سارے ہندستان میں بلونت رائے مہتا کمیٹی کی سفارشوں کو روبہ عمل لانے والی پہلی ریاست ہے اور نئے قانون قایم شدہ پنچایت سمیتیاں یکم دسمبر سنہ ۱۹۵۹ء کو وجود میں آگئیں اور اس کے ایک مہینہ بعد ہی پورے بیس ضلعوں میں ضلع پریشد قایم ہو گئیں۔

پنچایت سمیتیوں اور ضلع پریشدوں کے قیام سے دیہی علاقوں میں ایک زبردست تبدیلی آگئی ہے۔ عوام میں خود اعتمادی کا بڑھتا ہوا احساس پیدا ہو رہا ہے۔ ہماری ریاست میں پنچایت راج کے تجربے نے نزدیک اور دور کے سارے عوام کی توجہ اپنی طرف پھیر لی ہے۔

کمیونٹی ڈیولپمنٹ پروگرام کی عمل آوری میں بھی یہ ریاست پیش پیش ہے۔ مرکزی وزارت کمیونٹی ڈیولپمنٹ و امداد باہمی کے جانچے ہوئے (۳۲) ترقیاتی پروگراموں میں سے (۲۷) پروگراموں میں آندھرا پردیش یا تو پہلی یا دوسری ریاست رہی ہے۔

عورتوں کی فلاح و بہبود :

ریاست مدراس کی تقسیم کے بعد، ریاست آندھرا میں کوئی سرکاری ہوم باقی نہیں رہا تھا۔ کستوربا گاندھی نیشنل میموریل ٹرسٹ اسپنا نگرم ضلع مشرقی گوداوری نے ایک ایسا مرکز قایم کیا جس کا انتظام ویمنس ویلفیر ڈیپارٹمنٹ کی جانب سے کیا جاتا ہے۔ یہ ادارہ اب بھی قایم ہے اور اپنا کام انجام دے رہا ہے دوسرے منصوبے کے دوران میں دو سروس ہوم قایم کیے گئے، ایک حیدرآباد میں اور دوسرا اننت پور میں۔ ان دونوں مرکزوں کا انتظام بھی ویمنس ویلفیر ڈیپارٹمنٹ کی جانب سے کیا جاتا ہے۔ اب ایک تیسرا مرکز کنتا پورم ضلع مغربی

گوداوری میں بھی قایم کیا گیا ہے۔ جس کا مقصد قبائلی عورتوں کی امداد ہے
اس کا انتظام بھی اسی محکمہ کے تحت ہے ایک چھوٹا سروس ہوم الہ گڈی ضلع
کرنول میں قایم کیا گیا جس کا انتظام مقامی مہیلا منڈلی کرتی ہے۔

سابق ریاست حیدرآباد میں عورتوں کی فلاح و بہبود سے متعلق کوئی
علیحدہ محکمہ قایم نہیں تھا۔ یہ محکمہ صرف آندھرا علاقے میں ہی کام انجام دے
رہا تھا۔ اس کی سرگرمیوں کو تلنگانہ علاقے تک وسعت دینے کی خاطر تلنگانہ
کے ہر ضلع میں ایک ایک اور اس طرح نو ڈسٹرکٹ افسروں کا تقرر عمل میں آیا۔
ویمنس ویلفیر کی دس شاخیں بھی قایم کی گئیں۔

اس مضمون میں پچھلے پانچ سال کے عرصے میں بعض اہم ترقیاتی شعبوں
میں ریاست کے پروگراموں پر صرف ایک طائرانہ نظر ڈالی جارہی ہے۔

ساری ریاست ایقان اور عمل کے جذبے سے معمور ہے۔ دوسرے
پانچ سالہ منصوبے نے عوامی جوش و خروش کو بیدار کرتے ہوئے اور عوام کا تعاون
حاصل کرتے ہوئے ہمارے آگے غور و فکر کے نئے راستے کھول دیئے ہیں۔ اس نے
ہمیں اس قابل بنایا ہے کہ ہم آیندہ پانچ برس کے لیے زیادہ وسیع پیمانے پر اور
بڑھتی چڑھتی جرات کے ساتھ اپنا تیسرا منصوبہ بنائیں۔

آیئے! ہم آندھرا پردیش کے تمام کانذ سری پانچ سالہ مدت میں ایک
نئے جوش و خروش اور نئی طاقت کے ساتھ قدم رکھیں اور مادر وطن کی زیادہ بہتر
اور عظیم تر خدمت کا عہد کرلیں۔

"معصومیت"

استاد: (اپنے ایک شاگرد سے) "تم یہ کس کی تصویر بنا رہے ہو؟"

شاگرد: (معصومیت سے) "خدا کی"

استاد: "تمھیں ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔ کوئی شخص نہیں جانتا کہ خدا کیسا ہے"۔

شاگرد: یہی تو میں کر رہا ہوں۔ جب میں یہ تصویر بنا لوں گا تو سب لوگ
جاننے لگیں گے کہ خدا کیسا ہے۔

دیہی رقبوں کو برقی قوت کی سربراہی

ترقی کی رفتار

اگست ۱۹۶۱ء کے دوران تلنگانہ کے نیچے بتائے ہوئے گاؤوں کو برقی قوت سربراہ کی گئی :۔

نشان سلسلہ	گاؤں کا نام	تعلقہ	ضلع	تاریخ
۱	یل ورتھی	چیولا	حیدرآباد	۲۵ راگست ۱۹۶۱ء
۲	یرلاپلی	چیولا	حیدرآباد	۳۰ راگست ۱۹۶۱ء
۳	مدہارم	حیدرآباد شرقی	حیدرآباد	۵ راگست ۱۹۶۱ء
۴	چندوپٹلہ گدم	حیدرآباد شرقی	حیدرآباد	۱۴ راگست ۱۹۶۱ء
۵	چندلاپور	سدی پیٹھ	میدک	۰ راگست ۱۹۶۱ء
۶	گوپال پیٹھ	سدی پیٹھ	میدک	۳۰ راگست ۱۹۶۱ء
۷	پدما بجاپلی	سدی پیٹھ	میدک	۳۱ راگست ۱۹۶۱ء
۸	بجری شریف	حضور آباد	کریم نگر	۲۷ راگست ۱۹۶۱ء
۹	وٹی لالہ	حضور آباد	کریم نگر	۲۵ راگست ۱۹۶۱ء
۱۰	ٹھنگلا	حضور آباد	کریم نگر	۲۷ راگست ۱۹۶۱ء
۱۱	ایل گنڈوکنٹہ	حضور آباد	کریم نگر	۲۷ راگست ۱۹۶۱ء
۱۲	گنڈراپلی	حضور آباد	کریم نگر	۲۸ راگست ۱۹۶۱ء
۱۳	گنلا دودھم پلی	کریم نگر	کریم نگر	۱۴ راگست ۱۹۶۱ء
۱۴	دھرما ساگر	ورنگل	ورنگل	۱۶ راگست ۱۹۶۱ء

پنچایت راج کی ترقی کی رفتار

پس ماندہ گاؤں کی امداد کیلئے فنڈ:

بالی ریڈی پالم پنچایت سمیتی (ضلع نیلور) کے ارکان نے اپنا سفر خرچ ایک مشترکہ فنڈ میں دینے کا فیصلہ کیا ہے جس سے پس ماندہ گاؤں میں اجتماعی فائدے کے پروگرام روبہ عمل لائے جائیں گے۔ یہ رقوم سینڈیکیٹ بنک میں جمع کرا دی گئی ہیں۔ صدر پنچایت سمیتی مسٹر این۔ چندرا سیکھر ریڈی نے اپنے اعزازی معاوضہ کا حصہ برتنوں اور دیگر ضروری اشیاء کی خریدی کے لیے عطیہ دے دیا۔ یہ برتن بلاک کے عوام کو شادی بیاہ اور ایسی ہی دوسری تقریبات کے موقع پر استعمال کے لیے دیئے جائیں گے۔

گاؤں میں بیداری:

گوڈور پنچایت سمیتی میں موضع ٹھپاورپاڑو نے حال حال میں دیہی ترقی کے مختلف شعبوں میں نمایاں کامیابیاں حاصل کی ہیں۔

پچھلے سال اس گاؤں کے عوام نے (۶۰۰) روپیہ جمع کیا اور شرمادان کے ذریعہ ایک ایک پرکولیشن ٹینک تعمیر کر لی۔ اس نئی سہولت کے ذریعے (۲۵۰) ایکڑ کی حد تک پانی کی فراہمی ممکن ہو گئی۔ اس گاؤں کی خواتین کی خواہش پر بلاک کے حکام نے تعلیم بالغان کا مرکز بھی قایم کر دیا ہے۔ گاؤں کے نوجوانوں نے امدادی ڈرامہ پیش کر کے (۵۰۰) روپے کی رقم اکٹھی کر لی۔ اس رقم سے وہ لائبریری روم تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے علاوہ گاؤں والوں نے ۲ کمروں والی اسکول کی عمارت کے لیے اپنے حصے کے طور پر (۱۰۰۰) روپے کی رقم اکٹھی کر لی۔ اس اسکول کی لاگت کا اندازہ (۱۳۰۰۰) روپے ہے۔ ۶-۷ سال کی عمر کے تمام بچے مدارس میں شریک کر لیے گئے ہیں۔ گوڈور پنچایت سمیتی نے خواتین کے لیے سلوائی کے دو مراکز بھی قایم کیے ہیں اور ستمبر کے دوران (۸۰) بالغوں کو لکھنا پڑھنا سکھلایا گیا۔

دور دراز قصبے میں صنعتی نمائش:

ستمبر ۱۹۶۱ء کے دوران موضع پنیوکنڈہ (ضلع اننت پور) میں ایک صنعتی نمائش منعقد کی گئی جس میں کئی مقامی مصنوعات کی خاص طور پر نمائش کی گئی۔ اس نمائش کو کئی افسران نے دیکھا۔

گاؤں والوں کے چندے سے اسکول کی عمارت اور ریڈنگ روم کی تعمیر:

موضع راماپورم کوٹلہ (ارادا کونڈہ سمیتی ضلع اننت پور) میں رضاکارانہ چندوں سے اسکول کی عمارت اور ریڈنگ روم تعمیر کر لیے گئے جن کی لاگت کا تخمینہ (۸۰۰۰) روپیہ ہے۔

قلیل پس اندازی کے سلسلے میں ایک روز میں ۵۲۵ روپیہ اکٹھا کر لیا گیا:

نارنگی (راما یم پیٹھ پنچایت سمیتی ضلع میدک) ۲۶ ستمبر ۱۹۶۱ء کو قلیل پس اندازی کا دن منایا گیا۔ اور ایک روز میں ۵۲۵ روپے کی رقم اکٹھی کر لی گئی۔

خواتین کے لیے قبہ سازی کا مرکز:

منگلاگیری پنچایت سمیتی کے زیر اہتمام راجیندرا پورم میں ستمبر ۱۹۶۱ء کے دوران قبہ سازی کا مرکز قایم کیا گیا۔ اس مرکز پر صرف خواتین کو تربیت دی جا رہی ہے۔

سرپنچ نے اجلاسوں میں شرکت کی فیس انعامی بانڈز میں جمع کرا دی:

مدھول پنچایت سمیتی (ضلع عادل آباد) کے موضع دیگاؤں کے سرپنچ شری گنڈنا اپنی اجلاسوں میں شرکت کی فیس پنچایت سمیتی مدھول کے نام پر انعامی بانڈ میں جمع کرا رہے ہیں اگر انھیں کسی بانڈ پر انعام ملا تو یہ رقم سمیتی کو دے دی جائے گی۔

پھلوں کے درخت:

اگست ۱۹۶۱ء کے دوران ملگ پنچایت سمیتی (ضلع ورنگل) میں پھلوں کے (۱۰۶۳) درخت لگائے گئے۔ نصف اخراجات بلاک نے برداشت کیے۔

گاؤں والوں نے تالاب کی مرمت کر لی:

موضع ویل پلی (مریال گوڑہ بلاک، ضلع نلگنڈہ) کے بڑا تالاب کو حالیہ شدید بارش سے سخت نقصان پہنچا تھا۔ گاؤں والے بارش کی تباہی پر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے نہیں رہے بلکہ انھوں نے مختلف گروپ بنا لیے اور تن دہی سے کام کرتے ہوئے تالاب کی مرمت کر لی۔

کسانوں کا معلوماتی دورہ :-

میٹ پلی پنچایت سمیتی (ضلع کریم نگر) کے کسانوں کی دو جماعتوں کو نظام ساگر بودھن، راجندر نگر اور حیدر آباد کے معلوماتی دورے پر لے جایا گیا۔ پہلی جماعت میں ۳۴ کسان تھے جو مواضعات ابراہیم پٹن، آکلا پور، دیبلا کرتی اور موہن راؤ پیٹھ سے تعلق رکھتے تھے دوسری جماعت ۴۱ کسانوں پر مشتمل تھی جو امکا پیٹھ، نارم اور موہن راؤ پیٹھ سے تعلق رکھتے تھے۔ بلاک کے عہدہ داروں نے اس سفر کے لیے (۱۵۰) روپے کی رقم فراہم کی۔ پہلی جماعت میٹ پلی سے ۱۸ ستمبر کو اور دوسری جماعت ۲۴ ستمبر کو روانہ ہوئی۔

شرمادان کے ذریعے ایک میل لمبی معاون سڑک کی تعمیر :-

موضع نارائن پور (آرمور پنچایت سمیتی ضلع نظام آباد) کے باشندوں نے اگست میں شرمادان کے ذریعے ایک میل لمبی معاون سڑک تعمیر کر لی۔ یہ پورا کام جس کی لاگت کا تخمینہ (۶۰۰) ہزار روپے ہے (۵) روز میں مکمل کر لیا گیا ہے۔

عقدہ لاینحل

جوتشی : "آپ کا بیاہ ایک قامت اور سیاہ فام شخص سے ہوگا"

لڑکی : (قدرے پریشانی سے) کیا آپ ٹھیک ٹھیک نہیں بتا سکتے وہ تو چاروں ہی بلند قامت اور سیاہ فام ہیں!!

"عجلت"

خاوند (اپنی بیوی کو آواز دیتے ہوئے جو بالائی حصے میں اپنے سنگار میں مشغول ہے)

"تم سے آخری بار پوچھتا ہوں کہ کیا تم ساتھ چل رہی ہو؟"

بیوی : (قدرے جھنجھلاہٹ سے) کیا میں تم سے ایک گھنٹہ سے نہیں کہہ رہی ہوں کہ میں بس ایک منٹ میں تیار ہو کر آتی ہوں"

صنعتی خبرنامہ

بابتہ ستمبر ۱۹۶۱ء

صنعت نگر حیدرآباد میں دوا سازی کے کارخانہ کے قیام پر کام جاری ہے۔ روسی ماہرین نے پروجکٹ کے تعلق سے جو رپورٹیں پیش کی ہیں ان پر ریاستی انجینیروں نے غور کیا اور پروجکٹ اینڈ منسٹریٹر کو جنہیں حکومت ہند کی جانب سے مقرر کیا گیا ہے اپنی رائے پیش کی۔ کارخانہ کے لئے مطلوبہ زمین حاصل کر لی گئی ہے اور سول ورکس اور عملے کی بھرتی کے تعلق سے پروجکٹ عہدہ دار ضروری اقدام کر رہے ہیں۔

بھاری برقی آلات کا پروجکٹ:

حکومت ہند نے اپنے اس فیصلے کا اعلان کر دیا ہے کہ یہ پروجکٹ ضلع میدک میں رامچندرا پورم کے قریب قائم کیا جائے۔ پروجکٹ اینڈ منسٹریٹر اور چیکوسلاویہ کے ماہرین نے رامچندرا پورم میں اس جگہ کا معائنہ کیا جو پروجکٹ کے لئے منتخب کی گئی ہے۔ زمین کے حصول کے تعلق سے ابتدائی انتظامات پر کام جاری ہے۔

فولاد کا کارخانہ:

ریاستی حکومت حکومت ہند پر یہ واضح کر رہی ہے کہ فولاد کا ایک چھوٹا کارخانہ آندھرا پردیش میں قائم کیا جائے کیونکہ اس کارخانہ کے لئے ریاست میں ضروری خام مال موجود ہے۔ ریاست میں دستیاب ہونے والے خام مال کے نمونے ضروری جانچ پڑتال کے لئے حکومت ہند کی جانب سے مقرر کردہ فنی کمیٹی کے صلاح و مشورے پر نیشنل میٹالرجیکل لیباریٹری جمشید پور کو روانہ کئے گئے ہیں۔ توقع ہے کہ اس جانچ پڑتال کے نتائج کا جلد ہی علم ہو جائے گا۔

ریاستی پروجکٹس:

متحدہ گلاس پروجکٹ:

تجویز ہے کہ حیدرآباد میں تیسرے پانچ سالہ منصوبے کے دوران شیشے کی مصنوعات کی تیاری کے لئے ایک متحدہ گلاس پروجکٹ قائم کیا جائے۔ کیونکہ حیدرآباد کے آس پاس اور ریاست میں دوسرے مقامات پر ضروری خام مال وافر مقدار میں ملتا ہے۔ شیشہ سازی کی صنعت کے متعلق ہنگری کے ماہرین جنہیں ریاستی حکومت نے مدعو کیا تھا ابتدائی تحقیقات کے لئے ۲۸ راگست ۱۹۶۱ء کو حیدرآباد پہونچے اور انہوں نے حیدرآباد کے قریب ان جگہوں کا معائنہ کیا جہاں کوارٹز اور فلسپار کے ذخائر ہیں۔ ماہرین نے شیشہ سازی کی صنعت کے موجودہ معیار اور ہندوستان میں شیشہ سازی کے مختلف کارخانوں کے کام کاج کے تعلق سے بھی واقفیت حاصل کی۔ مجوزہ متحدہ شیشہ سازی کے کارخانہ میں کرسٹل گلاس پلانٹ کی شمولیت کے تعلق سے بھی غور کیا جا رہا ہے۔ ہنگری کے ماہرین ایک ماہ کے اندر اپنی قطعی رپورٹ پیش کر دیں گے۔

خانگی شعبے کے پروجکٹس:

حکومت ہند نے حیدرآباد میں موپیڈس کی تیاری کے لئے کارخانہ کے قیام کے سلسلے میں لائسنس کی منظوری دی ہے جس میں سالانہ (۳۰۰۰) کی گنجائش ہوگی۔ گیہوں سے بننے والی چیزوں کے لئے رولر فلور ملس کے قیام کے سلسلے میں بھی لائسنس منظور کیا گیا ہے جس کی گنجائش یومیہ (۱۰۰) ٹن ہوگی۔

امداد باہمی کے شعبے میں شکر کی صنعت:

حکومت نے امداد باہمی کی اساس پر شکر کے کارخانوں کے لئے اعلیٰ اختیارات والی جو کمیٹی مقرر کی ہے اس کا پہلا اجلاس زیر تعمیر کارخانوں کی ترقی کا جائزہ لینے کے لئے ۲۶ اگسٹ ۱۹۶۱ء کو منعقد ہوا۔ اس تبادلہ خیال میں کوآپریٹیو شوگر فیکٹریوں کے نمائندوں نے بھی حصہ لیا۔ امداد الاسا چوڈاورم پالاکول اور جیتور میں کوآپریٹیو شوگر فیکٹریوں کی تعمیر کا کام جاری ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ یہ کارخانے ۶۲-۱۹۶۱ء کی فصل سے کام کرنا شروع کر دیں گے۔

ریاستی حکومت نے کوآپریٹیو شوگر فیکٹریوں کے کام کی دیکھ بھال کے لئے ایک خصوصی عہدہ دار کا تقرر بھی کیا ہے۔

نظام شوگر فیکٹری لمیٹڈ:

نظام شوگر فیکٹری لمیٹڈ کی توسیع کا کام تیزی سے جاری ہے۔ فیکٹری کے چیف میکانیکل انجینئر کو مسرز بیرنڈ ٹوس انجینئرنگ کمپنی اور نیشنل انڈسٹریل ڈیولپمنٹ کارپوریشن سے تبادلہ خیال کرنے اور توسیعی پروگرام کے لئے مشنری کی عاجلانہ روانگی کے سلسلے میں بات چیت کرنے بمبئی اور پمبری روانہ کیا گیا۔

کارخانے کے مزدوروں کے لئے "صنعتی مکانات کی اسکیم" کے تحت دو کمرے والے مکانات کی تعمیر اور اسکولوں کے لئے عمارتوں کی تعمیر کا کام جاری ہے۔

اجرت بورڈ کی سفارشات کو روبعمل لانے کے سلسلے میں کارخانے کے حکام کی جانب سے ضروری تدابیر اختیار کی جا رہی ہیں۔ توقع کی جاتی ہے کہ ملازمین کی اکثریت کو ان سفارشات سے فائدہ پہونچے گا۔

سنگارینی کالریز کمپنی لمیٹڈ:

کالریز کی پیداوار میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ اگست ۱۹۶۱ء کے ختم تک پیداوار (۱۷۵۰۸۲۷) ٹن رہی پچھلے سال کی تنا ظر مدت کی پیداوار (۱۵۹۸۳۸۳) ٹن رہی تھی۔

چھوٹے پیمانے کی صنعت:

ریاستی حکومت نے ریاست کی چھوٹے پیمانے کی صنعتوں کی ترقی کیلئے آندھرا پردیش اسمال اسکیل انڈسٹریل ڈیولپمنٹ کارپوریشن قائم کیا ہے۔ اس کا رسمی طور پر افتتاح چیف منسٹر کے ہاتھوں ۲۲ ستمبر ۱۹۶۱ء کو عمل میں آیا۔

دستکاریاں:

ریاستی مشاورتی بورڈ دستکاریاں نے اپنے حالیہ جلسہ میں فیصلہ کیا کہ ہر ہینڈی کرافٹ کوآپریٹیو کے لئے ایڈوائزری کمیٹی مقرر کی جائے اور ریاستی مشاورتی بورڈ دستکاریاں کے لئے مجلس قائمہ قائم کی جائے تاکہ دستکاریاں کی ترقی کے تعلق سے عاجلانہ فیصلوں میں سہولت ہو۔

کل ہند دستکاریوں کے بورڈ کا ۲۰ واں معمولی اجلاس ۸ ستمبر ۱۹۶۱ء کو حیدرآباد میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں ہندوستان بھر سے نمائندوں نے شرکت کی جس میں دستکاریوں کی ترقی کے مختلف پہلوؤں پر تبادلہ خیال کیا گیا۔

ریاستی حکومت نے ہندوستانی صنعتوں کے میلے میں شرکت کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس میلے کا افتتاح نئی دہلی میں ۱۴ نومبر ۱۹۶۱ء کو عمل میں آ رہا ہے۔

★

ایک مشہور صحافی کو ایک کلب میں دعوت دی گئی۔ جب اس کی تقریر کی باری آئی تو اس نے صدر جلسہ سے دریافت کیا کہ وہ کتنی دیر تقریر کر سکتا ہے۔ آپ جتنی دیر چاہیں تقریر کر سکتے ہیں۔ کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ صدر نے مسکرا کر جواب دیا "لیکن ہم سب ۲ بجے اٹھ کر چلے جائیں گے۔"

★

سوالات

سوال ۱۹۰ : شری ٹی۔ راما راؤ، پدیتھاورم، ضلع مغربی گوداوری۔
ضلع مغربی گوداوری میں نلاّجرلا سے کویلاگڈم (براہ پوتھاورم) جو سڑک جاتی ہے اس پر یرّاکلوا پر پُل کی تعمیر کیلئے کیا رقمی گنجائش رکھی گئی ہے۔ تعمیر کا کام کب شروع کیا جا رہا ہے اور یہ کب تک مکمل ہوگا۔

جواب : نلاّجرلا سے پوتھاورم تک سڑک کی ترقی و بہتری کے کام کی منظوری جس میں یرّاکلوا پر پُل کی تعمیر بھی شامل ہے ۹ مارچ ۱۹۶۱ء کو دی گئی تھی جس کی لاگت کا تخمینہ (۷،۵۰) لاکھ روپے تھا۔ اس سڑک کی ترقی و بہتری کا کام فی الوقت انجام دیا جا رہا ہے۔ لیکن یراکلوا پر پُل کی تعمیر کا کام مالیہ کی دستیابی کے بعد شروع کیا جائے گا مالیہ کی کمی کی وجہ سے رواں سال ۱۹۶۱-۶۲ء کے دوران پُل کی تعمیر شروع کرنے کے کوئی امکانات نہیں ہیں۔ پُل کی لاگت کا تخمینہ (۵،۰۰) لاکھ روپے ہے۔

سوال ۱۹۱ : شری ایم۔ وی۔ راجہ رتنا چاری، تمن چرلہ، ضلع اننت پور۔
ایسے افراد کی تعداد کیا ہے جنھوں نے دوسرے منصوبہ کی مدت کے دوران خود کو بیروزگار کی حیثیت سے درج رجسٹر کروایا۔ کتنے افراد کو روزگار ملا اور اس وقت کتنے افراد بیروزگار رہیں؟

جواب : دوسرے پانچسالہ منصوبے کی مدت کے دوران (یعنی یکم اپریل ۱۹۵۶ء سے یکم اپریل ۱۹۶۱ء تک) آندھرا پردیش کے ایمپلائمنٹ اکسچینجوں پر کرئی (۳۲۲۱۹۷) بیروزگار افراد نے اپنے نام درج رجسٹر کروائے (ان اعداد و شمار میں ایسے افراد بھی شامل ہیں جنھوں نے اپنے نام کرر درج رجسٹر کروائے) اسی مدت کے دوران آندھرا پردیش کے ایمپلائمنٹ اکسچینجوں کے ذریعہ کوئی (۸۰۹۴۲) افراد کو روزگار فراہم کیا گیا۔
آندھرا پردیش کے اکسچینجوں پر یکم اپریل ۱۹۶۱ء کو بیروزگار افراد کی تعداد (۱۰۲۳۸۲) تھی۔

سوال ۱۹۲ : شری وی۔ سبا راؤ، واسا ٹھیا، ضلع مغربی گوداوری۔
(i) ریڈیو لیسنسوں سے جو رقم حاصل کی جاتی ہے کیا وہ آل انڈیا ریڈیو چلانے کیلئے کافی ہے؟
جواب : جی نہیں۔
(ii) سالانہ آمدنی کیا ہے؟
جواب : ۱۹۵۹-۶۰ء کے دوران (۳۱۰۵۳۶۳،۷) روپے ہوئی۔
(iii) اخراجات کیا ہیں؟
جواب : ۱۹۵۹-۶۰ء کے دوران (مشمول گرانٹ) (۳،۷،۴۶۵۸۴) رہی۔
(۱۹۶۰-۶۱ء کی بابتہ اعداد و شمار ابھی دستیاب نہیں ہوئے)
(iv) فنکاروں کو کیا معاوضہ دیا جاتا ہے؟
جواب : فنکاروں کو جو معاوضہ دیا جاتا ہے اس کا تعین وقت کی بنیاد پر نہیں بلکہ انکے کمال فن کی نوعیت پر کیا جاتا ہے۔ معاوضہ ۱۰ روپے سے ۱۵۰ روپے تک دیا جاتا ہے۔
(v) کیا انہیں سفر خرچ بھی دیا جاتا ہے؟
جواب : انہیں سفر خرچ بھی دیا جاتا ہے۔

سوال ۱۹۳ : شری کے۔ وینکٹیشورراؤ، یداکرا پاڈو، ضلع گنٹور
پتہ چلا ہے کہ تلگو اور کنڑی کیلئے مشترکہ رسم الخط اختیار کرنے کی تجویز ہے۔

اس پر کب تک عمل ہوگا؟

جواب: تلگو اور کنڑی کے لئے مشترکہ رسم الخط اختیار کرنے کا سوال تلگو رسم الخط کی اصلاح والی کمیٹی کے شرائط کار میں سے ایک ہے۔ کمیٹی کی رپورٹ زیر غور ہے۔

سوال ۱۹۴: شری ڈی۔ نارائن ریڈی، بنڈا پیدہ سائیں۔ ضلع میدک

یہ کہاں تک صحیح ہے کہ انکم پیٹھ (ضلع میدک) میں پاسو پلیرو ندی پر بند تعمیر کیا جانے والا ہے؟ کیا یہ تیسرے پانچسالہ منصوبے کے تحت تعمیر کیا جانے والا ہے؟

جواب: ضلع میدک میں انکم پیٹھ کے نزدیک پاسو پلیرو (یعنی ہلدی) ندی پر بیراجکٹ کی تحقیقات ۴۹-۱۹۴۸ء اور پھر ۵۱-۱۹۵۰ء میں عمل میں لائی گئی تھیں لیکن اس پر عمل شروع نہیں کیا جا سکا۔ کیونکہ فنی اعتبار سے یہ معقول نہیں تھا۔ یہ اسکیم اسکیموں کی اس فہرست میں شامل نہیں ہے جو آندھرا پردیش کے تیسرے پانچسالہ منصوبے میں شامل کی گئی ہیں

سوال ۱۹۵: شری نا پیتا بھی ریڈی، داول جیرو پیو، ضلع چتور۔

کیا چتور کا شکر کا کارخانہ اس سال کام شروع کردے گا؟ اگر نہیں تو پھر یہ کب سے کام شروع کرے گا؟ اس سلسلہ میں کام کہاں تک آگے بڑھا ہے؟

جواب: چتور میں امداد باہمی کی اساس پر شکر کے کارخانے کے قیام کیلئے لائسنس جاری کیا گیا ہے جس میں روزانہ (۱۰۰۰) ٹن گنے پانے کی گنجائش ہوگی۔ کارخانہ کیلئے جگہ حاصل کرلی گئی ہے اور مشنری کیلئے آرڈر دیا جا چکا ہے امید کی جاتی ہے کہ ۶۳-۱۹۶۲ء کی فصل سے یہ کام شروع کردے گا۔ اس کارخانے کے اخراجات سرمایہ کا تخمینہ (۱.۳۵) کروڑ روپیہ ہے۔ اور اسکے ذریعہ کوئی (۳۵۰) مزدوروں کو روزگار فراہم ہوسکے گا

سوال ۱۹۶: شری ٹی۔ جی۔ رامنا رائو، گنٹکل

چتور میں صنعتی اسٹیٹ کا سنگ بنیاد رکھتے وقت یہ اعلان کیا گیا تھا کہ گنٹکل میں ری رولنگ مل قائم کیا جائے گا؟ یہ کب قائم کیا جا رہا ہے؟ اس سے کس حد تک فائدہ حاصل ہوگا؟ اس میں کتنے مزدوروں کو روزگار فراہم ہوگا؟

جواب: اس کا امکان ہے کہ گنٹکل میں خانگی شعبے میں ری۔ رولنگ مل قائم کیا جائے گا جس میں دوسری باری میں سالانہ (۵۰۰۰) ٹن کی گنجائش ہوگی۔ حکومت نے ابھی لائسنس منظور نہیں کیا ہے۔ سرمایہ، لاگت، مزدوروں اور کارخانے کے قائم کئے جانے کی تخمینی تاریخ کے بارے میں تفصیلات کو ابھی قطعی شکل دینی ہے۔ ان سب باتوں کا انحصار لائسنس کی وصولی پر ہے۔ ریاستی حکومت نے سفارش کردی ہے لیکن لائسنس کی منظوری حکومت ہند کے ہاتھ میں ہے۔

سوال ۱۹۷: شری لے۔ رامن گوڑ، وجے پوری ساؤتھ

آندھرا پردیش

(الف) انعامی بانڈز کی قرعہ اندازی کے نتائج کس طرح شائع کئے جاتے ہیں؟

جواب: قرعہ اندازی میں عوام بھی شریک ہوسکتے ہیں۔ انعام جیتنے والے بانڈز کا اعلان قرعہ اندازی کے مقام پر اور آل انڈیا ریڈیو کے ذریعہ کیا جاتا ہے اور انہیں گزٹ آف انڈیا اور ملک کے اہم اخبارات میں شائع کیا جاتا ہے۔ ان نمبروں کی نمائش تمام "دفاتر اجرائی" پر بھی کی جاتی ہے اور انہیں (دس) نئے پیسے کے حساب سے فروخت بھی کیا جاتا ہے۔

(ب) اس انعامی بانڈ کی صورت میں کیا عمل ہوگا اگر اس انعامی بانڈ کا جیتنے والا چپ سادھ لے اور قرعہ اندازی کے نتائج وغیرہ نہ دیکھے؟

جواب: ایسا شخص جسے کسی انعامی بانڈ پر انعام ملا ہو، اس بانڈ کو قرعہ اندازی کی تاریخ کے بعد کسی بھی وقت اجرا کرنے والے کسی بھی دفتر اجرائی پر پیش کرکے انعام کی رقم طلب کر سکتا ہے۔ نیز اخبارات میں ایسے انعامی بانڈز کے نمبر شائع کئے جاتے ہیں جن پر انعام ملا ہو اور رقم طلب نہ کی گئی ہو۔ انعامی بانڈ رکھنے والے افراد کو اپنے مفاد کے پیش نظر وقتاً فوقتاً نمبروں پر نظر رکھنی چاہئے۔

(ج) قرعہ اندازی کی تاریخ کی طرح جو ہر سہ ماہی کے پہلے روز مقرر ہے کیا قرعہ اندازی کی بھی کوئی تاریخ مقرر ہے؟

جواب: انعام جیتنے والے نمبروں کا اعلان آل انڈیا ریڈیو پر قرعہ اندازی کے روز ہی کیا جاتا ہے اور پہلے اور دوسرے انعام جیتنے والے نمبر دوسرے روز تمام اخبارات میں شائع کئے جاتے ہیں۔ تمام سلسلوں کی حد تک مکمل فہرست گزٹ آف انڈیا میں قرعہ اندازی کی تاریخ سے ایک ہفتہ کے اندر اور تقریباً پندرہ روز کے بعد اہم اخبارات میں شائع کی جاتی ہے۔ ان نمبروں کی نمائش دفاتر اجرائی پر کی جاتی ہے اور قرعہ اندازی کے مہینہ کے ختم تک فروخت کے لئے پیش کی جاتی ہیں۔

(د) ۱۹۶۰ء سے انعامی بانڈ کی جو قرعہ اندازیاں منعقد ہوئی ہیں کیا ان تمام کے نتائج حاصل کئے جا سکتے ہیں؟

جواب: یکم جون ۱۹۶۱ء کو منعقد ہونے والی قرعہ اندازی سے انعامی بانڈز کی قرعہ اندازیوں کے نتائج کی چھپی ہوئی فہرستیں نیشنل سیونگس کمشنر پوسٹ بکس ۹۶ ناگپور کی جانب سے ایسے افراد کو روانہ کی جائیں گی جو اپنے نام انکے پاس رجسٹر کرالیں (اپنے نام اور پورے پتہ کے ساتھ) اور اس غرض کے لئے انکے پاس ایک روپیہ ۵۰ نئے پیسے ذریعہ منی آرڈر، پوسٹل آرڈر یا ان کے ٹکٹوں کی

صورت میں روانہ کر دیں۔

پہلے تین ترغیبی اندازیوں کے نتائج کی تفصیلات جو یکم ستمبر اور یکم ڈسمبر ۱۹۷۰ء اور یکم مارچ ۱۹۷۱ء کو منعقد ہوئیں کسی بھی دفتر اجرائی سے معلوم کی جا سکتی ہیں۔

سوال ۱۹۸ : شری ایم ۔ستیہ نارائن، پراگٹا ڈورم، ضلع مغربی گوداوری ۔

کیا سابق قواعد تعلیمی مدراس اور موجودہ قواعد تعلیمی آندھرا ایک ہی ہیں؟ اگر ایسا ہے تو براہ کرم مطلع کیجئے کہ قواعد تعلیمی آندھرا کہاں سے دستیاب ہو سکتے ہیں ؟

جواب : حکومت کی جانب سے جامع قواعد تعلیمی آندھرا پردیش کی منظوری تک سابق قواعد تعلیمی مدراس پر، جن کی بعد میں حکومت آندھرا پردیش نے ترمیم کی علاقہ آندھرا میں عمل کیا جا رہا ہے اور ان قواعد تعلیمی پر جو تلنگانہ میں یکم نومبر ۱۹۵۶ء سے قبل نافذ تھے تلنگانہ کے رقبہ میں عمل کیا جا رہا ہے۔ قواعد تعلیمی آندھرا پردیش کی سربراہی حکومت کی جانب سے منظوری کے بعد ہی کی جا سکتی ہے۔

...★...

"ماہر چشم"

ایک رئیس نے جس نے اپنی ایک آنکھ پتھر کی لگوائی تھی ایک فقیر کے سامنے یہ شرط رکھی :

"اگر تو یہ پہچان لے کہ میری دونوں آنکھوں میں سے کونسی آنکھ پتھر کی ہے تو میں تجھے مالامال کر دونگا ۔"

رئیس کی پتھر کی آنکھ بہت نفاست سے بنائی گئی تھی اور اصل آنکھ سے اس کی تمیز ناممکن تھی لیکن فقیر نے بتا دیا کہ رئیس کی بائیں آنکھ پتھر کی ہے

رئیس نے کمال حیرت سے پوچھا " تو نے کیسے پہچانا " ؟

فقیر نے جواب دیا " میں نے تیری بائیں آنکھ میں رحم کا جذبہ دیکھا تھا اور ظاہر ہے کہ وہ تیری اصلی آنکھ نہیں ہو سکتی۔"

اہم سرکاری فیصلے

ریاستی حکومت نے ریاستی ملازمین کی تنخواہوں کے اسکیل پر نظر ثانی اور گرانی الونس کے بڑے حصے کو بنیادی تنخواہ میں ضم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ حکومت نے ریاست بھر میں وظیفہ خواروں، مجالس مقامی کے ہمہ وقتی ملازمین اور امدادی اسکولوں کے ملازمین کے گرانی الونس میں اضافے کا بھی فیصلہ کیا ہے۔ اس فیصلے کے نتیجے میں ریاستی اخراجات میں مزید (۲۵ : ۲) کروڑ روپے کا اضافہ ہوگا۔ اور اسے آندھرا پردیش کے قیام کی پانچویں سالگرہ یکم نومبر ۱۹۶۱ء سے نافذ کیا جائے گا۔

ریاستی راجدھانی میں کام کرنے والے سرکاری ملازمین کو حالیہ مردم شماری کے مطابق ایک لاکھ سے زاید آبادی والے (۱۰) تعلقات میں تلنگانہ کی مجالس بلدیہ میں اور علاقہ آندھرا کے تمام بلدی تعلقات میں نظر ثانی شدہ شرحوں پر کمپنسٹری الونس بھی دیا جائیگا

ریاستی حکومت نے راجمندری کے سرکاری مملوکہ پیپر ملز اور گوڈور کی سرامک فیکٹری اور بلاک گلاس فیکٹری کا انتظام انڈسٹریل ڈیولپمنٹ کارپوریشن کے تفویض کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

ریاستی حکومت نے ضلع آننت پور میں قحط سے متاثرہ رقبوں کے عوام کو امداد پہنچانے کی غرض سے (۱۰) لاکھ روپے کی مزید رقم منظور کی ہے۔ اس طرح اب تک (۲۰) لاکھ روپیہ منظور کیا جا چکا ہے۔

ماہ گزشتہ کے اہم واقعات

آندھرا پردیش میں

۲۱ ستمبر ۱۹۶۱ء

محکمہ تعلیمات کی جانب سے اعلان کیا گیا کہ قومیائی ہوئی درسی کتب کی فروخت کا کام اس سال لوکل اتھارٹیز کے تفویض کیا گیا ہے تاکہ ان کی تقسیم میں آسانی اور سہولت پیدا ہو۔

۲۲ ستمبر ۱۹۶۱ء

چیف منسٹر نے حیدرآباد میں اسمال اسکیل انڈسٹریل ڈیولپمنٹ کارپوریشن کا افتتاح کیا۔

۲۴ ستمبر ۱۹۶۱ء

حکومت میسور نے بنگلور کے جنوبی زونل کونسل کے اجلاس میں موضع آردکاوری پلی (ضلع کولار) میں ۱/۲ ایکڑ محصورہ علاقہ ضلع آننت پور (آندھرا پردیش) کو منتقل کرنے سے اتفاق کر لیا۔ اس کے معاوضے میں اسی قدر رقبہ میسور کو منتقل کیا جائیگا

۲۶ ستمبر ۱۹۶۱ء

ریاستی حکومت نے ضلع آننت پور میں فوری طور پر قحط کے امدادی کام شروع کرنے کے لئے (۱۰) لاکھ روپے کی خصوصی گرانٹ منظور کی ہے۔

یکم اکتوبر ۱۹۶۱ء

چیف منسٹر نے حیدرآباد میں اعلان کیا کہ عثمانیہ یونیورسٹی کو جلد ہی تلنگانہ کی

آندھرا پردیش

فاضل رقم سے (۳) کروڑ روپے کی فاؤنڈیشن گرانٹ دی جائے گی۔

۲ اکتوبر ۱۹۶۱ء

ریاست میں ۲۶۶ نئے پری اکسٹنشن بلاکوں کا قیام عمل میں آیا۔

۳ اکتوبر ۱۹۶۱ء

گلہاٹی کمیشن نے کرشنا گوداوری طاس کے آبی ذرائع و مسائل کے تعلق سے جو مواد اکٹھا کیا تھا اس پر نئی دہلی میں گلہاٹی کمیشن اور میسور، مہاراشٹرا، آندھرا پردیش، مدراس، گجرات اور اڑیسہ کی ریاستوں کے نمائندوں کے درمیان بات چیت شروع ہوئی۔

۶ اکتوبر ۱۹۶۱ء

سردار سوارن سنگھ، مرکزی وزیر آہن و فولاد نے مدراس میں کہا کہ آندھرا پردیش میں ڈھلواں لوہے (پگ آئرن) کا پلانٹ قائم کئے جانے کے امکانات ہیں جہاں سنگارینی کے کوئلے اور قرب و جوار میں پائے جانے والی لوہے کی کچ دھات سے استفادہ کیا جا سکتا ہے

۸ اکتوبر ۱۹۶۱ء

شری جگجیون رام، مرکزی وزیر ریلوے نے بھیماورم۔گوڑی واڈا براڈ گیج لائن کا افتتاح کیا۔

شری پی۔ رنگا ریڈی، وزیر منصوبہ بندی و اطلاعات نے چتور میں ڈسٹرکٹ انفارمیشن سنٹر کا افتتاح کیا۔

۹ اکتوبر ۱۹۶۱ء

شری جگجیون رام، مرکزی وزیر ریلوے نے حیدرآباد میں ایک نیوز کانفرنس

خطاب کرتے ہوئے آندھرا پردیش کے لئے علٰحدہ ریلوے زون کے قیام کی تجویز کو مسترد کر دیا۔

۱۴ ر اکتوبر ۱۹۶۱ء

ریاستی حکومت نے ضلع آننت پور میں قحط کے امدادی کاموں کے لئے مزید (۱۰) لاکھ روپے کی رقم کی منظوری دی ہے۔

ریاستی حکومت نے اپنے ملازمین نیز امدادی تعلیمی اداروں میں کام کرنے والے ملازمین اور لوکل باڈیز کے ہمہ وقتی ملازمین کی بنیادی تنخواہ میں گرانی الاونس کے ایک بڑے حصے کے ضم کرنے کا اعلان کیا۔

۱۵ ر اکتوبر ۱۹۶۱ء

گنٹور کے اس مبینہ واقعہ کی تحقیقات کرنے کے لئے جس میں کہا جاتا ہے کہ ایک نومولود بچے کو کتا اٹھالے گیا، کارگزار ناظم طبی خدمات نے گورنمنٹ جنرل ہسپتال کا معائنہ کیا۔

۱۷ ر اکتوبر ۱۹۶۱ء

آندھرا ہینڈلوم ویورس کو آپریٹیو سوسائٹی کے معاملات کی چھان بین کے لئے ریاستی حکومت نے ایک رکنی پر مشتمل تحقیقاتی کمیٹی قائم کیا ہے۔

ہندوستان میں

۲۳ ر ستمبر ۱۹۶۱ء

کانگو میں مقیم اقوام متحدہ کی افواج کے لئے فضائی امداد کی ضروریات کا پتہ چلانے حکومت ہند نے ایئر مارشل ٹیٹو کی قیادت میں ایک سہ رکنی وفد کانگو روانہ کیا ہے۔

۲۵ ر ستمبر ۱۹۶۱ء

نئی دہلی میں ہاؤسنگ کو آپریٹیوز پر تین روزہ سمینار شروع ہوا جسے نیشنل بلڈنگس آرگنائزیشن نے ترتیب دیا ہے۔

۲۷ ر ستمبر ۱۹۶۱ء

مرکزی وزیر اغذیہ و زراعت نے نئی دہلی میں آج سے شکر کی تقسیم اور قیمتوں

آندھرا پردیش

پر سے کنٹرول کی برخاستگی کا اعلان کیا۔

۲۸ ر ستمبر ۱۹۶۱ء

وزیر اعظم نہرو نے اپنی نیوز کانفرنس میں ڈیورنڈ لائن کے تعلق سے جن خیالات کا ذکر کیا تھا اس پر پاکستان نے اس پر احتجاجی مراسلہ روانہ کیا تھا جسے ہندوستان نے مسترد کر دیا۔

۳۰ ر ستمبر ۱۹۶۱ء

قومی یکجہتی کانفرنس نے (۳۷) ارکان پر مشتمل اتحاد کونسل کے قیام کی منظوری دے دی۔ اس کونسل کی حیثیت ایک مجلس قائمہ کی سی ہوگی جو قومی اتحاد سے متعلقہ امور کا وقتاً فوقتاً جائزہ لے گی اور اپنی سفارشات پیش کرے گی۔

یکم اکتوبر ۱۹۶۱ء

اکالی لیڈر ماسٹر تارا سنگھ نے اپنا (۴۸) روزہ برت توڑ دیا۔

قومی یکجہتی کانفرنس کا چار روزہ اجلاس نئی دہلی میں ختم ہو گیا۔ اس نے تعلیم کے ذریعے قومی اتحاد اور سیاسی جماعتوں کے لئے ضابطہ اخلاق پر زور دیا۔

۵ ر اکتوبر ۱۹۶۱ء

وزیر اعظم نہرو نے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے دو روزہ اجلاس کے آخری روز تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ہندوستان کی اب مزید تقسیم عمل میں نہیں آئے گی

۱۱ ر اکتوبر ۱۹۶۱ء

ڈاکٹر ایس رادھا کرشنن نائب صدر نے راجستھان میں ہنومان گڑھ کے قریب راجستھان نہر سے آبپاشی کے اغراض کے لئے پانی چھوڑنے کی افتتاحی رسم انجام دی۔

۱۲ ر اکتوبر ۱۹۶۱ء

حکومت ہند نے پچھلے سال دسمبر میں دیہی آبادی کے کمزور طبقات کی فلاح و بہبود کے تعلق سے سری دھر پرکاش نارائن کی قیادت میں ۸ افراد پر مشتمل ایک معلوماتی جماعت مقرر کی تھی اس کمیٹی نے نئی دہلی میں اپنی رپورٹ پر دستخط کئے

۱۳ر اکتوبر ۱۹۶۱ء

نئی دہلی میں سرکاری طور پر اعلان کیا گیا کہ عالمی بنک نے ہندوستانی ریلوں کی ترقی کے لیے (۵۰) ملین ڈالر (۵، ۲۳ کروڑ روپے) کا قرضہ منظور کیا ہے۔

۱۴ر اکتوبر ۱۹۶۱ء

وزیر اعظم نہرو نے پہلے ہندوستانی ساختہ برقی انجن کا افتتاح کیا جو چترانجن میں بنایا گیا ہے۔

۱۵ر اکتوبر ۱۹۶۱ء

وزیر اعظم نہرو نے بہار میں سیلاب کی تباہ کاریوں کا بچشم خود معائنہ کرنے کے لئے سیلاب زدہ رقبوں پر کم بلندی سے پرواز کی۔

۱۹ر اکتوبر ۱۹۶۱ء

گھاٹی کمیشن کا سہ روزہ اجلاس بمبئی میں شروع ہوا جس میں ریاستوں کے اس مواد کی چھان بین کی جائے گی جو انہوں نے اپنی تائید میں پیش کیا ہے۔ اس اجلاس میں جن ریاستوں کی نمائندگی ہوئی ہے ان میں آندھرا پردیش، مدھیہ پردیش، مہاراشٹرا، میسور اور اڑیسہ شامل ہیں۔

۲۰ر اکتوبر ۱۹۶۱ء

آج ابتدائی ساعتوں میں ہوڑہ ۔ رانچی اکسپرس پٹڑی سے نیچے اتر گئی۔ اس حادثے میں (۳۰) مسافر ہلاک ہوگئے۔

باہر کے دیشوں میں:

۲۹ر ستمبر ۱۹۶۱ء

اقوام متحدہ کے سکریٹری جنرل مسٹر ڈاگ ہمرشولڈ جو ایک ہوائی حادثے میں ہلاک ہوگئے تھے آج اُپسالا (سویڈن) میں سپرد خاک کردیئے گئے۔

۷ر اکتوبر ۱۹۶۱ء

دمشق ریڈیو نے اعلان کیا کہ روس بلغاریہ نے شام کی نئی حکومت کو تسلیم کر لیا۔

۱۰ر اکتوبر ۱۹۶۱ء

اعلان کیا گیا ہے کہ امریکہ نے شام کی نئی حکومت کو سرکاری طور پر تسلیم کر لیا۔

۱۶ر اکتوبر ۱۹۶۱ء

ہندوستان اور دوسرے چار ملکوں نے تجویز پیش کی کہ پانچ "ممتاز افراد" اقوام متحدہ کے سکریٹری جنرل مسٹر ڈاگ ہمرشولڈ کی موت کے اسباب کی تحقیقات کریں۔ مسٹر ہمرشولڈ ۱۸ ستمبر کو ایک ہوائی حادثے میں ہلاک ہوگئے تھے۔

۱۸ر اکتوبر ۱۹۶۱ء

روسی وزیر اعظم نکیتا خروشچیف نے ماسکو میں کہا کہ اگر مشرقی اور مغربی ممالک تخفیف اسلحہ پر متفق ہو جائیں تو روس اپنی فوج کو پوری طرح برخاست کردینے اور اپنے جوہری بموں اور راکٹوں کو سمندر میں ڈبو دینے پر آمادہ ہے۔

★

لارڈ چسٹر فیلڈ سے ایک شخص نے کہا "انسان ہی ایک ایسا جاندار ہے جو ہنس سکتا ہے"
"بالکل ٹھیک" لارڈ چسٹر فیلڈ نے کہا لیکن ...... انسان ہی ایک ایسا جاندار ہے جس پر ہنسا جا سکتا ہے۔

ضلعوں کے آنچل سے

دل آباد

ایک روپیہ کی بچت کی مہم :

تعلقہ چتور کے موضع کسٹم پیٹھ میں ۲۴ ستمبر کو ایک روپیے کی پس اندازی کی مہم کا
[آغ]از کیا گیا۔

ت پور

اسٹیل میٹل ورکشاپ :

حکومت نے ارادا کنڈہ میں (۱۸۵۰۰۰) روپئے کی لاگت پر اسٹیل میٹل ورکشاپ
قیام کی اسکیم منظور کی ہے۔

پا

امداد یافتہ صنعتی اسٹیٹ :

حکومت نے حال ہی میں پروڈتور کے لیے (۲۷ ۲) لاکھ روپیے کی امداد یافتہ خانگی
[صن]عتی اسٹیٹ کے قیام کی منظوری دی ہے۔

در

[شرم]دان کے ذریعے سڑک کی تعمیر :

کوتھا وینکٹ پورم میں ۲۲ ستمبر کو شرمادان کے ذریعے ۲ میل لمبی سڑک تعمیر کر لی گئی۔

[مش]رقی گوداوری

ایک روپیے کی پس اندازی کی مہم :

گولا پرولو سمیتی بلاک کے موضع دھرمادرم میں ستمبر ۱۹۶۱ء میں ایک روپیہ کی بچت کی
مہم کا افتتاح کیا گیا۔

گنٹور

پنچایت کی عمارت کا سنگِ بنیاد :

صدر نشین ضلع پریشد نے ۲۹ ستمبر کو تعلقہ تنالی میں موپارو پنچایت کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا۔

اسکول کی عمارت کا سنگِ بنیاد :

موضع کوچپا پتی (ریپور پنچایت سمیتی بلاک) میں ایلیمنٹری اسکول کی عمارت کا سنگ
بنیاد ستمبر ۱۹۶۱ء میں رکھا گیا۔ اس عمارت کے لیے جگہ کا عطیہ موضع کوچپا پلی کے شری
کے۔ کوٹیا اور شری بی۔ نرسیا نے دیا۔

ڈگی رالا میں ملبوسات کی تیاری کا مرکز :

ابہانی پنچایت سمیتی کے زیر اہتمام خواتین کے لیے ملبوسات کی تیاری کے مرکز کا
افتتاح ستمبر ۱۹۶۱ء میں عمل میں آیا۔

حیدرآباد :

ناون ڈگی میں پس ماندہ طبقات کا ہوسٹل :

صدر نشین ضلع پریشد نے ۲۳ ستمبر کو تانڈور پنچایت سمیتی کے موضع ناون ڈگی
میں پس ماندہ طبقات کے لیے ہوسٹل کا افتتاح کیا۔

تانڈور میں ٹیگور ہال :

تانڈور پنچایت سمیتی میں ۲۲ ستمبر کو ٹیگور ہال کا افتتاح عمل میں آیا۔

میرچل میں کسان کلب کی جانب سے رہنمائی :

میرچل میں کسان کلب پورے بلاک کی رہنمائی کر رہا ہے۔ اس نے پودوں کی حفاظتی تدابیر کے سلسلے میں پہل کی ہے۔ اور اپنی مہم کے تحت گاؤں میں (۳۰۰) ایکڑ پر دھان کی فصل کو محفوظ کر دینے کا فیصلہ کیا ہے کلب نے زرعی آلات کی خریدی کے لیے (۲۰۰۰) روپئے چندہ دیا ہے اس نے چھوٹی بچتوں کی مہم بھی شروع کی ہے اور (۶۰۰) روپئے اکٹھے کیے ہیں۔

کنٹھاپور کو بچت کا نمونہ قرار دیا گیا ہے جہاں (۲۰۰) خاندانوں نے (۳۱۰۰) روپیے کی مالیت کے پانچ روپے کے بانڈ اور ایک روپے کے ٹکٹ خریدے ہیں

پینے کے پانی کی باؤلی کے لیے ایک لاکھ روپیہ :

حیدرآباد ضلع پریشد کی تعلیمی قائمہ کمیٹی نے ستمبر ۱۹۷۰ء میں رواں سال کے لیے ضلع کے چار بلاکوں میں پینے کے پانی کی باؤلیوں کے لیے ایک لاکھ روپیے کی رقم منظور کی ہے رواں سال کے دوران ان مقامات کی اجرائی کے لیے کمیٹی (۱.۴۰) لاکھ روپیے کی رقم منظور کی گئی ہے۔

کریم نگر

چھوٹی بچتیں :

اس ضلع میں مئی ۱۹۶۷ء سے چھوٹی بچتوں اور انعامی بانڈز کے تحت (۱۰۳۳۷۲۰) روپئے کی رقم اکٹھی کر لی گئی۔

لوک سہایک سینا کیمپ :

سلطان آباد میں ستمبر ۱۹۷۰ء کے دوران لوک سہایک سینا تربیتی کیمپ منعقد کیا گیا۔ (۵۲۵) افراد نے تربیت حاصل کی۔

کھمم

لفٹ اری گیشن اسکیموں کی منظوری :

ضلع پریشد نے ۹ اکتوبر کو مدھیرہ بلاک میں (۷۱۰۰۰) روپے کی لاگت پر لفٹ اری گیشن اسکیموں کی منظوری دی جن کے ذریعے (۴۴۳) ایکڑ رقبے پر آبپاشی ہو سکے گی۔

بنیادی تربیتی اسکول :

ریاستی حکومت نے بھدراچلم میں علٰحدہ گورنمنٹ جونیر بیسک ٹریننگ اسکول کے قیام کے لیے عمارتوں کی تعمیر کے اغراض کے لیے (۲۴۰۰۰) روپے کی رقم منظور کی ہے۔

اس طرح حکومت نے کوپاگرز ہوسٹل کے لیے علٰحدہ عمارت کی تعمیر کے لیے (۴۰۰۰۰) روپے کی رقم اور گورنمنٹ ہائیر سکنڈری اور ہمہ مقصدی اسکول میں (شہ) جماعتی کمروں کی تعمیر کے لیے (۶۱۰۰۰) روپیے کی رقم منظور کی ہے۔

دیہی کمیونٹی ورکشاپ :

ریاستی حکومت نے کلور پنچایت سمیتی میں (۳۲۹۰۰) روپیے کے تخمینی اخراجات پر دیہی کمیونٹی ورکشاپ کے قیام کی فنی منظوری دی ہے۔ ضلع پریشد نے کلور میں سمت کے ابتدائی مراحل کے قیام کے لیے (۱۳۸۰۰) روپے کی منظوری دی ہے۔

کرشنا

گاؤں والوں نے سڑک تعمیر کر لی :

نرڈور پنچایت سمیتی میں موضع کانومورے باشندوں نے گرام سہایک کے تحت کیمپ کے سلسلے میں ایک فرلانگ لمبی سڑک تعمیر کر لی۔ یہ کیمپ اس گاؤں میں ۱۲ سے ۱۸ اکتوبر تک منعقد کیا گیا۔

اسکاؤٹوں کا تربیتی کیمپ :

مسولی پٹم میں ستمبر ۱۹۶۷ء میں (۱۰) روزہ اسکاؤٹس اینڈ گائیڈس ماسٹرس ٹریننگ منعقد ہوا۔ اس کیمپ میں مشرقی کرشنا کے (۲۶) مدرسین اور مغربی گوداوری کے (۲۳) مدرسین نے شرکت کی۔

کرنول

آبپاشی کے کاموں کے لیے (۱۲۶۰۰۰) روپیہ :

ضلع پریشد نے آبپاشی کے چھوٹے کاموں کے لیے (۱۲۶۰۰۰) روپئے کی منظوری دی ہے۔ خبرگیری اور مرمت کی حسب معمول رقوم اس کے علاوہ ہیں۔ پریشد نے کھاد کی اسکیم کے تحت سمیتیوں کو (۷۵۰۰۰) روپیے کی رقم تقسیم کی ہے۔

اس نے ایک لاکھ روپیے کی تخمینی لاگت پر اپنا خود کا پرنٹنگ پریس بھی چلانے کا فیصلہ کیا ہے سنجیا ملا اور پیرو سامان کے درمیان (۲۵۰۰۰) روپیے کی لاگت پر سڑک کی تعمیر کی بھی منظوری دی گئی ہے۔

محبوب نگر

بچوں کو گورنر کا مشورہ :

شری بھیم سین سچر، گورنر آندھرا پردیش نے ستمبر میں ضلع محبوب نگر کے دورے کے دوران دیور کنڈہ میں بچوں کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ وہ ہر اس بچے کو ایک روپیہ دیں گے جو ان کی نصیحت دہرائے۔ نصیحت یہ تھی کہ بچے ہمیشہ سچ بولیں، روشن خیال اور نظم و ضبط کے پابند شہری بن جائیں۔ (۵۰۱) بچوں نے اس نصیحت کو دہرایا۔ گورنر صاحب نے شخصی طور پر ہر ایک بچے کو ایک ایک روپیہ عطیہ مرحمت فرمایا۔

آبرسانی :

ریاستی حکومت نے محبوب نگر میں موجودہ آبرسانی کی اسکیم میں توسیع دینے کی اسکیم منظور کی جس پر (۵۲۰۰۰) روپیے لاگت آئے گی۔

میدک

منصوبے کی نمائش :

راما ئم پیٹھ میں ستمبر ۱۹۶۱ء کے آخری ہفتے میں منصوبے کی نمائش منعقد ہوئی۔ اس نمائش کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ پنچایت نے ترقی یافتہ زرعی آلات اور بیج کی نمائش کی۔

نلگنڈہ

دیہی سڑکیں :

حکومت نے ضلع نلگنڈہ کی دیہی سڑکوں کے لیے (۱۰۶) لاکھ روپے کی منظوری دی ہے

امداد باہمی کی (۳) انجمنوں کو انعام :

شری بھیم سین سچر گورنر نے ضلع نلگنڈہ کے حالیہ دورے میں امداد باہمی کی تین انجمنوں کو ان کے اچھے کام پر رولنگ شیلڈ عطا کیے۔ یہ انجمنیں جولور کی بڑے سائز کی انجمن امداد باہمی قرضہ، اور چوٹپل، اور اتنا بر ول کی قرضہ کی انجمنیں ہیں۔ شالی گوڑہ کے دیہی بنک کے صدر شری ڈی۔ پرتاپ ریڈی کو سونے کا تمغہ دیا گیا۔ یہ انعامات کوآپریٹیو سنٹرل بنک بھونگیر کی جانب سے دیے گئے۔

ناگارجن ساگر میں مزرعہ مویشیاں :

تیسرے منصوبے کے دوران ناگارجن ساگر پروجیکٹ پر (۱۰) لاکھ روپے کی لاگت پر مزرعہ مویشیاں قایم کیا جائے گا۔ یہ مزرعہ مویشیوں کی افزائش نسل پرورشی، امراض کی روک تھام اور انتظام وغیرہ نیز چارے کی کاشت اور حفاظت کے تعلق سے عوام کے لیے مظاہراتی مرکز کا کام دے گا۔ دیہی رقبوں میں مویشیوں کی نسل بہتر بنانے کے لیے یہ مرکز نسلی سانڈ بھی سربراہ کرے گا۔

ریڈیو رورل فورم :

محکمہ اطلاعات و تعلقات عامہ کی جانب سے ریڈیو رورل فورم پر جو تخمینی کمیٹی قائم کی گئی ہے، اس نے ستمبر ۱۹۶۱ء میں سوریا پیٹھ پنچایت سمیتی میں پلا امری ریڈیو رورل فورم کا معائنہ کیا۔ اور اس کے کام کاج کا مطالعہ کیا۔

صحت کے مرکز کے لیے (۸۰۰۰) روپیہ اکٹھا کر لیا گیا :

آلیر پنچایت سمیتی کے عوام نے صحت کے ابتدائی مرکز کے قیام کے سلسلے میں (۸۰۰۰) روپئے کی رقم فراہم کر دی ہے۔

قیدی نہر کی کھدائی کریں گے :

ریاست کے ۲۰۰ جیلوں کے قیدی جلد ہی ناگارجن ساگر پروجکٹ کے بائیں جانب کی نہر پر کھدائی کے کام میں ہاتھ بٹائیں گے۔ یہ قیدی تعلقہ مریال گوڑہ میں موضع منا کالکے قریب نہر کے ۲½ میل طویل حصے کی کھدائی کریں گے۔ یہاں ایک اوپن ایر جیل قائم کیا جائے گا۔ ان ۲۰۰ قیدیوں کو، جو یہاں کام کریں گے چار دیواری کے اندر مقید نہیں کر دیا جائے گا بلکہ یہ قیدی جہاں کام کریں گے، اس کے اطراف خار دار تار لگا دیا جائے گا۔ تخمینہ لگایا گیا ہے کہ اس کام پر پروجکٹ کے حکام کوئی (۶٫۵) لاکھ روپے کی بچت کریں گے۔ اگر کھدائی کا یہ کام کسی ٹھیکہ دار کے تفویض کیا جائے تو اس کی لاگت (۱۰) لاکھ روپے آئے گی۔ اور اگر قیدیوں نے یہ کام انجام دیا تو صرف (۳٫۵) لاکھ روپے لاگت آئے گی۔

قلیل پس اندازی :

ضلع نلگنڈہ میں اب تک قلیل پس اندازی اور انعامی بانڈز کی اسکیم کے سلسلے میں (۱۵۹ء۱) لاکھ روپے کی رقم اکٹھی کر لی گئی جہاں تک انعامی بانڈز میں رقم لگانے کا تعلق ہے یہ ضلع ریاست میں اول نمبر پر رہا۔

نیلور

پری اکسٹنشن بلاک :

سلور پیٹھ پری اکسٹنشن بلاک کا رسمی طور پر ۲۹ ستمبر کو افتتاح عمل میں آیا۔

غریب افراد کو پٹوں کی تقسیم :

ستمبر ۱۹۶۱ء میں مواضعات ٹھکا ورم اور چنت ورم میں کسانوں کو (۵۸۷) پٹے تقسیم کیے گیے جو (۱۰۵۴) ایکڑ رقبے پر حاوی ہیں۔

پس اندازی کی مہم :

تھوٹا پلی گوڈور پنچایت سمیتی نے حال ہی میں اپنے تمام ارکان سے خواہش کی کہ وہ قومی پس اندازی کی مہم میں گہری دلچسپی لیں۔ تمام ارکان نے یہ یقین دلایا کہ وہ اپنے اپنے رقبوں میں گھر گھر جا کر پرچار کریں گے۔

پنچایت سمیتی نے ایلمنٹری اسکولوں کی عمارتوں کے اطراف دیواروں کی تعمیر کے نصف اخراجات کی پابجائی کے سلسلے میں (۱۰۰۰) روپے کی حد تک رقم منظور کرنے کا فیصلہ کیا۔

علاج حیوانات کے سلسلے میں پہلی امداد کا مرکز :

کادی ویدو میں علاج حیوانات کے پہلے امدادی مرکز کی نئی عمارت کا افتتاح ۱۳ر ستمبر کو عمل میں آیا۔ اس عمارت کا عطیہ اس موضع کے شری ڈی۔ وینکو ریڈی اور شری ڈی۔ دا ترھا رام ریڈی نے دیا۔

نظام آباد

پیشہ ورانہ تربیتی مرکز کا افتتاح :

نظام آباد میں ۱۶ر ستمبر کو خواتین کے لیے پیشہ ورانہ تربیتی مرکز کا افتتاح عمل میں آیا۔

کاماریڈی پنچایت سمیتی کے زیر اہتمام راماریڈی میں صحت کے مرکز کی تعمیر کے لیے راماریڈی کے باشندوں نے اپنے حصے کے طور پر (۱۰۰۰) روپے اور (۲۱) ایکڑ اراضی کا عطیہ دیا۔

چاول کی گرنیوں کا "حفاظتی مقابلہ" :

نظام آباد میں ۴ر ستمبر کو منعقدہ ایک تقریب میں چیف منسٹر نے ڈسٹرکٹ رائس ملز سیفٹی کمپیٹیشن ویک میں اول آنے والوں کو انعامات تقسیم کیے۔ چیف منسٹر، وزیر زراعت ولیبر اور چیف انسپکٹر فیکٹریز نے وشنی انڈسٹریل ورکس (نظام آباد) کا معائنہ کیا جس نے تحفظ کا بہترین انتظام کرنے پر پہلا انعام حاصل کیا۔

سریکاکلم

قلیل پس اندازی :

ٹیکالی پنچایت سمیتی کا اجلاس ۲۴ر ستمبر کو منعقد ہوا فیصلہ کیا گیا کہ ہر پنچایت سے خواہش کی جائے کہ وہ قلیل پس اندازی کے سلسلے میں (۲۰۰۰) روپیے کی رقم فراہم کرے۔

ٹیلی فون ایکسچینج :

نرسنا پیٹھ میں ۳۰ر ستمبر کو ایک خودکار ٹیلی فون ایکسچینج کا افتتاح عمل میں آیا۔

وساکھاپٹنم :

مدرس کو قومی اوارڈ :

شری پی۔ نرسمہم، ہیڈ ماسٹر سنگودی بی ہائیر ایلمنٹری اسکول (تعلقہ وزیانگرم) کو ایک مثالی مدرس ہونے اور تعلیمی کارکردگی کی بنا پر اس سال مدرسین کا قومی ایوارڈ عطا کیا گیا۔ انھیں (۵۰۰) روپے کی رقم ادا کی جائے گی۔ اس علاقہ میں کسی مدرس کو دیا جانے والا اپنی نوعیت کا یہ پہلا اوارڈ ہے۔

خواتین کے لیے تعلیم بالغان کے اسکول کا قیام :

وزیانگرم میں، ماون مہیلا سنگھم کی عمارت میں ۱ر ستمبر کو خواتین کے لیے تعلیم بالغان کے اسکول کا قیام عمل میں آیا۔ اس اسکول کے قیام کی وجہ سے اس قصبے کی خواتین کی ایک دیرینہ ضرورت پوری ہوگی۔ جنھیں کسی باقاعدہ اسکول میں تعلیم حاصل کرنے کی سہولت نہ تھی۔

منصوبے کی نمائش :

مرکزی وزارت اطلاعات ونشریات کے زیر اہتمام وزیانگرم میں پانچسالہ منصوبوں پر ایک نمائش "نئے ہندوستان کی تعمیر" ۱۲ سے ۲۱ ستمبر تک منعقد کی گئی۔

تصاویر کو چھ حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ آبپاشی وبرقی قوت، زراعت وکمیونٹی ڈیولپمنٹ صنعتیں، حمل ونقل، مواصلات اور سماجی خدمت۔ ہر روز دستاویزی فلمیں بھی بتلائی گئیں۔

پنچایت آفس کی نئی عمارت :

گوپال پٹنم میں پنچایت آفس کی عمارت کا سنگ بنیاد ۱۸ ستمبر کو رکھا گیا۔

ورنگل

اسکول کا افتتاح :

وزیر زراعت نے ۲۰ ستمبر کو ورنگل میں ضلع پریشد ہائی اسکول کے سائنس بلاک کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس کی تعمیر پر لاگت کا تخمینہ (۳۰۰۰۰) روپیہ ہے۔

ہاؤسنگ اسکیم :

ریاستی حکومت نے ضلع ورنگل کو رواں سال کے دوران امداد باہمی کی انجمنوں کے ذریعے اوسط اور کم آمدنی والے طبقات کے لیے مکانات کی تعمیر کے سلسلے میں (۲) لاکھ روپے کی رقم منظور کی ہے :

مغربی گوداوری

خودکار ٹیلی فون ایکسچینج :

دیگیپورا پورم میں ۲۵ ستمبر کو خودکار ٹیلی فون ایکسچینج کا افتتاح عمل میں آیا۔ جو راجمندری سے ملا ہوا ہے۔

سروس کوآپریٹیو سوسائٹی :

پولاورم بلاک کے موضع کرشنا راؤ پیٹھ میں، ۱ ستمبر کو سروس کوآپریٹیو سوسائٹی کا افتتاح عمل میں آیا۔

دباغت کے تربیتی مرکز کا افتتاح :

صدگودور پنچایت سمیتی نے پاسی ونڈالا میں ۱۵ ستمبر کو دباغت کے تربیتی مرکز کا افتتاح کیا

گاندھی جی کی تعلیمات کا شعبہ :

ضلع پریشد نے آندھرا یونیورسٹی میں "گاندھین پروفیسرشپ" کے قیام کے لیے سالانہ (۴۸۰۰) روپے متوالی رقم کی منظوری دی ہے۔

پریشد نے تانوکو، ویراواسرم، اچنتا، پالاکول، پینوگنڈہ اور پیرادلی بلاکوں میں لازمی ابتدائی تعلیم کے نفاذ کا فیصلہ کیا ہے۔ گوپنا پالم میں دیہی صناعوں کی تربیت کا علاقہ داری مرکز اور کودور میں دیہی صنعتی اسٹیٹ کے قیام کا فیصلہ بھی کیا گیا ہے۔ اس نے (۸) سڑکوں کی تعمیر کی بھی منظوری دے دی جو (۸) لاکھ روپے کی اس گرانٹ میں سے تعمیر کی جائیں گی جو مصولات سے وصول ہوتی ہے۔

★

ملازمہ : میں نے اپنی پچھلی ملازمت اس لئے چھوڑ دی کہ مجھے وہ کرنے کیلئے کہا گیا جو میں نہیں چاہتی تھی۔

نئی مالکہ : تم سے کیا کرنے کہا گیا ؟

ملازمہ : مجھ سے کہا گیا "دوسری ملازمت تلاش کرو"۔

★

اخبارِی اطلاعات

نئے صنعتی یونٹ :

بیرونی زرِ مبادلہ کی قلت اور اسے محفوظ رکھنے کے پیشِ نظر فیصلہ کیا گیا ہے کہ آندھرا پردیش میں چھوٹے پیمانے کی صنعتوں کے شعبے میں ایسے نئے صنعتی یونٹوں کی حوصلہ افزائی نہ کی جائے جو ہسپتالوں کے ظروف اور برتنوں کی تیاری کے سلسلہ میں اسٹین لیس اسٹیل کی چادریں استعمال کرتے ہوں۔ اسی طرح تانبے اور پیتل کے برتنوں کی تیاری کے لیے نئے یونٹوں کی بھی حوصلہ افزائی نہیں کی جائے گی۔ لہٰذا متوقع تاجروں سے خواہش کی جاتی ہے کہ وہ مذکورہ صنعتوں کے قیام کے لیے کوئی قدم نہ اٹھائیں کیونکہ انہیں مطلوبہ خام مال فراہم نہیں کیا جا سکے گا۔

قانون نگرانی عمارات :

قانون نگرانی عمارات مرکزی و تلنگانہ [illegible] آندھرا پردیش بابت سنہ ۱۹۶۰ء کا نفاذ ۲ اپریل سنہ ۱۹۶۲ء کو عمل میں آیا [illegible] مذکورہ کی دفعہ (۲۰) ضمن (۱) کی رو سے سب آرڈینیٹ جج کے پاس مرافعہ پیش ہو سکتا ہے یا اگر ایک سے زائد سب آرڈینیٹ جج ہوں تو مرافعہ ایسے پرنسپل سب آرڈینیٹ جج کے پاس پیش ہوگا جسے متعلقہ رقبے میں ابتدائی اختیار سماعت حاصل ہو۔

اضلاع عادل آباد اور میدک اور بھدراچلم ڈیویژن میں ابتدائی اختیارات رکھنے والے کوئی سب آرڈینیٹ جج نہیں ہیں اور سب آرڈینیٹ جج راجمندری کو تعلقہ راجمندری میں ابتدائی اختیارات حاصل نہیں ہیں اور سب آرڈینیٹ جج الورو کو تعلقہ جات الورو اور چینتالاپوڑی میں ابتدائی اختیارات حاصل نہیں ہیں اسی طرح مرافعہ پیش کرنے کے اغراض کے لیے قانون مذکور کی دفعات کو روبعمل لانے میں دشواری پیدا ہو گئی ہے۔ اس دشواری کو دور کرنے کے لیے حکومت نے احکام صادر کئے ہیں کہ مذکورہ رقبوں میں متعلقہ ڈسٹرکٹ جج یا ایجنٹ سرکار رکھم قانون مذکور کے تحت مرافعے پیش کرنے کے اغراض کے لیے عہدہ دار مرافعہ ہوں گے۔

گنٹور کی ڈرینج اسکیم :

حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ گنٹور کی زیر زمین ڈرینج کی اسکیم کا پہلا مرحلہ تیسرے پانچ سالہ منصوبے کی مدت میں مکمل کر لیا جائے۔ گنٹور کی میونسپل کونسل اس اسکیم کے لیے اس طرح مالیہ فراہم کرے گی۔ (الف) میونسپلٹی ۰۰ء ۲ لاکھ روپے جمع کرا دے گی اور (ب) چار سال تک ہر سال (۵ء ۳) لاکھ روپے مہیا کرے گی اور (ج) ۰۰ء ۲۵ لاکھ روپے کا ایک قرضہ اجرا کرے گی۔

تلگو کی تعلیمی جماعتیں :

حکومت نے احکام صادر کیے ہیں کہ معتمدین کے محکموں، دفاتر نظما وغیرہ کے غیر تلگو داں سرکاری ملازمین کو تلگو سکھانے کی غرض سے دونوں شہروں حیدرآباد اور سکندرآباد میں تلگو کی تعلیمی جماعتیں منعقد کی جائیں۔

ہر جماعت میں امیدواروں کی تعداد (۴۰) تک ہوگی اور یہ جماعتیں ایک دن کے وقفہ فی ہفتہ تین گھنٹوں کی شرح سے منعقد ہوں گی۔ یہ جماعتیں ۲½ بجے شام سے ۵½ بجے شام تک منعقد کی جائیں گی

یہ جماعتیں دونوں شہروں کے مختلف محلوں میں دفاتر کے محل وقوع کے لحاظ سے قائم کی جائیں گی۔ تربیت کی مدت ایک سال ہوگی شروع میں (۱۰) جماعتیں کھولی جائیں گی اس تربیتی نصاب کے اختتام پر ناظم تعلیمات کی جانب سے ایک امتحان منعقد کیا

اور اس میں کامیابی حاصل کرنے والے امیدواروں کو صداقت نامے دیئے گئے ۔

ت میونسپل ایڈمنسٹریشن :

حکومت نے احکام صادر کئے ہیں کہ نیچے بتائی ہوئی جائیدادیں جو ڈائرکٹر لوکل ریشن کے تحت تھیں اب سے ڈائرکٹر میونسپل ایڈمنسٹریشن کے تحت رہیں گی

ا۔ ایک ڈپٹی ڈائرکٹر لوکل ایڈمنسٹریشن جس کے عہدہ کا نام اب ڈپٹی ڈائرکٹر میونسپل ایڈمنسٹریشن ہوگا ۔

۔ ایک اسسٹنٹ انسپکٹر جنرل لوکل ایڈمنسٹریشن جن کے عہدہ کا نام اب اسسٹنٹ ڈائرکٹر میونسپل ایڈمنسٹریشن ہوگا ۔

(۱۱) ایک چیف ویلیوایشن آفیسر اور

۱) کمیونٹی ڈیولپمنٹ آفیسر کی موجودہ دو جائیدادوں میں سے ایک جائیداد ڈائرکٹر میونسپل ایڈمنسٹریشن کے تحت تین زونل جوائنٹ ڈائرکٹر (میونسپل ایڈمنسٹریشن) ، جن میں سے دو آندھرا علاقے میں اور ایک تلنگانہ علاقے میں کام کرے گا

اسسٹنٹ انسپکٹر جنرلوں ، ڈسٹرکٹ انسپکٹروں اور ٹاؤن پلاننگ آفیسروں کی آٹھ جائیدادوں میں سے چار عہدیدار کمشنر پنچایت راج کے تحت کام کریں گے

مات کا پیشکش :

حکومت نے احکام صادر کئے ہیں کہ ایسے افراد کو جو سرکاری ملازم نہ ہوں ہی کارروائیوں کا کھوج لگانے میں معلومات بہم پہنچائیں یا مدد دیں جن کے نتیجہ میں ...۳ پے سے زائد سیلس ٹیکس مشخص ہوسکے ، انعامات عطا کئے جائیں ۔ انعام کی رقم اس ی کے ۲½ فیصدی شرح سے مشخص کی جائے گی جو اس طرح حاصل ہو ۔ یہ انعام ی تشخیص یا تشخیص پر دیا جائیگا ۔ جو دراغ براری کی بنیاد پر عمل میں آئی ہوں کے برس یا برسوں میں اس کارروائی میں حاصل ہونے والی آمدنی پر نہیں دیا جائے گا ۔
اگر انعام کی رقم ایک ہزار روپے سے زائد نہ ہو تو کمشنر کمرشیل ٹیکس اس کی ی کے مجاز ہوں گے ۔

سٹنٹ سرجنوں کو رعایت :

حکومت آندھرا پردیش نے فیصلہ کیا ہے کہ ایسے اسسٹنٹ سرجنوں کو ، جن کا تقرر پردیش پبلک کمیشن سے راست عمل میں آیا ہو اور جو آندھرا پردیش میڈیکل سرو س

میں اس حیثیت سے کام انجام دے رہے ہوں ۔ آرمی میڈیکل کور میں خدمت انجام دینے کی غرض سے ۳ سال کی مدت کے لیے متعین کیا جا سکے گا ۔ ان میں سے ایسے عہدہ داروں کو جن کا ریکارڈ فوجی خدمت میں ممتاز رہا ہو ، ترقیوں کے معاملے میں ترجیح دی جائے گی اور سول سرویس میں ان کی واپسی پر انہیں فوجی خدمت کے ہر سال پر ایک ایک کی شرح سے پیشگی تدریجی اضافے منظور کئے جائیں گے ۔ پیشگی تدریجی اضافوں کی رعایت ایسی صورتوں میں دی جائے گی ، جبکہ ایسے عہدہ دار فوجی خدمت سے واپسی پر اسی زمرہ میں محسوب رہیں ۔ اور ایسی صورتوں میں نہیں دی جائے گی جبکہ ایسے عہدہ داروں کو انکی فوجی خدمت کے صلہ میں بالاتر جائیدادوں پر ترقی دی جا چکی ہو ۔

کان کنی کی مراعات :

قوانین معدنی مراعات ۱۹۶۰ء جو حکومت ہند نے منضبط کئے تھے ۲۶ نومبر ۱۹۶۰ء سے نافذ ہوئے ہیں ۔ ان قواعد کے تحت کان کنی کے لائسنس کی کسی درخواست کا تصفیہ ایسی درخواست کی وصولی کی تاریخ سے ۹ مہینوں کے اندر اور کان کنی کے اجازت کے لائسنس کی تجدید کی درخواست کا تصفیہ جو اجارہ کے اختتام کی تاریخ سے (۹۰) دن پہلے پیش ہونی چاہیئے ، لائسنس کی مدت ختم ہونے سے پہلے ہو جانا چاہیئے ۔
کان کنی کے لائسنس کی کسی درخواست کا تصفیہ ایسی درخواست کی وصولی کی تاریخ سے (۹) مہینوں کے اندر اور کان کنی کے اجارے کے لائسنس کی تجدید کی درخواست کا تصفیہ جو اجارے کے اختتام کی تاریخ سے ۱۲ مہینے پہلے پیش ہونی چاہیئے اس کی وصولی کی تاریخ سے (۹۰) دن کے اندر کر دیا جائے گا ۔
قواعد معدنی مراعات ۱۹۶۰ء میں یہ قاعدہ بھی مقرر کر دیا گیا ہے کہ جن صورتوں میں ریاستی حکومت معدنی مراعات کی درخواستوں کا تصفیہ مقررہ مدت کے اندر نہ کر دے تو ان درخواستوں کے بارے میں مقررہ مدت کے گذر جانے کے بعد یہ سمجھا جانا چاہیئے کہ وہ نامنظور کر دی گئی ہیں ۔

مشاورتی بورڈ تحفظ جنگلی جانوراں :

حکومت نے احکام صادر کئے ہیں کہ ریاستی مشاورتی بورڈ تحفظ جنگلی جانوراں کے ارکان (بہ اعتبار عہدہ) کی تعداد (۸) سے بڑھا کر (۱۰) کر دی جائے اور یہ حکم بھی صادر کیا ہے کہ ناظم سمکیات اور ڈپٹی چیف کنزرویٹر جنگلات ... زود چڑیا گھر کے ناظم بہ اعتبار عہدہ ہیں ، ریاستی مشاورتی بورڈ تحفظ جنگلی جانوران میں ارکان

پردیش

باعتبار عہدہ کی حیثیت سے شامل کیے جائیں۔

حکومت نے یہ احکام بھی صادر کیے ہیں کہ ناظم نگہداشت جانوران ومکیات کے عہدہ کا نام مذکورہ مشاورتی بورڈ کی سرکاری رکنیت کے تعلق سے تبدیل کیا جا کر ناظم نگہداشت جانوران رکھا جائے گا۔

نیلور کی ڈرینج اسکیم :

حکومت نے احکام صادر کیے ہیں کہ نیلور کی زیر زمین ڈرینج اسکیم کا پہلا مرحلہ جس کے خرچ کا تخمینہ ۵۴٫۰۰ لاکھ روپے ہے۔ تیسرے پانچ سالہ منصوبے کے دوران میں روبہ عمل لایا جائے۔ اس کے لیے مالیہ اس طرح فراہم کیا جائے گا۔

الف :۔ پبلک ہیلتھ انجینئرنگ ڈیپارٹمنٹ میں میونسپلٹی کی داخل کردہ رقم ۵٫۰۰ لاکھ روپے

ب :۔ میونسپلٹی مختلف فنڈس میں لگائی ہوئی رقموں سے ۷٫۰۰ لاکھ روپے فراہم کرے گی۔ ۷٫۰۰ لاکھ روپے

ج :۔ میونسپلٹی پہلے تین برسوں میں سالانہ ایک لاکھ روپے دے گی ۳٫۰۰ لاکھ روپے۔

د :۔ میونسپلٹی ۳۹٫۰۰ لاکھ کا قرضہ حکومت کی ضمانت سے جاری کرے گی۔ ۳۹٫۰۰ لاکھ روپے

میزان ۵۴٫۰۰ لاکھ روپے

ریاستی مشاورتی بورڈ لیبر :

حکومت نے ریاستی مشاورتی بورڈ لیبر میں آنجہانی شری کے سوامیا جلو ڈریڈ یونین لیڈر کی جگہ (جو مزدوروں کے نمایندوں میں سے ایک نمایندے تھے) شری ایم گوبند اچاری کو نامزد کیا ہے۔ جو ہند مزدور سبھا کی صوبائی شاخ کے جنرل سکریٹری ہیں۔ نیز حکومت نے شری سی۔ ایس۔ طبیب جی کی جگہ، جو آجروں کے نمایندوں میں سے ایک نمایندے تھے، شری رامارا‌و۔ مجرلا صدر آندھرا پردیش فیڈریشن آف چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹریز کو نامزد کیا ہے۔

سرکاری وکلاء کی فیس :

چونکہ علاقہ تلنگانہ میں ایسے مقدمات ہیں جن میں میونسپلٹیاں یا ٹاون کمیٹیاں فریقین ہوں اور کارروائیاں یکساں ہوں۔ سرکاری وکلاء کو قانونی اخراجات کی ادائیگی کے لیے کوئی مقررہ طریقہ کار موجود نہیں ہے۔ اس لیے حکومت نے احکام صادر کیے ہیں کہ آندھرا پردیش (تلنگانہ علاقہ) ڈسٹرکٹ میونسپلٹیز ایکٹ ۱۹۵۶ء کے تحت قواعد مرتب کیے جانے تک علاقہ آندھرا میں جو طریقہ کار رائج ہے۔ وہی فی الفور علاقہ تلنگانہ میں بھی اختیار کیا جائے۔

ویلفیر آفیسر کے لیے مطلوبہ قابلیتیں :

حکومت نے، ویلفیر آفیسر کے تقرر کے لیے (جو قانون کارخانہ جات ۱۹۴۸ء کے تحت کسی فیکٹری کے قابض کی جانب سے عمل میں آئیگا) ان قابلیتوں کے علاوہ جو قواعد کارخانہ جات آندھرا پردیش ۱۹۶۱ء کے قاعدہ ۷۶۔الف کے ذیلی قاعدہ (۲) (۸) میں مقرر کی گئی ہیں۔ مدراس یونیورسٹی کی جانب سے عطا کیے جانے والے "ڈپلوما ان سوشیل سرویس" کو بھی ایک قابلیت قرار دیا ہے۔

باپ : "بڑے افسوس کا مقام ہے کہ تم اپنی جماعت میں ۲۸ طلبا میں سب سے پیچھے رہے ؟"

بیٹا : "اس میں افسوس کا مقام کیا ہے ؟"

باپ : "(تعجب سے اور ذرا غصہ ہو کر) کیا یہ افسوس کا مقام نہیں ہے ؟"

بیٹا : "وہ تو غنیمت سمجھیے کہ جماعت میں ۲۸ ہی طلبا تھے۔ اگر (۵۰) طلبا ہوتے تو ؟؟؟"

تیسرا منصوبہ
سپلیمنٹ

ایس۔ وی۔ آئیر

آندھرا پردیش کے (۵) برس اور تعمیری منصوبہ

نومبر ۱۹۵۶ء میں نئی ریاست آندھرا پردیش قایم ہوئی۔ آندھرا پردیش میں سابق ریاست حیدرآباد کے بڑے حصہ کا انضمام عمل میں آیا۔ حیدرآباد اس کا مستقر بنا اور اس طرح نئی ریاست کو زیادہ طاقت استحکام اور ایک مرکزی مقام نصیب ہوا۔

اس وقت جو رقبہ آندھرا پردیش کہلاتا ہے اس کے تعلق سے پہلے پانچ سالہ منصوبے کے دوران حاصل شدہ کامیابیوں کا جائزہ لینا ضروری معلوم نہیں ہوتا کیونکہ تاریخی دلچسپی سے زیادہ اس کی کوئی اہمیت نہیں جیسا کہ آندھرا پردیش کا تیسرا پانچ سالہ منصوبہ مرتب کرنے والوں نے کہا ہے :۔

" پہلے پانچ سالہ منصوبے کے دوران آندھرا پردیش کی کامیابیوں کا جائزہ لینا ممکن نہیں ہے کیونکہ ریاست کا علاقہ تلنگانہ سابق ریاست حیدرآباد کا ایک حصہ تھا۔ پہلے منصوبے کے دوران علاقہ تلنگانہ کے تعلق سے کوئی تفصیلات ممکن الحصول نہیں ہیں "

دوسرے پانچ سالہ منصوبے کے دوران (۱۸۰۔۵۵) کروڑ روپیے کے خرچ کا پروگرام تھا۔ اس منصوبے کے تحت آندھرا پردیش میں ٹھوس کامیابیاں اطمینان بخش رہیں۔

آندھرا پردیش کے تیسرے پانچ سالہ منصوبے میں کہا گیا ہے :۔

" ریاست کے لیے (۱۶۔۴۳) لاکھ ٹن زاید غذائی پیداوار کا ٹارگٹ مقرر کیا گیا تھا جو توقع ہے کہ دوسرے منصوبے کی مدت کے ختم تک حاصل کر لیا جائے گا۔ ناگارجن ساگر پروجیکٹ پر کام مقررہ وقت سے آگے انجام دیا جا رہا ہے۔ آبپاشی کی بڑی، اوسط اور چھوٹی اسکیموں کے تحت (۸۔۰۳) لاکھ ایکڑ رقبہ آبپاشی کے تحت لے آیا گیا برقی قوت کے تحت قایم شدہ گنجایش میں (۱۳۰۔۵۷) کلوواٹ کا اضافہ ہوا ہے مزید (۱۷۰۸) نصبات اور گاؤں کو برقی قوت سربراہ کی گئی۔ ریاست کے طول و عرض میں (۵۴۸) بڑی سائز کی انجمنیں قایم کی گئیں۔ انجمنوں کی مجموعی تعداد میں بھی قابل لحاظ اضافہ ہوا۔ اور مارچ سنہ ۱۹۶۰ء کے ختم تک (۱۶۔۴۳) کروڑ روپے کی حد تک قلیل مدتی، اوسط مدتی اور طویل مدتی قرضے منظور کیے گئے ۱۶۳۲ میل لمبی سڑکیں یا تو تعمیر کی گئیں یا ان کی مرمت کی گئی۔ سماجی خدمات کے شعبے میں بھی اطمینان بخش ترقی حاصل کی گئی۔ مکانات کے پروگرام کے تحت، صنعتی مکانات کی امدادی اسکیم کو آپریٹیو ہاؤسنگ اور کم آمدنی والے طبقات کے لیے فراہمی مکانات کی اسکیم کے ذریعے (۷۵۳۱) مکانات تعمیر کیے گئے۔ کمیونٹی ڈیولپمنٹ پروگرام پر کامیابی سے عمل درآمد ہوتا رہا اور اس شعبے میں ریاست کی کارگزاری قابل تعریف رہی "

رپورٹ کے مطابق : " ۶۰۔۱۹۵۹ء کے ختم تک ریاست میں (۲۸۲) بلاک قایم کیے جا چکے تھے جو (۵۹۳۹۷) مربع میل رقبے، (۱۵۹) لاکھ دیہی آبادی اور (۱۷۷۳۹) گاؤں پر حاوی تھے۔ ان بلاکوں کے نظم ونسق کو مکمل طور پر غیر مرکوز کر دیا گیا ہے جہاں آج کل سہ رخی نظم ونسق برسر عمل ہے۔ یعنی سطح پر پنچایت، بلاک کی سطح پر سمیتی اور ضلع کی سطح پر پریشد۔ نظم ونسق بحیثیت مجموعی اپنی کامیابیوں پر فخر کر سکتا ہے اگرچہ کہ نقاد ہمیشہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم اس سے بھی بہتر کام انجام دے سکتے تھے۔ جو ٹھوس ٹارگٹ حاصل کیے گئے ہیں انہیں قابل قدر کہا جا سکتا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ ملک کے موجودہ حالات میں جہاں جمہوری روایات کی تدریجی طور پر داغ بیل ڈالی ہو گی ہم صحیح راستہ پر گامزن ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ

راستہ طویل اور دشوار گذار ہو کیونکہ ابھی بہت سی رکاوٹوں پر قابو پانا ہے ۔

اور پھر ہندوستان کے پانچ سالہ منصوبے جو ہمارے سیاست دانوں یا انتظامی خدمات کے عہدیداروں کے لیے بہت بڑے ہی بنائے گئے ہیں ان کا مقصد تو یہ ہے کہ قوم کی آمدنی میں بتدریج اضافہ کیا جائے اور شہری و دیہی عوام کا معیار زندگی بلند کیا جائے ۔

ریاست کا دوسرا منصوبہ (۱۸۰) کروڑ روپے کا تھا لیکن معیار زندگی کمیٹیوں کی تجاویز پر غور و خوض کے بعد اور کمیشن منصوبہ بندی کے صلاح و مشورے سے ریاست کے تیسرے پانچ سالہ منصوبے کا خرچ (۳۰۵) کروڑ روپیہ مقرر کیا گیا۔ ابتدائی میں ترقی کے اہم مدات کی درجہ بندی کردی گئی ہے۔ زراعت، آبپاشی، برقی قوت، صنعتیں اور معدنیات، حمل و نقل، سماجی خدمت، اور متفرقات آندھرا پردیش کی منصوبہ بندی ترقی کا تقابلی مطالعہ کرنے والے طالب علم کے لیے نیچے بتائے ہوئے اعداد و شمار خاص دلچسپی کا باعث ہوں گے ۔

ذیل کے ضمیمہ میں اعداد و شمار کی تفصیل دی گئی ہے ۔

تقابلی تختہ جس میں آندھرا پردیش میں پہلے اور دوسرے منصوبوں کے دوران خرچ کے تخمینے اور تیسرے منصوبے کے تحت مجوزہ خرچ کی تقسیم بتائی گئی ہے

(کروڑ روپے میں)

نشان سلسلہ	اہم مدات	پہلا منصوبہ ★ گنجائش	مجموعی خرچ کا فی صد	دوسرا منصوبہ گنجائش	مجموعی خرچ کا فی صد	تیسرا منصوبہ گنجائش	مجموعی خرچ کا فی صد
۱۔	زرعی پروگرام	۱۱.۹۴	۱۲.۴	۳۶.۵۸	۲۰.۲	۷۳.۰۸	۲۳.۹۶
۲۔	آبپاشی	۲۱.۱۸	۲۱.۹	۵۸.۰۱	۳۲.۱	۷۶.۲۳	۲۴.۹۹
۳۔	برقی قوت	۳۸.۴۸	۳۹.۹	۳۴.۶۹	۱۹.۲	۶۴.۹۴	۲۱.۲۹
۴۔	صنعتیں اور معدنیات	۱.۲۰	۱.۲	۱۰.۴۴	۵.۸	۱۹.۴۳	۶.۳۷
۵۔	حمل و نقل	۳.۸۶	۳.۵	۵.۹۰	۳.۳	۱۱.۵۶	۳.۷۹
۶۔	سماجی خدمات	۱۸.۵۱	۱۹.۲	۳۲.۳۰	۱۷.۹	۵۵.۵۱	۱۸.۲۰
۷۔	متفرقات	۱.۲۲	۱.۹	۲.۶۷	۱.۵	۴.۲۵	۱.۴۰
		۹۶.۴۹	۱۰۰.۰	۱۸۰.۵۹	۱۰۰.۰	۳۰۵.۰۰	۱۰۰.۰۰

★ تخمینہ اس بنیاد پر لگایا گیا ہے کہ تلنگانہ میں پہلے منصوبے کے دوران خرچ، آندھرا کے خرچ کا کوئی ۵۰ فی صد ہوگا۔

اس مختصر سے مضمون میں آندھرا پردیش میں منصوبہ بندی کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لینا مقصود نہیں ہے لیکن معیشت کے بعض زیادہ اہم پہلوؤں کیونکہ پرجکٹس پنچایت راج اور صنعتی اور زرعی ترقی پر زور دینا ہی ہوگا ہمیں یہ بھی خیال رکھنا ہوگا کہ منصوبے کا پیام دور دراز کے گاؤں گاؤں تک پہونچ جائے تاکہ عوام میں ضروری جوش و خروش پیدا کیا جاسکے ۔

زراعت :

زرعی پیداوار کے باب میں آندھرا پردیش پلاننگ رپورٹ کے مصنفین نے لکھا ہے :-

" ملک کی معاشی ترقی کے تعلق سے کسی بھی منصوبے کی کامیابی کا دارومدار طبعی محرکات زمین اور محنت کے ذرائع و وسائل سے بیشترین استفادہ پر ہے لیکن اسکیمیں مرتب کرتے وقت ہمیں غذائی اجناس کی قلت اور صنعتی ترقی کے لیے مطلوبہ خام مال کی ضروریات پر بھی توجہ دینی ہوگی پہلے اور دوسرے پانچ سالہ منصوبے انہی اصولوں کی مطابقت میں مرتب کیے گئے تھے اور نمایاں تمام زراعت اور کمیونٹی ڈیولپمنٹ ہی کے

عطا کیا گیا تھا "

آبپاشی کے ساؤں، ترقی یافتہ بیج، کھاد، کیمیائی کھاد کے استعمال، مزید زمین کو زیر کاشت لانے، زمین کی ترقی اور زیر کاشت رقبے میں اضافے کی بدولت پیداوار میں اضافہ ممکن ہو سکا۔ جیسا کہ رپورٹ میں بیان کیا گیا ہے :-

" علاقہ آندھرا میں دوسرے پانچ سالہ منصوبے کے دوران اہم کامیابیاں حسب ذیل رہیں (۳۰۰) تخم کے مزرعوں کا قیام، (۳۰۱) سیڈ سس اسٹورس کی تعمیر، (۳۴۷۸۵) ٹن ترقی یافتہ بیج کی دھان، (۹۵۹۴) ٹن چھوٹے دانے دار اجناس (۲۱۱۰۵) ٹن مونگ پھلی، (۳۰۲۵) ٹن دالوں اور (۶۴۶) ٹن ہری کھاد کے بیج کی تقسیم۔ (۱۲) لاکھ ٹن نصباتی طول کھاد بھی تیار اور تقسیم کیا جائے گا "

" علاقہ تلنگانہ میں دوسرے منصوبے کے دوران کامیابیاں حسب ذیل رہیں :-
" (۱۴۴) تخم کے مزرعوں کا قیام، (۱۴۴) سیڈس اسٹورز کی تعمیر (۱۷۱۷۷) ٹن ترقی یافتہ بیج کی دھان، (۹۹۱) ٹن جوار (۸۴۴) ٹن گیہوں، (۱۹۸۸) ٹن مکئی (۵۳) ٹن دالوں (۸۱۷۰۰) ٹن گنے (۵۷۱۶) ٹن روئی، (۲۲۳۲) ٹن ازیلط (۳۰۰) ٹن دوسرے روغنی تخم اور (۱۱۰۱) ٹن ہری کھاد کے بیج کی سربراہی۔

کمیونٹی ڈیولپمنٹ پروگرام :-

ہو سکتا ہے کہ بعض لوگوں کو کمیونٹی ڈیولپمنٹ پروگرام بدیسی معلوم ہو لیکن بہت کم لوگ اس پروگرام کے اعلیٰ اصولوں پر معترض ہو سکتے ہیں۔ رپورٹ کے مصنفین نے لکھا ہے :-

" کمیونٹی ڈیولپمنٹ پروگرام کا مقصد ہی یہ ہے کہ دیہی زندگی کے تمام مسائل کے حل کے لیے باہمی امداد کے اصول کا اطلاق کیا جائے۔ ان مسائل کے حل اور اس ہمہ جہتی ترقی کے لیے پہل خود عوام کی جانب سے ہونی چاہیے اس پروگرام کی بنیاد ہی اپنی مدد آپ کے اصول پر ہے۔ ریاست صرف ضروری رسدات / خدمات اور قرضے سے مدد کرے گی۔ دیہی رقبوں میں جو وسیع غیر استفادہ شدہ قوت، خوابیدہ ہے اسے تعمیری کام میں لگانا چاہیئے۔ ہر خاندان کو چاہیئے کہ وہ اپنا وقت نہ صرف اپنے خود کے پروگرام کو روبہ عمل لانے کے لیے بلکہ پوری آبادی کے فائدے کے لیئے وقف کر دے "

دوسرے پانچ سالہ منصوبے میں کمیونٹی ڈیولپمنٹ پروگرام پر بہت زور دیا گیا تھا تاکہ اسے صحیح معنوں میں عوام کا پروگرام بنا دیا جائے۔ اس لیئے یہ ضروری ہو گیا کہ بلاکوں کے تمام تر نظم و نسق کو جمہوری اساس پر غیر مرکوز کر دیا جائے۔ ریاست کی حد بندی (۴۴۵) بلاکوں میں کی گئی جن میں سے (۲۹۷) آندھرا میں اور (۱۴۸) تلنگانہ میں دوسرے منصوبے کے ختم تک کمیونٹی ڈیولپمنٹ پروگرام آندھرا میں (۱۸۹) بلاکوں پر اور تلنگانہ میں (۴۹) بلاکوں پر جاری ہو جائے گا۔ نومبر ۱۹۵۹ء سے پنچایت سمیتیوں اور ضلع پریشدوں کا قیام عمل میں آیا تاکہ ترقیاتی پروگراموں کو عوامی تائید پوری طرح عملاً میں حاصل ہو سکے۔

یہ امر امید افزا ہے کہ اکتوبر ۱۹۶۳ء تک کمیونٹی ڈیولپمنٹ پروگرام پوری ریاست پر جاری ہو جائے گا۔ جیسا کہ رپورٹ میں بتایا گیا ہے تیسرے منصوبے کی مدت کے دوران آندھرا میں (۱۰۸) بلاکوں اور تلنگانہ میں (۵۴) بلاکوں کو روبہ عمل لایا جائے گا۔ کوئی (۲۵۰۰) لاکھ روپے کی رقم آندھرا کے لئے اور (۱۷۰۳) لاکھ روپے کی رقم تلنگانہ کے لیئے فراہم کی جائے گی۔ راجندر نگر کا "اورنٹیشن اینڈ اسٹڈی سنٹر" عہدہ داروں اور کارکنوں کی تربیت کے تعلق سے مفید کام انجام دے رہا ہے۔

جیسا کہ کمیشن منصوبہ بندی نے بالکل بجا طور پر کہا ہے :-

" پنچایت راج کے نفاذ کے نتیجے کے طور پر پنچایت سمیتیوں کے فرائض میں کمیونٹی ڈیولپمنٹ کی سرگرمیاں اور وہ سرگرمیاں بھی شامل کر دی گئی ہیں جو اب تک مجالس مقامی کے تفویض تھیں اس وقت جو حالات ہیں اس میں بعض اوقات کافی خلط ملط ہو جاتی ہے اس کی اصلاح کے لیے ضلع کے نظم و نسق پر نظر ثانی اور فرائض و تعلقات کی جدید تعریف ضروری معلوم ہوتا ہے "

لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تجربہ صحیح خطوط پر کیا جا رہا ہے اور اگر اسے معقول خطوط پر روبہ عمل لایا گیا تو حقیقی جمہوریت جنم لے گی۔

جہاں تک بڑے پیمانے کی صنعتوں کا تعلق ہے آندھرا پردیش یقیناً پس ماندہ ہے لیکن پھر بھی حکومت اس سلسلے میں اپنی سی پوری کوشش کر رہی ہے۔ انڈسٹریل ڈیولپمنٹ کارپوریشن کا قیام اس سلسلے میں صحیح اقدام ہے۔ کارپوریشن، پیداوار کے نئے ذرائع کی تلاش میں رہنمائی، فنی اور معاشی سروے بھی انجام دے گی۔

آندھرا پردیش جیسی زرعی ریاست میں کسی بھی ترقیاتی منصوبے کی کامیابی کے لیئے یہ ضروری ہے کہ چھوٹے پیمانے اور دیہی صنعتوں پر خاطر خواہ توجہ دی جائے۔ بعض رقبوں میں صنعتی اسٹیٹس قایم کی گئی ہیں جہاں کئی آسائش اور سہولتیں اور کارخانوں کے قیام کے لیے جگہیں فراہم کی گئی ہیں۔ کاریگروں کو تربیت دینے کے لیئے تربیتی مراکز بھی قایم کیے گئے ہیں سرکاری رپورٹ میں بالکل بجا طور پر

کہا گیا ہے۔

"دیہی اور چھوٹی صنعتوں کے پروگراموں کو تیسرے منصوبے میں ایک نہایت اہم مقام حاصل ہے کیونکہ روزگار کے مواقع فراہم کرنے کے علاوہ وہ معیشت کی صنعتی بنیاد کو بھی استحکام بخشتے ہیں ان کے ذریعے تجویز ہے کہ موجودہ آلات اور فنی مہارت کو مزید ترقی دی جائے اور ہر رقبے کے مقامی ذرائع و وسائل سے پورا پورا استفادہ کیا جائے۔ چھوٹی صنعتوں کے پروگرام کا ایک اور اہم جزو یہ ہے کہ ایسے چھوٹے قصبات میں صنعتی مراکز کو ترقی دی جائے جن کی معیشت کو آس پاس کے دیہی رقبوں کی معیشت سے ترتیبی طور پر مربوط کیا جا سکتا ہے۔"

حکومت نے بتایا ہے کہ دوسرے منصوبے کے دوران کوئی ۳۵ تا ۴۰ چھوٹے پیمانے کی صنعتیں قائم کی گئی ہیں۔ توقع ہے کہ ان کے قیام کی بدولت اشیائے صارفین مثلاً سائیکل کے پرزوں، ظروف آہنی، دستی آلات، زرعی اوزار، برقی موٹروں، ریڈیو ریسیور وغیرہ کی پیداوار میں اضافہ ہوگا۔

جہاں تک برقی سربراہی کا تعلق ہے آندھرا پردیش کے اپنے خود کے مسائل ہیں کئی اسکیموں کو روبعمل لانے کے باوجود برقی سربراہی ابھی ناکافی معلوم ہوتی ہے دوسرے منصوبے کے آغاز پر برقی قوت کا فی کس استعمال صرف (۷) یونٹ تھا لیکن توقع ہے کہ دوسرے منصوبے کے ختم تک یہ (۱۵) یونٹ ہو جائے گا۔

منصوبہ بند معیشت کے تعلق سے ہمیں گھر گھر یہ پیام پہنچانا ہے کہ منصوبے کا مقصد ہی یہ ہے کہ ہزاروں لاکھوں افراد کو غذا، کپڑا اور مکان فراہم کیا جائے، قومی دولت کی مناسب تقسیم عمل میں لائی جائے اور ہر ایک فرد کو مناسب کام مل سکے۔ کسی ایجنسی کے ذریعے تشہیری انتظامات کے باوجود اب بھی تشہیر کے کافی مواقع ہیں۔ اشتہارات اور ریڈیو کے ذریعے تشہیر میں انسانی اپیل کا فقدان ہے ہمیں زیادہ سے زیادہ ایسے طریقے اختیار کرنے پڑیں گے کہ مرد اور خواتین منصوبے کا پیام، ایقان اور امید کے ساتھ گھر گھر پہنچا سکیں بھجنوں، گیت گانوں وغیرہ کے ذریعے بھی تشہیر کی جانی چاہیے ضروری ہے کہ ۱۹۶۲ء کے عام انتخابات، امیدواروں کو یہ نادر موقع فراہم کرتے ہیں کہ وہ ریاست کے کونے کونے میں جائیں اور شہریوں پر منصوبوں کی اہمیت واضح کریں ان کے تعلق سے جوش و خروش پیدا کریں اور قومی تعمیر کے مقدس فریضے میں ایک کڑی کا کام دیں کہیں ایسا نہ ہو کہ جماعتی جھگڑوں سے عوام میں تفرقہ پڑ جائے ہونا تو یہ چاہیے کہ عوام میں بیداری پیدا ہو اور وہ ترقیاتی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے پر کمربستہ ہو جائیں۔

تیسرے پانچ سالہ منصوبے کا آغاز حسب ذیل قابل قدر الفاظ سے ہوتا ہے۔

"منصوبے میں سب سے زیادہ زور پروگراموں کو روبعمل لانے، تیز تر رفتار ترقی اور عملی نتائج کے حصول، زیادہ سے زیادہ پیداوار کے لیے سازگار حالات پیدا کرنے، فراہمی روزگار اور انسانی ذرائع و وسائل کی ترقی پر دیا ہوگا۔ نظم و ضبط اور قومی اتحاد، سماجی اور معاشی ترقی اور سوشلزم کے حصول کی بنیاد ہیں۔ تیسرے منصوبے کے لیے ہر مرحلے اور ہر سطح پر ایک ایسی قیادت کی ضرورت ہوگی جو عوام کی خدمت کے لیے وقف ہو، ایسی سرکاری خدمات کی ضرورت ہوگی جو کارکردگی اور جذبہ خدمت کا اعلیٰ ترین معیار رکھتی ہوں نیز اس کے لیے عوام کی شرکت، مفاہمت اور ان کی آمادگی کی بھی ضرورت ہوگی کہ وہ اپنی ذمہ داری کو بخوبی سمجھیں۔"

یہ ایک بڑا چیلنج ہے لیکن ترقی کی سمت پیش قدمی کرتے وقت ہمیں اسے قبول کرنا ہی ہوگا۔

اس مضمون کو ختم کرنے سے پیشتر مناسب ہوگا کہ ہم کمیشن منصوبہ بندی کے اختتامی جملوں کا اعادہ کریں۔

"رپورٹ میں ہم نے ان عظیم کاموں کو گنایا ہے جو ہندوستان کو تیسرے منصوبے کے دوران انجام دینے ہیں اس کے لیے ہمیں اپنے ذرائع و وسائل سے پورا پورا کام لینا ہوگا اور قوم کو ہر شہری کو اپنی بہترین صلاحیتیں پیش کرنا ہوگا۔"

اگر ہم اسے اہمیت دیں اور لگن و شوق کے جذبہ کے ساتھ انجام دیں تو قوم ان نصب العینوں کو حاصل کرنے کی پوری طرح اہل ہے جو اس نے اپنے آگے متعین کئے ہیں۔

ہمیں آندھرا پردیش میں کمیشن منصوبہ بندی کے الفاظ کو دہرانا چاہیے اور آندھرا پردیش کی پانچویں سالگرہ کے موقع پر نظم و ضبط اور آندھرا پردیش اور ہندوستان کے لیے وقف ہو جانے کا عہد کر لینا چاہیے اور عزم و استقلال کے ساتھ قومی آمدنی اور فی کس آمدنی میں اضافہ کے مقصد کے حصول کی طرف پیش قدمی کرنا چاہیے تاکہ ہندوستان، اقوام عالم کی برادری میں ایک طاقتور، دولت مند اور مضبوط ملک کی حیثیت سے اپنا جائز مقام حاصل کر سکے جو اپنے خود کے مفادات کی دیکھ بھال کر سکے اور وقت آنے پر ایشیا اور افریقہ کی کم ترقی یافتہ قوموں کی امداد کے لیے بھی آگے بڑھ سکے۔

ضمیمہ ھ

آندھرا پردیش میں دوسرے منصوبے کے تحت تخمینی اخراجات اور تیسرے منصوبے کا خرچ

(لاکھ روپیے میں)

ترقی کے اہم مدات	دوسرے منصوبے کا تخمینی خرچ	تیسرے منصوبے کا خرچ
زرعی پیداوار	۵۴۲	۱۲۴۶۰
آبپاشی کے چھوٹے کام	۷۱۰	۱۸۲۶
زمین کی حفاظت	۷۷	۱۶۳
علاج و افزائش نسل حیوانات	۲۰۶	۳۸۵
ڈائرینگ اور دودھ کی سربراہی	۵۴	۲۹۶
جنگلات	۱۰۵	۱۴۵
سمکیات	۶۱	۱۱۵
گودام، فروخت پیداوار اور اسٹوریج	۳۰	۷۲
I زرعی پروگرام	۱۷۸۹	۴۲۴۸
امداد باہمی	۳۰۰	۵۷۵
کمیونٹی ڈیولپمنٹ	۱۵۷۵	۲۵۵۰
پنچایتیں	۲۲	۳۰۰
II کمیونٹی ڈیولپمنٹ و امداد باہمی	۱۸۹۷	۳۴۲۵
آبپاشی	۵۸۱۶	۷۳۸۰
سیلاب کی روک تھام	—	۲۴۳
برقی قوت	۳۴۶۹	۶۴۹۴
III آبپاشی و برقی قوت	۹۲۸۵	۱۴۱۱۷
بڑی اور اوسط سائز کی صنعتیں	۱۶۷	۶۰۰
معدنی ترقی	—	۱۱
دیہی اور چھوٹی صنعتیں	۸۶۳	۱۳۶۷
IV صنعت و کان کنی	۱۰۳۰	۱۸۷۸
سڑکیں	۵۲۲	۸۰۰

ترقی کے اہم مدات	دوسرے منصوبے کا تخمینی خرچ	تیسرے منصوبے کا خرچ
روڈ ٹرانسپورٹ	۳۲	۳۵۰
بندرگاہیں	–	–
دوسرے ذرائع حمل و نقل	–	–
سیاحت	۷	۲
V حمل و نقل اور مواصلات	۵۶۱	۱۱۵۶
عام تعلیم و ثقافتی پروگرام	۹۶۸	۲۰۶۶
فنی تعلیم	۲:۴	۲۹۵
صحت	۱۰۲۷	۱۹۰۰
ہاؤسنگ	۴۵۴	۶۱۰
پس ماندہ طبقات کی فلاح و بہبود	۴۶۱	۵۳۷
سماجی بہبود	۴۳	۸۳
مزدور اور فلاح و بہبود مزدوران	۶۵	۱۳۵
عوامی تعاون	—	(۱)
VI سماجی خدمات	۳۲۳۵	۵۶۲۶
اعداد و شمار	۱۵	۵
اطلاعات و تشہیر	۲۵	۲۰
مجالس مقامی	۴۷	—
اسٹیٹ کیپٹل پروجکٹس	۱۸۰	—
دیگر	—	۲۵
VII متفرقات	۲۶۵	۵۰
مجموعی میزان	۱۸۰۶۴	۳۰۵۰۶

ماخذ:- تیسرا پانچ سالہ منصوبہ — حکومت ہند، کمیشن منصوبہ بندی
صفحہ ۷۴۰ و ۷۴۱

گوپال راؤ اکبوٹے

تعلیم اور تیسرا منصوبہ

دنیا کو آسانی سے رجائیت پسند اور قنوطیت پسند افراد میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ رجائیت پسند کے زمرے میں ایسے لوگ آتے ہیں جن کا خیال ہے کہ آنے والا کل آج سے اچھا ہوگا اور قنوطیت پسند کے زمرے میں وہ لوگ آتے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ ہر دن کسی دوسرے روز ہی کی مانند ہے۔ آج ہندوستان کا اوسط آدمی بعض اوقات تو ایک گروپ سے وابستہ رہتا ہے اور بعض اوقات دوسرے گروپ سے کیونکہ ہندوستان کی تعلیم کی داستان ہی کچھ ایسی ہے کہ جو بعض اوقات ہمیں پُرامید بنادیتی ہے اور بعض اوقات ناامید اور مایوس۔

تعلیم کی اصلاح و بہتری کے مسائل کا جائزہ کئی نقطۂ نظر سے کیا جاسکتا ہے۔ اور بظاہر تعلیمی پروگراموں کو روبعمل لانے میں مالی ذرائع و وسائل کی دستیابی کو اوّلیت اہم مقام حاصل ہے۔ بدقسمتی سے ہمارا تجربہ یہ رہا ہے کہ تعلیمی ترقی کی اسکیمیں اکثر مالیہ میسر نہ آنے کی وجہ سے دھری کی دھری رہ گئی ہیں۔ اس کی وجہ بالکلیہ نہیں تو جزوی طور پر یہ ہے کہ تعلیمی ترقی کے معاملے میں جو مسائل درپیش ہیں ان کا کافی احساس پیدا کیا گیا۔

کسی بھی تعلیمی انقلاب کیلئے یہ نہایت ضروری ہے کہ ہماری جاہلیت، ہماری توہم پرستی ہماری نادانی کا احساس پیش نظر رہے۔ اس تعلق سے (۱۳) سال قبل جو احساس پایا جاتا تھا آج گرچہ یہ احساس اس سے زیادہ ہے لیکن اب بھی اس میں وہ شدت پیدا نہیں ہوئی جو تعلیم کے شعبے میں ترقی پر مجبور کرے۔

ہندوستان کے ہر شہری کا فرض ہے کہ ہندوستان میں جو کام انجام نہیں دیا گیا ہے اس تعلق سے احساس پیدا کرولے تاکہ ہندوستانی بچوں کو تعلیم یافتہ بنایا جائے اور ہندوستانی شہری کو آج وہ جس قدر تعلیم یافتہ ہے اس سے زیادہ تعلیم یافتہ بنائے۔ پچھلے ۱۰ سال بلکہ اس سے بھی زیادہ عرصہ سے تعلیم خسارے میں رہی ہے کیوں کہ اس کے لئے فنڈ ہمیشہ کم رکھے گئے اور بعض ایسے پروگراموں کو فوقیت دی گئی۔

آندھرا پردیش

جنھیں زیادہ اہم تصور نہیں کیا جاسکتا۔ برطانوی دورِ حکومت میں یہی صورت حال تھی اور بدقسمتی سے اب بھی کم و بیش یہی حال ہے۔

سب سے زیادہ اہم سرمایہ کاری

عام طور پر اس بات کا احساس نہیں کیا جاتا ہے کہ انسان دنیا میں کسی اور مادی شے کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت کا حامل ہے چاہے یہ پروجکٹ ہو یا صنعت۔ لہٰذا کسی مادی پروجکٹ میں سرمایہ کاری سے زیادہ انسان پر سرمایہ کاری زیادہ اہم ہے۔ اس پالیسی کا سبب محض اخلاقی یا فلسفیانہ ہی نہیں بلکہ عملی بھی ہے۔

مختلف منصوبوں کا مقصد انسان کے حالات کو بہتر بنانا ہے۔ اس سے بھی یہی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ مادی ترقی کا انحصار اس انسانی جماعت کی کارکردگی اور معیار پر ہے جو اسے روبعمل لاتی ہے۔ یہ صاف طور پر ذہن نشین کرلینا چاہئے کہ اگر عوام میں تعلیم کی وسیع اشاعت نہیں کی گئی اور تعلیم کا معیار بہتر نہیں بنایا گیا تو کارکردگی اور نہ ہی دیانت داری صورت حال کے چیلنج کا مقابلہ کرسکے گی اور نتیجتاً بہترین اسکیموں کو بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ سماجی فلاح و بہبود کی جو مختلف اسکیمیں ہیں ان میں تعلیم کو ایک اہم مقام حاصل ہے کیونکہ صرف اس کے سبب سے ہی جمہوریت میں ہمارے عظیم الشان تجربے کا تحفظ ممکن ہے اور اس کی وجہ سے ہی ہمیں یہ طمانیت حاصل ہے کہ عوام کے معاشی حالات بہتر بنانے میں ہماری کوشش بارآور رہوں گی۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ سماجی اور سیاسی وجوہ اور غالباً سماجی انصاف کیلئے بھی عام تعلیم ضروری ہے۔ لیکن عام طور پر اس حقیقت کا بخوبی اعتراف نہیں کیا جاتا ہے کہ ہماری صنعتی، فنی اور زرعی ترقی کے تمام تر پروگرام اس سے وابستہ ہیں ورنہ ہم تعلیمی پروگراموں میں اتنی سہل انگاری سے کام نہ لیتے اور یہ نہ کہتے کہ ہمیں صنعتی پروجکٹوں کے لئے سرمایے کی

زیادہ فوری ضرورت ہے اور ہم تعلیم کے لئے کافی مالیہ فراہم نہیں کر سکتے۔ اگر معاشی اور فنی ترقی کیلئے تعلیم کو ایک ضروری شرط قرار دیا جاتا تو قومی ذرائع و وسائل کی زیادہ متوازن اور مساوی تقسیم عمل میں آتی اور تعلیم کے اخراجات کو کم فوقیت نہ دی جاتی۔

ہماری آزادی کے ۱۳ برسوں میں واضح ترقی کی گئی ہے۔ پہلے اور دوسرے پانچ سالہ منصوبوں کے نتیجے میں لازمی طور پر ترقی ہوئی ہے۔ ملک میں کوئی مفادات حاصلہ فرماسنہ اور تعلیم کی ترقی کو روک نہیں سکتے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہم سب اس بات سے اتفاق کریں گے کہ اگر کسی شخص نے ایسا کرنے کی کوشش کی اور تعلیمی گھڑی کے کانٹوں کو پیچھے کرنے کی کوشش کی تو یہ ایسا ہی ہوگا کہ وہ اپنا سر پتھر کی دیوار سے ٹکرائے جس بات پر ہم متفق نہیں ہیں وہ ہے تعلیمی ترقی کی رفتار۔ ہم میں سے بعض کی خواہش ہے کہ ہم جس رفتار سے آگے بڑھ رہے ہیں اس سے کافی تیز سے آگے بڑھتے۔ بعض آہستہ بڑھنا چاہتے ہیں یعنی یہ کہ ہم اس پر یقین رکھتے ہیں کہ ہمیں پیش قدمی کرنی چاہیئے لیکن ساتھ ہی ہمارا یہ بھی ایقان ہے کہ بہت تیزی سے آگے بڑھنے کا مطلب یہی ہوگا کہ ہم آگے چل کر پیچھے کی سمت بڑھیں گے۔

دوسرے لفظوں میں اصل تصادم تعلیم کی وسیع اشاعت اور معیار کے درمیان ہے۔ اس معاملے میں کسی کو اختلاف نہیں کہ بہترین پالیسی یہ ہے کہ مدارس میں تعلیمی معیارات کو برقرار رکھتے ہوئے اور بہتر بناتے ہوئے مدارس میں بچوں کی تعداد میں اضافہ کیا جائے۔

مالی پہلو:

اس پس منظر کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہماری تعلیم کے مالی پہلو کا جائزہ لینا مفید ہوگا پہلے منصوبے میں تعلیم کے لئے (۱۶۹) کروڑ روپیہ فراہم کیا گیا تھا۔ مرکز میں (۴۴) کروڑ روپیہ اور ریاستوں میں (۱۲۵) کروڑ روپیہ۔ دوسرے منصوبے میں (۲۷۵) کروڑ روپیہ فراہم کیا گیا، مرکز میں (۶۸) کروڑ روپیہ اور ریاستوں میں (۲۰۷) کروڑ روپیہ۔ جہاں تک عددی ہندسوں کا تعلق ہے۔ دوسرے منصوبے میں تعلیم پر خرچ میں اضافہ کیا گیا ہے۔ لیکن جہاں تک منصوبے کے مجموعی خرچ سے اس کے تناسب کا تعلق ہے۔ اس میں کمی واقع ہوئی ہے۔ پہلے منصوبے میں یہ تناسب (۷) فی صد تھا جو دوسرے منصوبے میں (۶) فیصد ہوگیا۔ ۵۹-۱۹۵۸ء کی بابت مرکزی گنجائش کے ہر (۱۰۰) روپے میں ۲۶ روپیے فنی تعلیم کے لئے، ۱۲ روپیے تحتانی تعلیم کیلئے ۸ ثانوی تعلیم کے لئے، ۱۲ روپیے۔ جامعاتی تعلیم کیلئے (۹) روپیے متفرق مداتکیلئے اور (۷) (۷) روپیے وظائف اور سماجی فلاح و بہبود کے لئے ہیں۔

ریاستوں اور مرکزی علاقہ جات میں سے (۳) ریاستوں نے ۵۹-۱۹۵۸ء میں اپنے بجٹ کا ۲۵ فی صد سے زیادہ حصہ تعلیم کیلئے رکھا۔ (۹) ریاستوں نے (۲۰) اور (۲۵) فی صد کے درمیان اور باقی (۲) نے (۱۰) فی صد سے کم رکھا۔ ۵۹-۱۹۵۸ء میں تعلیم کے لئے بمبئی نے سب سے زیادہ گنجائش رکھی (۲۳) کے بعد یو۔ پی، ایم۔ پی۔ مدراس اور مغربی بنگال کا نمبر آتا ہے۔

ہم نے اپنی ریاست میں ۶۲-۱۹۶۱ء کے سالانہ بجٹ میں (۱۰۰) کروڑ روپیئے کے مجموعی خرچ میں سے تعلیم کیلئے (۱۷۰۴۳) کروڑ روپیہ فراہم کیا ہے۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ یہ پوری رقم خرچ کر دی جائے گی تو (۱۶۰۰۳۶) کروڑ روپیئے کے مجموعی اخراجات کے تعلق سے جو یہ ریاست برداشت کرے گی، تعلیم پر خرچ کا تناسب (۹۰۴۱) فی صد ہوگا اور اگر آمدنی کے نقطہ نظر سے تخمینہ لگایا جائے تو تعلیم پر اخراجات صرف (۱۷) فیصد ہوتے ہیں۔ تعلیم کے معاملے میں دوسری وجوہ کے ساتھ ساتھ ہماری ریاست کی پسماندگی کی وجہ یہ بھی ہے۔

مقابلہ:

جب ہم ہماری ریاست کی تعلیمی ترقی کا مقابلہ ہندوستان کی دوسری ریاستوں سے کرتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ تسلی کی کوئی گنجائش نہیں۔ درحقیقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر منصوبہ میں ہم پیچھے کی طرف پیش قدمی کرتے ہیں اور دوسری اسٹیٹوں کے تعلق سے ہمارا درجہ اور نیچے ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور ۶ - ۱۱ سال کی عمر کے بچوں کے سلسلے میں پہلے پانچ سالہ منصوبے کے ختم پر ہماری پوزیشن ۷ ویں نمبر پر تھی اور اب دوسرے منصوبے کے ختم پر ہمارا نمبر ۸ واں ہے۔ اس طرح ۱۱ - ۱۴ سال کی عمر کے بچوں کے تعلق سے دوسرے منصوبے کے آغاز پر ہمارا نمبر ۹ واں تھا لیکن اس منصوبے کے ختم پر ہم (۱۰) ویں نمبر پر آگئے۔ اور جہاں تک ۱۴ - ۱۷ سال کی عمر کے بچوں کا تعلق ہے پہلے منصوبے کے آغاز پر ہم ۸ ویں درجہ پر تھے اور منصوبے کے ختم پر ہم ۹ ویں نمبر پر آگئے۔ اس سے مراد یہی ہے کہ اگرچہ ہم تعلیم میں تمام سطحوں پر ترقی کر رہے ہیں لیکن ہماری ترقی اس ترقی کا ساتھ نہیں دے رہی ہے جو دوسری ریاستیں کر رہی ہیں خواندگی کے نقطہ نظر سے بھی ہماری ریاست نے دوسری ریاستوں کے مقابلے میں زیادہ ترقی نہیں کی ہے۔

منصوبوں اور سالانہ موازنوں میں تعلیم کیلئے کم رقمی گنجائش رکھی گئی

یہ نہایت ضروری ہے کہ تعلیم کے مختلف مرحلوں کے درمیان رقومات کی اندرونی تقسیم معقول بنیادوں پر ہونی چاہیئے۔ یہاں پر فوقیت کا سوال آتا ہے۔

تعلیم کے مختلف مرحلوں کے درمیان فوقیت کا تعین اور ہر مرحلے کے اندر مختلف ضروریات اور مطالبات میں نہایت سوچ سمجھ کر توازن رکھنا چاہیئے۔ یہ مختلف مراحل اور ان کے مطالبات درحقیقت ایک دوسرے سے وابستہ ہیں اور ان میں چولی دامن کا ساتھ ہے لیکن جب ان پر ناکافی ذرائع و وسائل کی روشنی میں غور کیا جاتا ہے تو ان میں مسابقت کا امکان پیدا ہوجاتا ہے۔ مسابقت کا سوال پیدا نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ ہم تعلیم کے تمام مرحلوں میں دوسرے ہر ملک سے پیچھے ہیں اور ہم تعلیم کے کسی مرحلے کو نظر انداز نہیں کرسکتے یا اس کی اہمیت کم نہیں کرسکتے۔ اب بھی ذرائع و وسائل کی صورت حال کے پیش نظر یہ ضروری ہے کہ رقومات کو بعض مفروضوں کے ساتھ الاٹ کیا جائے کہ زیادہ زور کس اسکیم پر دیا جائے یا کس اسکیم کو ملتوی کیا جاسکتا ہے۔ پھر تعلیم کے ہر مرحلے کے اندر فوقیت کا دائمی سوال ہے۔ تاکہ تعلیم کی توسیع کے ساتھ ساتھ معیار بھی پیش نظر رہے۔ ہم دو(۲) منصوبوں کے دوران اس سوال سے نبرد آزما رہے ہیں اور اجمالی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ تحتانی مرحلے پر ہم نے توسیع کا پروگرام اختیار کیا ہے جبکہ تعلیم کے دوسرے مرحلوں۔ ثانوی، سماجی اور جامعاتی مرحلوں۔ میں زیادہ زور تعلیم میں بہتری اور معیار میں اضافے پر دیا ہے۔

اس مسئلے پر دو(۲) رائیں نہیں ہوسکتیں کہ ریاست میں ترقی کی موجودہ سطح پر جب کہ مالی ذرائع و وسائل اتنے قلیل ہیں جو تعلیم کی توسیع کے بھاری مطالبات کی پابجائی نہیں کرسکتے، ہمارا تعلیمی موازنہ جہاں تک ممکن ہوسکے کفایت پر مبنی ہونا چاہیئے۔ ہر قسم کے اسراف سے بچنا چاہیئے۔ بلکہ دانشمندانہ فعل یہ ہوگا کہ تعلیم کے ایک کم سے کم معیار کی طمانیت دلاتے ہوئے اخراجات کو ادنیٰ ترین سطح پر لے آیا جائے۔ ہمیں یہ امر تسلیم کرنا چاہیئے کہ معاشی اور تعلیمی لحاظ سے ترقی یافتہ تمام ملکوں میں تعلیم کے اخراجات ہندوستان کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ ہیں۔ حتیٰ کہ ہمارے پڑوسی ملکوں مثلاً لنکا اور تھائی لینڈ میں بھی اخراجات کافی زیادہ ہیں۔ یہ محسوس کرنا چاہیئے کہ جب تک ہم آنے والے کئی برسوں تک ہر سال ہمارے بجٹ کا ۲۵ فی صد سے زیادہ تعلیم کے لئے فراہم نہ کریں اور جب تک ہم مزید چند منصوبوں میں ریاستی منصوبے کے مجموعی خرچ کا (۱۰) فی صد سے زیادہ فراہم نہ کریں تو ہم تعلیم کے نظام میں بہتری پیدا نہیں کرسکتے۔

اخراجات میں اضافہ :

پیرحل نے محاصل کے بارے میں جو کچھ کہا تھا اس میں قدرے رد و بدل کے ساتھ ہم تعلیم پر اخراجات کے بارے میں بھی کہہ سکتے ہیں کہ تعلیم کے اخراجات میں اضافہ ہوا ہے۔ تعلیم کے اخراجات میں اضافہ ہو رہا ہے اور تعلیم کے اخراجات میں اضافہ ہوگا۔ اس اضافے کی کئی وجوہ ہیں۔ اور تعلیم کے تمام مرحلوں میں اضافہ ہوا ہے۔

جب ہم تعلیم کیلئے مالیے کی بات کرتے ہیں تو ہم جامعات کو نظرانداز نہیں کرسکتے۔ کیونکہ (۴۳۰) ملین آبادی کے لئے فی الوقت ہمارے ہاں (۴۰) جامعات ہیں۔ مغربی ممالک کے مقابلے میں یہ تعداد کافی نہیں ہے۔ جنوبی افریقہ میں (۲) ملین سفید فام آبادی کیلئے (۵) جامعات ہیں، کینیڈا میں (۹) ملین کیلئے (۱۳) اور آسٹریلیا میں ۵½ ملین کے لئے (۷)۔ اس طرح دوسرے ممالک کے مقابلے میں ہندوستان میں یونیورسٹی کے طلباء کا تناسب کافی کم ہے۔ ہندوستان میں (۱۴۰۰) میں (۱) امریکہ میں (۷۰) میں (۱) اور برطانیہ میں (۷۰۰) میں (۱) ہے۔

لھذا یہ صاف عیاں ہے کہ اگرچہ جامعات کی تعداد اور طلباء کے تناسب میں اضافہ ہوا ہے پھر بھی جامعاتی تعلیم کے شعبے میں ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ جامعات پر اخراجات میں اضافہ ہوا ہے اور مزید ہوگا۔

اب جہاں تک ثانوی تعلیم کا تعلق ہے، نظام تعلیم میں تبدیلی کے نتیجے میں مزید مالیہ درکار ہوگا۔ یہاں بھی اخراجات کی اصل مد، اساتذہ کی تنخواہوں میں اضافہ ہے۔ اگر نئے نظام کو خاطر خواہ روبعمل لایا گیا تو مدرسین کو معقول تنخواہیں دینی ہوں گی۔ پے کمیشن اور حکومت کی جانب سے کمیشن کی تجاویز کی جزوی منظوری کے باوجود بھی اساتذہ کی تنخواہوں کا مسئلہ اب بھی حل شدنی ہے۔ عمارتوں، سازو سامان، کتب خانوں اور تجربہ خانوں کے اخراجات میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ آج اچھی تعلیم کا مطلب یہی ہے کہ موافق اور سازگار حالات کا وجود اور جب تک ہم اس پر سنجیدگی سے غور نہ کریں اس وقت تک ثانوی مدارس سے اچھے نتائج کی توقع کرنا فضول ہے۔

ابتدائی تعلیم :

ایک صدی سے زائد عرصے تک ابتدائی تعلیم سے بے توجہی برتی گئی۔ آزادی کے حصول کے بعد سے ہی اس سلسلے میں تندہی سے کوششیں کی جارہی ہیں کہ زیادہ سے

زیادہ طلباء کو ابتدائی تعلیم سے بہرہ ور کیا جائے۔ اس سال سے مفت اور لازمی تحتانی تعلیم کے نفاذ کے نتیجے میں ابتدائی تعلیم پر اخراجات میں اضافہ لازمی ہے۔ بنیادی تعلیم کو تعلیم کا قومی نمونہ قبول کر لینے کے بعد اس کے اخراجات کے تعلق سے اکثر سوال اٹھایا جاتا ہے۔ جب یہ ابتدائی تعلیم اسکول جانے والے تمام بچوں کیلئے ہے، جن میں سے بہت کم بچے ثانوی یا اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے موقف میں ہوں گے تو یہ ایک فطری امر ہے کہ ہم اپنی کوششوں کو اور تیز کر دیں اور انھیں بہترین ابتدائی تعلیم فراہم کریں۔

1959ء سے عدم مرکزیت کی اسکیم کے تحت، ریاستی حکومت نے ابتدائی اور ثانوی مدارس کو ضلع پریشدوں اور پنچایت سمیتوں کے تفویض کر دیا ہے۔ لیکن عدم مرکزیت سے یہ مراد نہیں ہے کہ مرکزی یا ریاستی حکومت تعلیم کے شعبے سے ہٹ جا رہی ہے۔ آئین کے بموجب تعلیم ایک ریاستی موضوع ہے البتہ جامعاتی تعلیم کے معیار کی برقراری اور اس میں ربط و ارتباط پیدا کرنا مرکز کی ذمہ داری ہے۔ اس آئینی گنجائش کے باوجود یہ واضح ہے کہ مرکز کو ابتدائی و ثانوی تعلیم اور خاص طور پر ان پہلوؤں کے تعلق سے بری الذمہ نہیں کہا جا سکتا جو ملک کی عام معاشی ترقی اور شہریت کی تربیت پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ مزید یہ کہ بنیادی حقوق نے ہر شہری کو (۱۴) سال کی عمر تک مفت اور لازمی تعلیم کی ضمانت دی ہے۔ اس سے یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اس ذمہ داری میں ریاستیں اور مرکز برابر کی شریک ہیں۔ ضلع پریشدوں اور پنچایت سمیتیوں کی مالی حالت اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ اس سلسلے میں کوئی بار برداشت کریں۔ لہٰذا یہ صاف ظاہر ہے کہ ثانوی اور ابتدائی تعلیم کی بہتری سے متعلقہ تمام امور میں مرکز اور ریاستوں کے درمیان پورا پورا تعاون ہونا چاہیئے۔

ہم میں سے ایسے افراد جو اس مسئلہ کی اہمیت اور ریاست اور مرکز دونوں کے محدود مالی ذرائع و وسائل سے واقف ہیں۔ تمام ممکن ذرائع و وسائل کو یکجا کرنے کی ضرورت محسوس کریں گے تاکہ تعلیم کے تعلق سے مطلوبہ مقاصد حاصل کیئے جا سکیں۔

تعلیم ایک عظیم قومی پروجکٹ ہے اور اس میں جس قدر بھی روپیہ لگایا جائے اسے زیادہ نہیں سمجھنا چاہیئے۔ ہو سکتا ہے کہ شروع شروع میں تعلیم پر اخراجات سے قابل لحاظ فوائد حاصل نہ ہوں لیکن آگے چل کر اس کی روشنی سے ہزاروں، لاکھوں دل و دماغ منور ہوں۔

"شعر فہمی"

ایک اَن پڑھ اور جاہل نوجوان کی شادی ایک پڑھی لکھی عورت سے ہو گئی۔

پہلی رات بیوی نے میاں سے دریافت کیا،

"کیوں جی! آپ کی تعلیم کہاں تک ہے؟"

میاں نے اپنی شرمندگی کو چھپاتے ہوئے کہا:

"جانِ من! میں نے فارسی زیادہ پڑھی ہے"

اس پر بیوی نے فارسی کا ایک شعر پڑھ کر کہا "اس شعر کا مطلب تو بتایئے"

میاں بولے "مطلب کیا خاک بتاؤں۔ شعر کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ بیوی زیادہ عرصہ ہمارے گھر نہیں ٹکے گی۔

سی۔ وی۔ ایچ۔ راؤ

قومی اتحاد اور قومی منصوبہ

حالیہ مہینوں میں مختلف پلیٹ فارموں اور مختلف گوشوں سے قومی اتحاد کے بارے میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔ اس مضمون کا مقصد یہ نہیں ہے کہ قومی اہمیت کے اس مسئلہ پر جو کچھ کہا جا چکا ہے اسے مزید دہرایا جائے بلکہ مقصد یہ ہے کہ اس تعلق سے سرکاری ایجنسیوں اور شخصیات کی ذمہ داریوں اور فرائض کو واضح کیا جائے۔ مکمل طور پر قومی اتحاد کا حصول قومی ترقی کا جزو لاینفک ہے اور ان دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ نظم و نسق کی ایجنسیاں جو ملک کے ایک وسیع رقبے میں برسرعمل ہیں، پرخلوص کوشش کے ذریعہ اس مسئلہ کے حصول میں کافی مدد دے سکتی ہے۔

قومی اتحاد کی تشہیر اور پانچ سالہ منصوبوں کو کامیابی سے روبعمل لانے کے درمیان جو رشتہ ہے، ہوسکتا ہے کہ پہلی نظر میں وہ بہتوں کو نظر نہ آئے لیکن قریبی مشاہدہ کرنے پر یہ ظاہر ہو جائے گا کہ ان دونوں کے درمیان بہت قریبی تعلق ہے۔

اس پر سب متفق ہیں کہ پانچ سالہ منصوبے کی کامیابی کے لئے عوامی تعاون نہایت ضروری ہے اور اس تعاون کا پیشکش عوام کے تمام طبقات کی جانب سے کیا جانا چاہیئے۔ چونکہ ہمارے منصوبوں کا مقصد ہی یہ ہے کہ بعض اہم اور بنیادی مقاصد حاصل کئے جائیں۔ مثلاً قومی آمدنی میں قابل لحاظ حد تک اضافہ، معاشی اور سماجی عدم مساوات کی برخاستگی، زرعی اور صنعتی پیداوار میں اضافہ، اور یہ سب چیزیں قومی دائرہ عمل کے تحت آتی ہیں۔ یہ ایک قومی منصوبہ ہے اور اسے قومی منصوبہ ہی تصور کیا جانا چاہیئے۔

وزیراعظم نہرو نے ۵ر جولائی ۱۹۶۱ء کو مرکزی حکومت کے ملازمین کے نام ایک اپیل میں منصوبہ کو "ایک عظیم الشان کوشش" سے تعبیر کیا اور اس عظیم مہم میں ہماری کامیابی کے عزم صمیم کا اعلان کیا۔ صرف اس ایک حقیقت کے پیش نظر کہ منصوبہ قومی حیثیت کا حامل ہے اور یہ ایک عظیم الشان کوشش ہے، یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ عوام کے مختلف طبقات کی جانب سے زیادہ سے زیادہ دست تعاون دراز کیا جائے اور منصوبے کی اسکیموں میں عوام بڑھ چڑھ کر شرکت کریں خواہ ان کا دائرہ عمل مختلف ہی کیوں نہ ہو اور خواہ وہ کسی بھی مکتب خیال سے تعلق کیوں نہ رکھتے ہوں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا ایک ایسی فضا ان مقاصد کے حصول کیلئے ممد و معاون ہوگی جس میں کہ عوام فرقہ واری، ذات پات، طبقات، علاقہ واری یا لسانی اختلافات پر مشتعل ہو جائیں اور تشدد پر اتر آئیں؟ دوسرے کسی نقطۂ نظر سے بھی ایسی صورت حال ان مقاصد کے حصول کیلئے مفید اور سازگار نہیں ہے جس میں کہ اتحاد کا فقدان ہو۔ معاشی اور اقتصادی ترقی کے لئے مسلسل اور ہمہ جہتی کوشش ضروری ہے تبھی ہمارے برسوں کی کوشش اور جد و جہد ایک قومی اثاثہ بن سکتی ہے۔ اور اسکی بنیادیں ایسی مضبوط ہوسکتی ہیں جس پر کہ مزید خوشحالی و ترقی کی عمارت تعمیر کی جاسکے۔ ان ہی مقاصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے قومی اتحاد کی اہمیت اور عوام کو منصوبہ بندی اور اسے قومی اساس پر روبعمل لانے کے تعلق سے تعلیم و تربیت دینے کیلئے جامع تشہیر کی ضرورت ہے ان پر یہ واضح کرنا ہوگا کہ منصوبہ بندی کے ذریعہ قوم معاشی خوشحالی کی بلندیوں کو چھولیگی اور اس طرح ہمارے عوام کی کثیر تعداد کی سماجی ترقی ممکن ہوسکے گی۔ اسے اس نقطۂ نظر سے بھی دیکھنا ہوگا کہ قوم کی معاشی اور سماجی ترقی ایک خلاء میں حاصل نہیں کی جاسکتی بلکہ یہ اسی وقت ممکن ہے جب ہندستان، ایک متحدہ قوم بن جائے، جہاں مختلف علاقوں مذاہب اور لسانی گروہوں سے تعلق رکھنے والے افراد خود کو ایک ہی مادر وطن کے سپوت تصور کریں، اس کی سالمیت پر آنچ نہ آنے دیں اور اسکی عظمت بڑھانے کے لئے کمربستہ ہو جائیں۔

حالیہ ہفتوں میں مختلف کوششیں کی گئیں جن کا مقصد یہ ہے کہ ایسے اقدام کئے جائیں اور ایسے ضابطے مقرر کئے جائیں جن پر مختلف ایجنسیاں مثلاً ریاستی حکومتیں سیاسی جماعتیں، طلباء، صحافت، انفرادی شہری عمل پیرا ہوں اور جن کی رو سے وہ پابند ہو جائیں کہ محدود فرقہ واری یا دوسری وفاداریاں، قوم اور ملک سے وفاداری پر سبقت حاصل نہ کرلیں۔

ان اقدامات اور ضابطوں کا مرکزی مقصد یہ ہے کہ مختلف جماعتوں کو اس بات کی ترغیب دلائی جائے کہ وہ قومی اصطلاح میں سوچیں اور عمل کریں اور فرقہ واری طبقاتی علاقہ واری یا لسانی اختلافات کی شکل میں راہ میں جو رکاوٹیں درپیش ہیں انہیں دور کریں اس طرح ہم سے خواہش کی گئی ہے کہ ہم خود کو ایک جامع اور منظم کوشش میں مشغول کرلیں جس کا مقصد قومی اتحاد اور یکجہتی کا حصول ہے۔ ہم سے یہ خواہش اسلئے نہیں کیگئی ہے کہ انتشار کا فوری اور شدید خطرہ ہے بلکہ ایسی کسی امکانی خطرہ سے بچاؤ کے لئے ایسی خواہش کی گئی ہے۔ کیونکہ حال ہی میں مختلف شعبوں میں ایسے ناخوشگوار واقعات نے سر اٹھائے ہیں۔ یہ ایک انسدادی تدبیر بھی ہے اور ساتھ ہی اصلاحی قدم بھی۔

قومی اتحاد کی حفاظت اور ترقی نیز قومی اتحاد اور منصوبے کے مختلف سماجی یا معاشی ترقی کے پروگراموں کو کامیابی سے روبعمل لانے کی خاطر ہندستان کے ہر شہری پر لازم ہوجاتا ہے کہ وہ اس طریقے پر کام کرے جو اس نصب العین کی ترقی اور نشو و نما میں مدد دے اور مرکزی حکومت کے ملازمین کے تعلق سے جس اپیل کا ذکر کیا گیا ہے ان میں بلاشبہ ایسے ملازمین بھی شامل ہیں جو ریاستی حکومت کے تحت کام کررہے ہیں۔ وزیراعظم نے کہا " میں خاص طور پر ہر ایک فرد سے اپیل کروں گا کہ وہ قومی اتحاد اور ہمارے تمام عوام کے درمیان جذباتی انضمام کی ترقی کے لئے مسلسل اور تندہی سے کام کرے"۔

وزیراعظم نے اپنی اپیل ختم کرتے ہوئے ان طبقات سے خواہش کی کہ وہ اس بات کا خاص خیال رکھیں کہ جذباتی انضمام کا نصب العین ان کی تمام کوششوں میں جاری رہے۔ اور اس پر ہماری روزمرہ کی سرگرمیوں میں چاہے وہ سرکاری ہوں یا غیر سرکاری عمل کیا جائے تاکہ ہم اپنے خوابوں کے ہندستان کی تعمیر کرسکیں"۔

اس سلسلے میں حکومت ہند کی فیلڈ پبلسٹی آرگنائزیشن پر خاص ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ یہ ایک ایسی ایجنسی ہے جو عوام کو ہمارے معاشی اور سماجی ترقی کے منصوبوں سے واقف کرسکتی ہے اور جسے شہری اور دیہی رقبوں میں مختلف مکاتب خیال رکھنے والے افراد سے قریبی ربط پیدا کرنے کا موقع حاصل ہے۔ اسے اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا ہے اور یہ اپنی اس ذمہ داری کو تمام ایجنسیوں سرکاری غیر سرکاری اور رضا کارانہ ایجنسیوں کے تعاون سے پورا کرے گی جو معاشی، سماجی، ثقافتی اور عوام کے دوسرے مفادات کی ترقی کی سرگرمیوں میں مشغول ہیں اور اس کام میں ریڈیو، صحافت اور فلموں وغیرہ سے بھی پورا پورا کام لیا جائے گا۔

اوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کی روشنی میں یہ واضح ہوگا کہ قومی منصوبے کی کامیابی کے لئے متحدہ قومی کوشش ضروری ہے اور اس تعلق سے سرکاری افسروں اور سرکاری ایجنسیوں کے فریضے کی بھی وضاحت ہوتی ہے۔

★

سفینۂ برگِ گل بنالے گا قافلہ مورِ ناتواں کا
ہزار موجوں کی ہو کشاکش مگر یہ دریا سے پار ہوگا

— اقبال

کے۔ بھاسکرم

تیسرے منصوبے میں زرعی پیداوار

ہمارے ملک میں پہلے اور دوسرے پانچ سالہ منصوبوں کے دوران زرعی پیداوار کے اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ ۶۱-۱۹۶۰ء سے قبل کی (۱۰) سالہ مدت کے دوران تمام زرعی اشیاء کی پیداوار میں ۳۵ فی صد کا اور غذائی اجناس کی پیداوار میں ۳۲ فی صد کا اضافہ ہوا۔ اگرچہ یہ ریکارڈ نہایت شاندار ہے لیکن ہمارے ملک کی بڑھتی ہوئی آبادی کی ضروریات کی پابجائی کے لیے کافی نہیں ہے۔ کیونکہ ہم نے دوسرے منصوبے کی مدت کے دوران (۱۶) ملین ٹن غذائی اجناس درآمد کیا جن کی مالیت (۲۵۰) کروڑ روپیہ ہوتی ہے جب کہ گنجائش صرف (۲۵۰) کروڑ روپے مالیت کی ۶۔۱ ملین ٹن غذائی اجناس درآمد کرنے کی تھی۔ اس کے علاوہ ہماری صنعتوں کے لیے (۲۰۰) کروڑ روپے کی خام روئی اور (۳۰) کروڑ روپے کا خام پٹ سن درآمد کیا گیا۔ ماہرین کی فورڈ فاؤنڈیشن ٹیم نے حکومت ہند کے آگے رپورٹ پیش کرتے ہوئے کہا ہے "اگر ۱۹۶۶ء تک شرح پیدائش میں کافی کمی نہ کی گئی تو شرح پیدائش غذائی پیداوار کے تعلق سے اس قدر بڑھ جائے گی کہ لاکھوں افراد فاقہ کشی کے لیے مجبور ہوں گے اور اس صورت حال پر کسی درآمدی پروگرام یا راشن بندی کے پروگرام کے ذریعے قابو پانا مشکل ہو جائے گا۔ اس جماعت نے غذائی اجناس میں اضافہ کرنے کے لیے مختلف تجاویز پیش کی ہیں تاکہ تیسرے منصوبے کے ختم تک پیداوار ۷۶ ملین ٹن سے بڑھ کر (۱۱۰) ملین ٹن ہو جائے۔

ہندوستان کے تعلق سے یہ تصویر کسی حد تک مایوس کن کہی جا سکتی ہے اس کے مقابلے میں آندھرا پردیش، جو کہ بنیادی طور پر ایک زرعی اسٹیٹ ہے، مستقبل کے لیے امید و رجائیت کی ایک کرن ہے۔ اس اسٹیٹ میں جسے بجا طور پر "جنوبی ہند کا چاول کا تھالا" کہا گیا ہے، نہ صرف چاول کی پیداوار فاضل ہوتی ہے جب کہ دوسری اجناس مثلاً تمباکو، ارنڈی، مونگ پھلی، گڑ، مرچ، ہلدی اور پھل مثلاً آم و کیلا بھی فاضل پیدا ہوتا ہے۔ ہندوستان میں سگریٹ میں جو تمباکو استعمال کیا جاتا ہے اس کا ۹۵ فی صد آندھرا پردیش

ہی میں پیدا ہوتا ہے۔ فصلوں کی پیداوار کے مقابلوں میں فی ایکڑ (۱۲۰۰۰) پونڈ سے زیادہ دھان، کوئی (۶۰۰۰) پونڈ جوار، (۴۰۰۰) پونڈ مونگ پھلی اور (۱۵۰) ٹن گنا حاصل کیا گیا۔ ان اعداد و شمار سے اندازہ ہوگا کہ ریاست میں زرعی پیداوار میں اضافے کے وسیع امکانات ہیں۔

آندھرا پردیش میں زیر کاشت رقبہ میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ ۵۲-۱۹۵۱ء میں جغرافیائی رقبے کا (۳۸) فی صد زیر کاشت تھا جو ۶۰-۱۹۵۹ء میں بڑھ کر (۴۳٫۴) فی صد ہو گیا۔ اسی طرح آبپاشیدہ رقبہ میں بھی اضافہ ہوا۔ ۵۱-۱۹۵۰ء میں قابل کاشت رقبے کے ۲۳٫۷ فی صد حصے پر آبپاشی ہوتی تھی جو ۶۰-۱۹۵۹ء میں بڑھ کر (۲۸٫۲) فی صد ہو گیا۔ اسی مدت کے دوران غذائی اجناس کی پیداوار (۴٫۰۱) ملین ٹن سے بڑھ کر (۵۵ء۶) ملین ٹن ہو گئی۔ اس طرح (۰٫۸۶) ملین ٹن کا نہ صرف وہ خسارہ پورا ہو گیا جو ۵۲-۱۹۵۱ء میں موجود تھا بلکہ ۶۰-۱۹۵۹ء میں (۰٫۵۴) ملین ٹن فاضل پیداوار حاصل ہوئی۔ اس کی زیادہ تر وجہ یہ ہے کہ اس مدت کے دوران فی ایکڑ بڑھی چڑھی پیداوار حاصل ہوئی۔ مثال کے طور پر ۵۲-۱۹۵۱ء سے ۵۹-۱۹۵۸ء تک کی مدت کے دوران چاول کی پیداوار فی ایکڑ (۹۴۱) پونڈ سے بڑھ کر (۱۱۱۶)، جوار کی (۳۰۸) سے بڑھ کر (۴۹۲)، مونگ پھلی کی (۷۱۲) سے بڑھ کر (۸۴۴) اور تمباکو کی پیداوار (۶۸۱) سے بڑھ کر ۷۱۰ پونڈ ہو گئی۔

اسی قسم کی کامیابی ان اہم صنعتوں میں بھی حاصل ہوئی جہاں زراعت کا عمل دخل ہے مثلاً شکر اور سوتی دھاگے کی صنعت۔ ۵۱-۱۹۵۰ء میں شکر کی پیداوار (۸٫۴۰) لاکھ ٹن تھی جو ۱۹۶۰ء میں بڑھ کر (۱٫۲۶) لاکھ ٹن ہو گی۔ اسی مدت کے دوران سوتی دھاگا کی تیاری (۶٫۱۶۷) ملین پونڈ سے بڑھ کر (۳۲۲٫۲) ملین پونڈ ہو گئی۔

ریاست کے تیسرے منصوبے کا مجموعی خرچ (۳۰۵) کروڑ روپیہ ہے۔ اس میں سے ۵۰ فی صد یعنی تقریباً (۱۵۰) کروڑ روپیہ صرف زراعت اور آبپاشی کے

پروگراموں کے لیے رکھا گیا ہے اس رقم میں سے زرعی پروگراموں کے لیے (۸۰ء۳۷) کروڑ روپیہ اور آبپاشی کے لیے (۲۳ء۶۷) کروڑ روپیہ الاٹ کیا گیا ہے جو ریاستی منصوبے کے خرچ کا ترتیب وار ۹ء۲۳ فی صد اور ۲۵ فی صد ہے اس کے علاوہ ۹۲ء۴۴ کروڑ روپے کی رقم برقی قوت کے پروجیکٹوں کے لیے الاٹ کی گئی ہے جو صنعتوں کو امداد دینے کے علاوہ آبپاشی اور زرعی پروگراموں کی بھی امداد کا باعث بنیں گے۔

تیسرے منصوبے میں غذائی اجناس کے لیے (۶۸ء۹۴) لاکھ ٹن کا ٹارگٹ مقرر کیا گیا ہے۔ دوسرے منصوبے کے ختم پر ٹارگٹ (۶۴ء۰۰) لاکھ ٹن کا تھا۔ منصوبے میں اور جن چیزوں کی حد تک اضافوں کا ٹارگٹ ہے اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔ گڑ ۸ لاکھ ٹن، روغنی تخم ۵ء۴ لاکھ ٹن اور ٹن اور روئی ۰۰۰ ۳۵ گانٹھ۔ زرعی پیداوار میں اضافہ کے لیے نیچے بتائی ہوئی تدابیر کی تجویز ہے۔ کھاد کی بروقت اور کافی مقدار میں سربراہی، ترقی یافتہ بیج اور آلات کی فراہمی، پودوں کی حفاظت کی تدابیر، ٹیوب ویلوں اور ٹینکوں کے ذریعے (۳ء۲) لاکھ ایکڑ اضافہ اراضی پر کاشت زمین، تحفظ کی تدابیر یعنی ۲ء۲۵ لاکھ ایکڑ رقبے پر پشتہ بندی (۱۰) لاکھ ایکڑ کی حد تک چھوٹے چھوٹے منصوبوں کی سینچائی اور (۸۶۵) لاکھ ایکڑ رقبے پر آبپاشی کی چھوٹی اسکیموں کی سہولتوں کی فراہمی۔ زرعی پیداوار میں اضافہ کے لیے زرعی [illegible] نہایت ضروری ہے لہذا تجویز ہے کہ امداد باہمی کی انجمنوں کے ذریعے دیہی قرضہ کی سہولتوں میں (۶۶) کروڑ روپے سالانہ تک کا اضافہ کیا جائے۔

لیکن بالخصوص یہ بھی ضروری ہے کہ کسانوں کو کھیتی باڑی کے ترقی یافتہ طریقوں کی تعلیم و تربیت دی جائے۔ انسانی عنصر فنی ذرائع و وسائل کے مساوی یا اس سے بھی زیادہ اہمیت رکھتا ہے اسی مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے سنہ ۱۹۵۲ء میں کمیونٹی ڈیولپمنٹ تحریک کا آغاز کیا گیا جس کا معقولہ ہے "ترقی المقصود مکمل انسان" قومی توسیعی خدمت جو کمیونٹی ڈیولپمنٹ پروگرام کی ایک ایجنسی ہے کھیتی باڑی اور دیہاتی زندگی میں ہمہ جہتی ترقی لانے کے لیے تعلیم اور ترغیب کے طریقے تصور کرتی ہے اور اب جمہوری اساس پر عدم مرکزیت کی اسکیم کے تحت جس میں آندھرا نے باقی ہندوستان کی رہنمائی کی ہے نئی قائم شدہ گاؤں پنچایتوں، پنچایت سمیتیوں اور ضلع پریشدوں نے بھی عوام میں کافی جوش و خروش پیدا کیا ہے اور ان کی بدولت مقامی قیادت کی ترقی اور بڑھتی ہوئی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے مواقع فراہم ہو چلے ہیں۔

بچہ (پولس کے جوان سے) : جلد آیئے۔ ایک شخص کوئی آدھ گھنٹہ سے میرے ابا جان سے ہاتھا پائی میں مصروف ہے "
پولس کا جوان۔ " تم نے مجھ سے پہلے کیوں نہ کہا "
بچہ : " کیونکہ ابھی ایک منٹ پہلے تک میرے ابا جان کا پلہ ہی بھاری تھا "

آندھرا پردیش میں سڑکوں کی ترقی

سڑکوں کو آج کل کے معاشی و اقتصادی نظام میں ایک اہم مقام حاصل ہے۔ پیداوار اور فروخت پیداوار میں اضافے، کھیتی باڑی اور صنعتوں کی بہتری، تجارت و صنعت اور سیاحت اور سماجی روابط کی ترقی الغرض بنی نوع انسان کی تمام تر سرگرمیوں کے لئے سڑکوں کی اہمیت اظہر من الشمس ہے۔ سڑکیں ملک کے دفاع کے لئے بھی ضروری ہیں۔

سڑکوں کے پھیلاؤ میں اضافہ زیادہ خوشحالی کی علامت ہے:

آندھرا پردیش میں فی مربع میل سڑکوں کی لمبائی (۰٫۲۲۵) ہے جبکہ ہندوستان کا اوسط (۰٫۲۵) ہے۔ یہ تناسب دوسرے ترقی یافتہ ملکوں کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ جس کا اندازہ ذیل کے تختے سے ہوگا:

برطانیہ	۲٫۰۰ میل / مربع میل
فرانس	۳٫۰۴ میل / مربع میل
امریکہ	۱٫۰۰ میل / مربع میل
ہندوستان	۰٫۲۵ میل / مربع میل
آندھرا پردیش	۰٫۲۳ میل / مربع میل

۳۱ مارچ ۱۹۶۱ء کو سڑکوں کی لمبائی حسب ذیل تھی۔

درجہ بندی	سمنٹ کنکریٹ میل ۔ فرلانگ	ڈامبر کی سڑک میل ۔ فرلانگ	ڈبلیو۔ بی۔ ایم میل ۔ فرلانگ	ایسی سڑک جس پر مٹی اندازی کی گئی ہو میل ۔ فرلانگ	جملہ میل ۔ فرلانگ
قومی شاہراہیں۔	۹۶ ـ .	۱۱۹۶٫۰ ـ .	۱۴۰٫۹ ـ .	. ـ .	۱۴۳۲٫۰ ـ .
ریاستی شاہراہیں	۵۴٫۰ ـ .	۱۰۷۹٫۰ ـ .	۳۶۲٫۰ ـ .	. ـ .	۱۴۹۵٫۰۰ ـ .
ضلعوں کی بڑی سڑکیں	۴۳٫۰ ـ .	۲۴۳۹٫۰ ـ .	۷۴۶۷٫۰ ـ .	۳۷۷٫۰ ـ	۱۰۳۲۶٫۰ ـ .
ضلعوں میں دوسری سڑکیں	ـ	۲۵٫۰ ـ .	۲۲۳۰٫۰ ـ .	۱۴۴۳٫۰ ـ .	۳۴۶۸٫۰ ـ .
دیہی سڑکیں	ـ	۸٫۰ ـ .	۸۸۰٫۰ ـ .	۶۲۰۵٫۰ ـ .	۷۱۰۱٫۰ ـ .
جملہ	۱۹۳٫۰ ـ .	۴۷۴۴٫۰ ـ .	۱۱۰۸۷٫۰ ـ .	۷۷۹۵٫۰ ـ .	۲۳۸۲۲٫۰ ـ .

ریلوں کے بعد ملک میں حمل و نقل کا اصل ذریعہ سڑکیں ہی ہیں۔ سینچے
ئے ہوئے فائدوں کے پیش نظر سڑکوں سے زیادہ سے زیادہ کام لیا جارہا
ک۔ سڑکوں کے ذریعے ملک کے اندرونی اور دور دراز مقامات تک بھی پہنچا
اسکتا ہے۔ سڑکیں مقامی ضروریات کی آسانی سے پابجائی کرسکتی ہیں۔ سڑکوں
ذریعے حمل و نقل کے نظام کی کارکردگی بھی اچھی ہے۔ اور سامان کی تقسیم
بھی آسانی ہے۔

ہندوستان کے سڑکوں کے نظام کو منظم طریقے پر ترقی دینے کی
دشش تمام ریاستوں کے چیف انجینیروں نے ۱۹۴۳ء میں کی جبکہ انہوں نے
سالہ مدت پر حاوی سڑکوں کی ترقی کا ایک منصوبہ مرتب کیا یہ منصوبہ
ناگ پور پلان" کے نام سے مشہور ہے۔ اس منصوبے کی رو سے یہ تجویز کی گئی
ترقی یافتہ رقبہ میں کوئی موضع - صدر سڑک سے (۵) میل سے زائد فاصلہ
ہے اور سڑکوں کی شرح فی مربع میل (۰٫۲۵) میل ہو' قومی حکومت کے
کے بعد (۵) سالہ منصوبہ میں عمل درآمد شروع کیا گیا' اور سڑکوں کی
کے منصوبے مرتب کرتے وقت' ناگ پور پلان کو پیش نظر رکھا گیا۔ دوسر
بے کے ختم تک ناگ پور پلان کے ٹارگٹ قریب قریب حاصل کئے جا چکے ہیں۔

سڑکوں کا مفہوم ہے قوم کا کم نقصان:

سڑکوں کی منصوبہ بندی میں نئی سڑکوں کی تعمیر کے علاوہ موجودہ
وں کی درستگی اور ترقی پر بھی اتنی ہی توجہ دی جانی چاہیئے۔ ایک خراب و
سڑک کے مقابلہ میں اچھی سطح والی سڑک پر حمل و نقل کے اخراجات بہت کم ہونگے
اس طرح اچھی سڑکوں کا مفہوم ہے قوم کا کم نقصان - مٹی کی سڑک پر بیل بنڈی کے
صرف (۱۰۰۰) پونڈ سامان لے جایا سکتا ہے۔ جبکہ ایک اچھی سمنٹ کنکریٹ روڈ پر
بڑھکر (۲۵۰۰) پونڈ ہو جائے گی۔ فی الوقت موجودہ سڑکوں کی اہم کراسنگ
وغیرہ نہیں ہیں کیونکہ اتنا مالیہ نہیں تھا کہ انہیں تعمیر کیا جاسکتا۔ نتیجتاً عوام کو مجبوراً
کے ذریعے ان ندیوں اور نالوں وغیرہ کو عبور کرنا پڑتا ہے۔ حال حال میں کشتیوں کی غرقابی
جانے کے بعض حادثات واقع ہوئے ہیں' جو ظاہر ہے کہ پلوں کے ہوتے ہوئے
پذیر نہ ہوتے' ان خطرات کے علاوہ عوام کو بارش کے موسم میں طویل مسافت طے
پڑتی ہے - حمل و نقل کے اخراجات زیادہ ہوتے ہیں' تاخیر واقع ہوتی ہے اور اس
قومی نقصان میں اضافہ ہوتا ہے۔ بہتر سڑکوں سے ملک کی قومی دولت میں اضافہ ہوتا ہے

لیکن ساتھ ہی زیادہ سڑکوں اور بہتر سڑکوں کی تعمیر پر اخراجات
بھی زیادہ عاید ہوتے ہیں۔ کسی بھی ریاست کے موجودہ ذرائع و وسائل کے حدود
میں یہ ممکن نہیں ہے کہ ان دونوں مقاصد کو حاصل کیا جاسکے - لازمی طور پر ان دونوں میں
ایک قسم کا توازن پیدا کرنا ہوگا۔

اگر موجودہ سڑکیں ناقص' خستہ اور خراب حالت میں ہوں تو سڑکوں کے
مجموعی میلانے میں اضافے سے کوئی فائدہ نہیں - علاقہ آندھرا میں فی مربع میل سڑکوں کا
میلانہ (۰٫۳۰) ہے جو ہندوستان کے اوسط سے زائد ہے۔ موجودہ کئی سڑکوں کی حالت
خاص طور پر ڈیلٹائی رقبوں میں خستہ ہے کیونکہ سڑکوں کی جو درستگی اور بہتری کی گئی ہے
وہ ٹرانک کی ضروریات کے لئے کافی نہیں - لہذا علاقہ آندھرا میں دوسرے اور تیسرے
پانچ سالہ منصوبوں کے دوران موجودہ سڑکوں کی درستگی اور بہتری کو بہت زیادہ
فوقیت دی گئی ہے۔ صرف ایسی ہی سڑکیں تعمیر کی جائیں گی جو اہم مقامات کو ملاتی ہیں
علاقہ تلنگانہ کی صورت حال مختلف ہے۔ فی مربع میل سڑکوں کا میلانہ فی الوقت
(۰٫۱۸) ہے جو کل ہند اوسط سے بہت کم ہے۔ لہذا علاقہ تلنگانہ میں دوسرے اور
تیسرے منصوبوں کے دوران نئی سڑکوں کی تعمیر کو زیادہ فوقیت دی گئی ہے۔ جہاں
تک ریاستی سڑکوں" کا تعلق ہے پہلے اور دوسرے پانچ سالہ منصوبوں کے دوران
حاصل شدہ ٹارگٹ اور تیسرے منصوبہ کے دوران مجوزہ ٹارگٹ حسب ذیل ہیں:-

پہلا پانچ سالہ منصوبہ:

	آندھرا	تلنگانہ	جملہ
اخراجات:	۲۳۸٫۶۹ لاکھ روپے -	۹۹٫۹۷ لاکھ روپے -	۳۳۸٫۶۶ لاکھ روپے
(۱) نئی سڑکوں کی تعمیر	۲۵ میل	۱۲۶ میل	۱۵۱ میل
(۲) ڈامبر اندازی	۳۵½ میل	۵۰ میل	۸۵ میل
(۳) سمنٹ کنکریٹ	۳۹½ میل	..	۳۹½ میل
(۴) میٹل اندازی	۱۰۹ میل	..	۱۰۹ میل
(۵) بڑے پل	۷	..	۷

دوسرا پانچ سالہ منصوبہ:

	آندھرا	تلنگانہ	جملہ
اخراجات:	۳۶۰٫۶۸ لاکھ روپے -	۲۲۶٫۲۹ لاکھ روپے -	۵۸۶٫۹۷ لاکھ روپے
(۱) نئی سڑکوں کی تعمیر	۱۴۴ میل	۲۹۸ میل	۴۴۲ میل

	آندھرا	تلنگانہ	جملہ
(۲) ڈامبر اندازی	۲۹۵ میل	۴۳۶ میل	۷۳۱ میل
(۳) میٹل اندازی	۴۷ میل	—	۴۷ "
(۴) بڑے پل	۵	-	۵

تیسرا پانچ سالہ منصوبہ

	آندھرا	تلنگانہ	جملہ
منصوبے کی حد	۴۰۰ لاکھ روپے	۲۰۰ لاکھ روپے	۶۰۰ لاکھ روپے
(۱) نئی سڑکوں کی تعمیر	۲۳۶ میل	۱۷۶ میل	۴۱۲ میل
(۲) سمنٹ کا کنکریٹ	۴۶ میل	۱۷ میل	۶۳ میل
(۳) ڈامبر اندازی	۲۷۳ میل	۱۲۴ میل	۳۹۷ میل
(۴) میٹل اندازی	۸۷ میل	۹ میل	۹۶ میل
(۵) بڑے پل	۹	۶	۱۵

ناگ پور پلان میں جو ٹارگٹ تجویز کئے گئے تھے وہ سب دوسرے پانچ سالہ منصوبے کے ختم تک حاصل کر لئے گئے لہذا تمام ریاستوں کے چیف انجینئروں نے سڑکوں کی ترقی کا دوسرا کل ہند منصوبہ مرتب کیا ہے جو ۱۹۶۱ء سے (۲۰) سال کی مدت پر حاوی ہوگا۔ چیف انجینئروں نے آئندہ (۲۰) برسوں کے دوران صنعت و تجارت کی ضروریات پر خاص توجہ دی ہے۔ ہندوستان کے لئے سڑکوں کی ترقی کا جو منصوبہ مرتب کیا گیا ہے اس کی سائز (۵۲۰۰) کروڑ روپیہ ہے اور ہماری ریاست کے لئے سڑکوں کے منصوبے کی سائز (۴۸۰) کروڑ روپیہ ہے۔ سڑکوں کی ترقی منصوبے کے واضح مقاصد حسب ذیل ہیں۔

رقبے کی نوعیت	میٹل روڈ سے	کسی بھی سڑک سے
		ہر گاؤں کا فاصلہ
زرعی و ترقی یافتہ رقبہ	۴ میل	۱½ میل
نیم ترقی یافتہ رقبہ	۸ میل	۳ میل
غیر ترقی یافتہ اور ناقابل کاشت رقبہ	۱۲ میل	۵ میل

آندھرا پردیش کے سڑکوں کی ترقی کے منصوبے میں تجویز ہے کہ [illegible] میل سڑکوں کے میلانے میں اضافہ کیا جائے۔ فی الوقت آندھرا پردیش [illegible] فی مربع میل میلانے کی شرح (۰.۲۲۵) ہے تجویز ہے کہ منصوبے کے ختم ۱۹۸۱ء تک اسے بڑھا کر (۰.۵۵) کر دیا جائے۔

قوم کی نظریں جنگ کے زمانہ میں یا امن کے زمانے میں حملے۔ مدافعت کی خاطر یا دولت میں اضافے کے لئے اپنے ملک کے مواصلاتی نظام پر لگی ہوتی ہیں۔ آندھرا پردیش محدود ذرائع و سائل رکھتے ہوئے بھی اعتماد و امید کے ساتھ اپنے "ماسٹر پلان" پر پیش قدمی کر رہا ہے۔ جس طرح ہم نے ناگ پور پلان کے نصب العین حاصل کر لئے ہیں اسی طرح ہمیں ماسٹر پلان میں معین کئے ہوئے مقاصد کے حصول کی بھی پوری امید ہے۔

"بھول"

بیوی: (شوہر سے) "میں یہ بٹن آپ کی قمیص میں تیسری بار ٹانک رہی ہوں۔ آپ کا درزی بڑا لاپرواہ معلوم ہوتا ہے"۔

شوہر: "مگر اس سے پہلے دو مرتبہ یہ بٹن تو تم نے ہی ٹانکا تھا، اس میں درزی کا کیا قصور ہے؟"

بیوی: "اوہ! یہ تو میں بھول ہی گئی تھی"۔

آندھرا پردیش میں اشتہارات کی اشاعت

نرخنامہ

تفصیل	انگریزی، تلگو، اردو تینوں پرچوں میں			ایک پرچہ میں		
	پورا صفحہ	آدھا صفحہ	پاؤ صفحہ	پورا صفحہ	آدھا صفحہ	پاؤ صفحہ
اندرونی صفحات	۲۰۰ روپے	۱۲۵ روپے	۷۵ روپے	۱۰۰ روپے	۵۵ روپے	۳۰ روپے
آخری ورق (بیرونی صفحہ)	۳۵۰ روپے	..	..	۱۵۰ "	..	..
سرورق اور آخری ورق (اندرونی صفحہ)	۲۵۰ "	..	..	۱۲۵ "	..	..

سال بھر کے لئے اشتہارات کی اشاعت کے معاہدے پر (۲۵) فیصد کٹوتی دیجائیگی

شرائط

۱ - سائز ۳/۴ ۱۰" × ۱/۲ ۸"

۲ - ٹائیٹل پیج پر کوئی اشتہار قبول نہیں کیا جائے گا۔

۳ - پاؤ صفحہ سے کم کوئی اشتہار قبول نہیں کیا جائے گا۔

۴ - اشتہار کا مضمون جگہ کی صراحت اور رقم کے ساتھ ہر ماہ کی ۸ تاریخ سے پہلے دفتر ہذا میں وصول ہونا چاہیئے تاکہ اشتہار آئندہ مہینے کی اشاعت میں شامل کر لیا جاسکے۔ رقم بغیر کراس کئے ہوئے ڈیمانڈ ڈرافٹ کے ذریعہ جو ناظم اطلاعات و تعلقات عامہ حکومت آندھرا پردیش حیدرآباد کے حق میں اجرا کیا گیا ہو یا منی آرڈر کے ذریعہ وصول ہونی چاہیئے۔

۵ - اشتہارات کے بلاکوں کی ہر طرح حفاظت کی جائے گی لیکن اگر طباعت کے دوران میں مشین پر بلاک ٹوٹ جائیں تو اسکی ذمہ داری محکمہ ہذا پر نہ ہوگی

۶ - اشتہارات کے مقام اور ترتیب سے متعلق معین ہدایات روانہ کی جائیں اور اس کی صاف طور پر صراحت کی جانی چاہیئے کہ آیا اشتہار کی اشاعت صرف کسی ایک ہی زبان کے یا تینوں زبانوں کے پرچوں میں مطلوب ہے۔

جملہ مراسلت اور رقم کی روانگی کا پتہ :-

ناظم محکمہ اطلاعات و تعلقات عامہ حکومت آندھرا پردیش حیدرآباد دکن نمبر ۱